اصلی وارث
ایم اے راحت

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

چار جلدوں پر مشتمل کہانی

اصلی وارث	گول مال
کاٹھ کا اُلو	آخری ثبوت

2010

اہتمام ۔ ملک مقبول احمد

سرورق نوید ناصر

ناشر مقبول اکیڈمی

مطبع خورشید مقبول پریس

قیمت -/300 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہوگیا۔ دادا کی ایک آواز بھی نہیں ابھری تھی اور مطلع پڑھتے ہی انھیں مستقبل تاریک معلوم ہونے لگا تھا۔ انھوں نے ہمت کر کے دوبارہ مطلع پڑھا اور پھر دوسرے شعر پر آ گئے۔ لوگوں کی بڑبڑاہٹ اُبھری تھی لیکن ان میں دادا کی کوئی آواز نہ تھی ان کے ہاتھوں میں ان کی تازہ غزل کانپنے لگی۔ الفاظ دھندلے ہو گئے۔ اتنے دھندلے کہ انھیں چشمہ اتار کر صاف کرنا پڑا۔ تب انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

تب ہی سامنے سے ایک آواز ابھری۔ ''لوٹ لیا جناب مطلق۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضور دوبارہ۔ خدا کے واسطے دوبارہ۔ اس اکیلے نوجوان نے خاصی ہنگامہ آرائی کردی تھی۔ لوگ اسے ناپسندہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن مطلق صاحب کی عزت بچ گئی تھی۔ انھوں نے ممنون نگاہوں سے اس سخن فہم فرشتے کو دیکھا اور دوبارہ شعر پڑھا۔ جس پر اس نے اتنا ہی واویلا کیا تھا اور مطلق صاحب نے اس کی داد کے سہارے پوری غزل ختم کرلی۔ اس نوجوان کے علاوہ کسی بدذوق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ ایک لفظ کہہ ڈالتا۔ بہر حال وہ تہہ دل سے اس کے ممنون تھے۔ باقی کسی کی طرف انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ سامعین کی آٹھویں رو میں بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں لیکن اس وقت مطلق صاحب نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور خاموشی سے شاعروں کی صف میں بیٹھ گئے۔ اناؤنسر نے دوسرے شاعر کا نام پکار دیا تھا۔

مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہو گیا۔ دادا کی ایک آواز بھی نہیں ابھری تھی اور مطلع پڑھتے ہی انھیں مستقبل تاریک معلوم ہونے لگا تھا۔ انھوں نے ہمت کر کے دوبارہ مطلع پڑھا اور پھر دوسرے شعر پر آ گئے۔ لوگوں کی بڑبڑاہٹ اُبھری تھی لیکن ان میں دادا کی کوئی آواز نہ تھی ان کے ہاتھوں میں ان کی تازہ غزل کا نپنے لگی۔ الفاظ دھندلے ہو گئے۔ اتنے دھندلے کہ انھیں چشمہ اتار کر صاف کرنا پڑا۔ تب انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

تب ہی سامنے سے ایک آواز ابھری۔ ''لوٹ لیا جناب مطلق۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضور دوبارہ۔ خدا کے واسطے دوبارہ۔ اس اکیلے نوجوان نے خاصی ہنگامہ آرائی کر دی تھی۔ لوگ اسے ناپسندہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن مطلق صاحب کی عزت بچ گئی تھی۔ انھوں نے ممنون نگاہوں سے اس سخن فہم فرشتے کو دیکھا اور دوبارہ شعر پڑھا۔ جس پر اس نے اتنا ہی واویلا کیا تھا اور مطلق صاحب نے اس کی داد کے سہارے پوری غزل ختم کر لی۔ اس نوجوان کے علاوہ کسی بدذوق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ ایک لفظ کہہ ڈالتا۔ بہر حال وہ تہہ دل سے اس کے ممنون تھے۔ باقی کسی کی طرف انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ سامعین کی آٹھویں رو میں بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں لیکن اس وقت مطلق صاحب نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور خاموشی سے شاعروں کی صف میں بیٹھ گئے۔ اناؤنسر نے دوسرے شاعر کا نام پکار دیا تھا۔

مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہوگیا۔ دادا کی ایک آواز بھی نہیں ابھری تھی اور مطلع پڑھتے ہی انھیں مستقبل تاریک معلوم ہونے لگا تھا۔ انھوں نے ہمت کر کے دوبارہ مطلع پڑھا اور پھر دوسرے شعر پر آ گئے۔ لوگوں کی بڑبڑاہٹ اُبھری تھی لیکن ان میں دادا کی کوئی آواز نہ تھی ان کے ہاتھوں میں ان کی تازہ غزل کانپنے لگی۔ الفاظ دھندلے ہوگئے۔ اتنے دھندلے کہ انھیں چشمہ اتار کر صاف کرنا پڑا۔ تب انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

تب ہی سامنے سے ایک آواز ابھری۔ ''لوٹ لیا جناب مطلق۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضور دوبارہ۔ خدا کے واسطے دوبارہ۔ اس اکیلے نوجوان نے خاصی ہنگامہ آرائی کر دی تھی۔ لوگ اسے ناپسندہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن مطلق صاحب کی عزت بچ گئی تھی۔ انھوں نے ممنون نگاہوں سے اس سخن فہم فرشتے کو دیکھا اور دوبارہ شعر پڑھا۔ جس پر اس نے اتنا ہی واویلا کیا تھا اور مطلق صاحب نے اس کی داد کے سہارے پوری غزل ختم کر لی۔ اس نوجوان کے علاوہ کسی بدذوق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ ایک لفظ کہہ ڈالتا۔ بہر حال وہ تہہ دل سے اس کے ممنون تھے۔ باقی کسی کی طرف انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ سامعین کی آٹھویں رو میں بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں لیکن اس وقت مطلق صاحب نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور خاموشی سے شاعروں کی صف میں بیٹھ گئے۔ اناؤنسر نے دوسرے شاعر کا نام پکار دیا تھا۔

بڑی سفارش کے بعد مطلق صاحب کو اس مشاعرے میں پڑھنے کا موقع ملا تھا۔ اس سے قبل وہ دفتر کے لوگوں کو اپنی غزلیں سناتے رہے تھے یا پھر دوسرے شناساؤں کو جنھوں نے کبھی ان کی پزیرائی نہیں کی تھی اور مطلق صاحب یہی سوچتے رہے تھے کہ ابھی انھیں وہ حلقہ نہیں ملا جو شعر و شاعری کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے' نہ جانے کس کس طرح کوشش کر کے وہ اس مشاعرے میں پڑھنے کا اجازت نامہ حاصل کر سکے تھے۔ آنکھوں میں سنہرے مستقبل کے خواب سجائے وہ مسند پر آئے تھے۔ بیگم لاکھ بدذوق سہی لیکن مطلق صاحب نے ان کے لیے بھی نشست حاصل کر لی تھی اور وہ آٹھویں رو میں مع پانوں کی ڈبیہ کے بیٹھی تھیں جو چاندی کی تھی اور جس میں قوام' تمباکو اور چھالیہ الگ الگ رکھنے کے خانے بنے ہوئے تھے۔

مطلق صاحب نے آج سارا دن 'یاحق' کا وظیفہ پڑھا تھا' جو انھیں کسی بزرگ نے ہر جائز حاجت پوری ہونے کے لیے بتایا تھا۔ آج ان کی خواہش یہی تھی کہ وہ مشاعرہ لوٹ لیں اور کل کے اخبار ان کی تصاویر سے سجے ہوئے ہوں۔ بس یہاں سے ان کی شاعری کا آغاز ہو جائے اور وہ مستقبل کے شاعر اعظم کہلانے لگیں۔ لیکن شاید وظیفہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ آغاز ہی انجام ہو گیا تھا۔ مستقبل کی تصویر نمایاں ہو گئی تھی' اگر وہ نوجوان نہ ہوتا۔ تو شاید زندگی بھر طعنے برداشت کرنے پڑتے۔ لیکن اس فرشتہ رو نے لاج رکھ لی تھی۔

نہ جانے کیوں وہ اس قدر مہربان تھا کہ وہیں بس نہ ہوئی۔ مشاعرے کے اختتام پر جب لوگوں کا ہجوم اپنے پسندیدہ شعرا کی مدح سرائی کر رہا تھا اس نے ایک آٹوگراف بک ان کی طرف بڑھا دی۔

"حضور مطلق صاحب' آٹوگراف۔" اس نے قلم صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

مطلق صاحب نے کنکھیوں سے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا' جو ہجوم سے بچنے کے لیے ان کے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھیں' اور قلم لے کر آٹوگراف دے دیے۔ لیکن دوسرا منظر بھی انھوں نے دیکھ

لیا تھا۔ ایک نوجوان لڑکی نے نہایت غصے کے عالم میں آٹوگراف بک اس نوجوان سے چھینتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ تم نے میری آٹوگراف بک کیوں اچک لی تھی۔"

"پیش خدمت ہے۔" نوجوان نے نہایت اخلاق سے آٹوگراف بک اس لڑکی کے حوالے کر دی' اور وہ بڑبڑاتی چلی گئی۔

مطلق صاحب بیگم صاحبہ کے ساتھ دروازے تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک بار پھر وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا اور ایک آٹوگراف بک ان کے سامنے کرتا ہوا بولا۔ "براہ کرم آٹو گراف۔" مطلق صاحب نے بھی نہایت پھرتی سے دوبارہ دستخط کر دیے کیونکہ اس نوجوان کے پیچھے وہ ایک دوسرے نوجوان کو لپکتے دیکھ رہے تھے۔ ان کی بیگم تو شاید نہ دیکھ سکیں لیکن مطلق صاحب نے بخوبی دیکھا تھا کہ نوجوان نے دوسری آٹوگراف بک بھی پیچھے آنے والے نوجوان کے حوالے کر دی تھی۔ مشاعرہ گاہ کے آخری دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے تیسری بار بھی وہی حرکت دہرائی تھی۔

اور مطلق صاحب گھر پہنچنے کے بعد بھی اس کی اس حرکت پر غور کر رہے تھے۔ نہ جانے وہ کون تھا اور ان پر اس قدر مہربان کیوں تھا۔ بیگم صاحبہ چالیس سے نیچے ہوتیں تو شاید وہ نوجوان کی بدتمیزی کو برداشت نہ کر پاتے۔ لیکن ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ بہرحال' اس نے لاج رکھ لی تھی۔ بیگم صاحبہ نے مشاعرے پر کوئی خاص تبصرہ نہ کیا۔ وہ اس ذوق سے عاری تھیں اور انھیں اس بات کی چنداں فکر نہیں تھی کہ کسی نے شوہر کو داد دی یا نہیں۔ بہرحال ان کی یہ بے نیازی مطلق صاحب کو گراں نہیں گزری تھی۔ ہاں اگر مشاعرے میں بھرپور داد ملتی اور بیگم صاحبہ پھر بھی ٹھس رہتیں تو شاید وہ برداشت نہ کر پاتے۔

مطلق صاحب سیدھے سادے شریف انسان تھے۔ ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ تھے

اور پچھلے بیس سال اسی بنک میں گزار چکے تھے۔ اولاد نہ تھی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں میاں بیوی حسب روایت اولاد کے منتظر رہے تھے۔ پھر یہ انتظار پریشانی بنا اور پھر یہ پریشانی حسرت بن گئی۔ آہستہ آہستہ یہ حسرت بھی فنا ہوگئی اور اب وہ قانع ہو گئے تھے مشیت پر' جو خدا کی مرضی' انسان بیچارہ کیا کرسکتا ہے۔ چنانچہ اب کوئی فکر نہیں تھی۔ خاصی عمر ہو چکی تھی۔ لیکن تندرست اور چاق و چوبند تھے۔ آمدنی معقول تھی اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی بسر کر رہے تھے۔ بینک کی طرف سے قرض ملا تو مکان بنوالیا جوان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ صرف چند کمرے ان کے استعمال میں رہتے تھے۔ باقی خالی پڑے ہوئے تھے ان کا اور کوئی مصرف ہی نہیں تھا۔ مزید آمدنی کا کوئی شوق تھا نہ ضرورت' اس لیے یہ کمرے خالی پڑے رہے۔

ہاں ابھی چند روز قبل اچانک خیال آیا تھا کہ اگر بیرونی کمروں میں سے ایک کمرہ کسی کو کرائے پر دے دیا جائے تو تھوڑی سی رونق ہو جائے گی۔ باہر کا حصہ بھی محفوظ ہو جائے گا کیونکہ حالات ان دنوں بہت خراب تھے اور محلے میں کئی چوریاں ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے بیگم صاحبہ خوفزدہ رہتی تھیں۔

خاصا بحث و مباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر کوئی شریف مل جائے تو کمرہ کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دن اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ اور دفتر میں کئی فون موصول ہوئے تھے۔ ایک دو حضرات شام میں گھر پر ملنے بھی آئے تھے لیکن مشاعرہ سوار تھا اس لیے ان سے کوئی مفصل گفتگو نہ ہو سکی۔ مطلق صاحب نے انھیں دوسرے دن بلایا تھا۔

شعر و شاعری کا شوق تو پرانا تھا لیکن بس مشاعرے سننے تک۔ خود بھی کہتے تھے لیکن چوری چھپے اور ایسے مرنجان مرنج لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو خاموشی سے ان کے اشعار برداشت کرلیں۔ بڑی ہمت کر کے انھوں نے اس مشاعرے تک رسائی حاصل کی تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کرنا چاہا تھا لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور ناکامی ہوئی تھی۔

بہر حال رات کو بستر پر لیٹ کر انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کسی مشاعرے میں شرکت نہیں کریں گے۔ دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتا کر کے دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے اور بیگم کی انگلیاں چوم کر چل پڑے۔

بس اسٹاپ کے ہنگامے جوں کے توں تھے۔ لیکن دفعتاً ان کی نگاہ تھوڑے فاصلے پر کھڑے اسی نوجوان پر پڑی جس نے رات کو ان کی بحالی عزت کے لیے نمایاں طور پر کام کیا تھا' تو وہ اچھل پڑے۔ دوسرے لمحے وہ اس کی طرف لپکے تھے۔ اور میں نے اس کے قریب پہنچ کر ایک بھاری بھرکم سلام داغ دیا۔

نوجوان نے چونک کر انھیں دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی بغل سے فائل نکل گیا۔ اس کے چہرے پر عقیدت پھیل گئی اور اس نے فائل کی طرف توجہ دیے بغیر بڑے احترام سے مطلق صاحب سے مصافحہ کیا۔ ''واہ حضرت مطلق! آپ یہاں؟'' اس نے کہا۔

''جی میاں' میں اسی محلے میں رہتا ہوں۔'' مطلق صاحب نے جواب دیا۔

''عجیب اتفاق ہے لیکن میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہوں گا۔ بڑا خوشگوار دن ہے۔ صبح ہی صبح آپ کی زیارت ہوئی ہے۔ یقیناً آج میرے سارے کام بنیں گے۔'' نوجوان مسرت سے بولا۔

مطلق صاحب نے خود جھک کر اس کا فائل اٹھایا تھا اور پھر وہ نیازمندی سے بولے۔'' میاں کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو' میں کیا اور میری بساط کیا۔''

''ایسا نہ فرمائیں مطلق صاحب۔ زبان پر یہ قدرت' میر و مومن کے دور کو تازہ کر گئی۔ دکھ اس بدذوق اور قدر ناشناس زمانے کا ہے جو بے بصیرت ہے اور شعر کی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ آپ یقین فرمائیے رات بڑی کٹھن گزری مجھ پر۔''

''کیوں میاں کیوں؟'' مطلق صاحب موم کی طرح بہہ رہے تھے۔

اور پچھلے بیس سال اسی بنک میں گزار چکے تھے۔ اولاد نہ تھی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں میاں بیوی حسب روایت اولاد کے منتظر رہے تھے۔ پھر یہ انتظار پریشانی بنا اور پھر یہ پریشانی حسرت بن گئی۔ آہستہ آہستہ یہ حسرت بھی فنا ہو گئی اور اب وہ قانع ہو گئے تھے مشیت پر' جو خدا کی مرضی' انسان بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب کوئی فکر نہیں تھی۔ خاصی عمر ہو چکی تھی۔ لیکن تندرست اور چاق و چوبند تھے۔ آمدنی معقول تھی اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی بسر کر رہے تھے۔ بینک کی طرف سے قرض ملا تو مکان بنوالیا جو ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ صرف چند کمرے ان کے استعمال میں رہتے تھے۔ باقی خالی پڑے ہوئے تھے ان کا اور کوئی مصرف ہی نہیں تھا۔ مزید آمدنی کا کوئی شوق تھا نہ ضرورت' اس لیے یہ کمرے خالی پڑے رہے۔

ہاں ابھی چند روز قبل اچانک خیال آیا تھا کہ اگر بیرونی کمروں میں سے ایک کمرہ کسی کو کرائے پر دے دیا جائے تو تھوڑی سی رونق ہو جائے گی۔ باہر کا حصہ بھی محفوظ ہو جائے گا کیونکہ حالات ان دنوں بہت خراب تھے اور محلے میں کئی چوریاں ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے بیگم صاحبہ خوفزدہ رہتی تھیں۔

خاصا بحث و مباحثہ ہوا تھا اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر کوئی شریف مل جائے تو کمرہ کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دن اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ اور دفتر میں کئی فون موصول ہوئے تھے۔ ایک دو حضرات شام میں گھر پر ملنے بھی آئے تھے لیکن مشاعرہ سوار تھا اس لیے ان سے کوئی مفصل گفتگو نہ ہو سکی۔ مطلق صاحب نے انھیں دوسرے دن بلایا تھا۔

شعر و شاعری کا شوق تو پرانا تھا لیکن بس مشاعرے سننے تک۔ خود بھی کہتے تھے لیکن چوری چھپے اور ایسے مرنجان مرنج لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو خاموشی سے ان کے اشعار برداشت کر لیں۔ بڑی ہمت کر کے انھوں نے اس مشاعرے تک رسائی حاصل کی تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کرنا چاہا تھا لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور ناکامی ہوئی تھی۔

بہر حال رات کو بستر پر لیٹ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کسی مشاعرے میں شرکت نہیں کریں گے۔ دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتا کر کے دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے اور بیگم کی انگلیاں چوم کر چل پڑے۔

بس اسٹاپ کے ہنگامے جوں کے توں تھے۔ لیکن دفعتاً ان کی نگاہ تھوڑے فاصلے پر کھڑے اسی نوجوان پر پڑی جس نے رات کو ان کی بحالی عزت کے لیے نمایاں طور پر کام کیا تھا' تو وہ اچھل پڑے۔ دوسرے لمحے وہ اس کی طرف لپکے تھے۔ اور میں نے اس کے قریب پہنچ کر ایک بھاری بھرکم سلام داغ دیا۔

نوجوان نے چونک کر انھیں دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی بغل سے فائل نکل گیا۔ اس کے چہرے پر عقیدت پھیل گئی اور اس نے فائل کی طرف توجہ دیے بغیر بڑے احترام سے مطلق صاحب سے مصافحہ کیا۔ ''واہ حضرت مطلق! آپ یہاں؟'' اس نے کہا۔

''جی میاں' میں اسی محلے میں رہتا ہوں۔'' مطلق صاحب نے جواب دیا۔

''عجیب اتفاق ہے لیکن میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہوں گا۔ بڑا خوشگوار دن ہے۔ صبح ہی صبح آپ کی زیارت ہوئی ہے۔ یقیناً آج میرے سارے کام بنیں گے۔'' نوجوان مسرت سے بولا۔

مطلق صاحب نے خود جھک کر اس کا فائل اٹھایا تھا اور پھر وہ نیازمندی سے بولے'' میاں کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو' میں کیا اور میری بساط کیا۔''

''ایسا نہ فرمائیں مطلق صاحب۔ زبان پر یہ قدرت' میر و مومن کے دور کو تازہ کر گئی۔ دکھ اس بدذوق اور قدرنا شناس زمانے کا ہے جو بے بصیرت ہے اور شعر کی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ آپ یقین فرمایئے رات بڑی کٹھن گزری مجھ پر۔''

''کیوں میاں کیوں؟'' مطلق صاحب موم کی طرح بہہ رہے تھے۔

"بس منہ سے کچھ نہ کہہ سکوں گا' کچھ بھی نہ کہوں گا۔" نوجوان افسردگی سے بولا۔
مطلق صاحب نے ادھر ادھر دیکھا اور ہوٹل مہر افروز پر نگاہ تھم گئی جو آدھے فرلانگ سے زیادہ دور نہ تھا۔ پھر وہ بولے۔ "جلدی میں ہو صاحبزادے!"

"قطعی نہیں۔ حکم فرمایئے۔"

"ایک پیالی چائے ہو جائے۔ وہ سامنے مہر افروز ہے۔"

"سرآنکھوں پر۔ بشرطیکہ آپ کے قیمتی وقت میں دخل اندازی نہ ہو۔" نوجوان نے کہا۔

"آؤ میاں۔ ساری زندگی نوکری کی ہے۔ ہمیشہ چھٹیاں بیکار گئی ہیں۔ ایک دن دیر سے گئے تو کون پوچھے گا۔ آؤ بھی۔" مطلق صاحب نے بے تکلفی سے اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسائیں اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں تعارف مکمل ہو گیا۔ نوجوان کا نام سعید ظفری تھا۔ چائے کے ساتھ مطلق صاحب نے کچھ اور لوازمات بھی منگوائے تھے۔ سعید ظفری طالب علم تھا اور بقول اس کے معاشیات میں ایم۔ اے کر رہا تھا۔

"شعر و شاعری کا خاصا ذوق معلوم ہوتا ہے۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"اچھا شعر روح کا سرور ہوتا ہے۔ لیکن مطلق صاحب یہ دور شعر کی رسوائی کا دور ہے۔ دوشیزۂ غزل کی پاکیزگی آلودہ ہو گئی ہے۔ مسند شاعری اب کسی طوائف کے کوٹھے کی چاندنی کی مانند ہے جس پر ہرا یرا غیرا آ بیٹھتا ہے اور جیب میں موجود کرنسی کے بل پر میر مجلس بن جاتا ہے۔ شاعر اور میراثی میں کوئی فرق نہ رہا۔ بہتر تو یہ ہے کہ اپنے حسین خیالات حسین اشعار میں ڈھال کر ان پر ایک دبیز پردہ ڈال لیا جائے اور یہ پردہ ہرایرے غیرے کے سامنے نہ اٹھے۔ شعر کو رونما کرنے کے لیے محرم شعر کا ہونا ضروری ہے۔ اعضا کی شعلگی سے سلگتے ہوئے پیراہن کی نمائش صاحب ظرف کے لیے ہو۔ نہ کہ ان کے لیے جو اس شعلگی سے متاثر ہونے کے بجائے ان اعضاء کو ہی گھورنے لگیں۔

"سبحان اللہ' سبحان اللہ۔ کیا درجہ دیا ہے تم نے شعر کو۔ تم نے تو شعر کی عظمت کو دوچند کر دیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں یہ ذوق۔ میاں مار دیا صاحبزادے تم نے تو۔ رہتے کہاں ہو؟ کیا تم سے روزانہ ملاقات ہو سکتی ہے؟" مطلق صاحب مسرت سے بولے۔ اور نوجوان کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زمانے کا ساتھ نہ دینے والے فٹ پاتھ کے علاوہ اور کہاں رہ سکتے ہیں۔ جب ملنے کو جی چاہے مطلق صاحب تو کسی فٹ پاتھ پر تلاش کر لیں' نظر آ جاؤں گا۔"

"نہیں' اماں نہیں واللہ۔ مذاق نہ کرو۔"

"حقیقت واقعی ایک مذاق ہے مطلق صاحب۔ میں آپ سے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔"

"یعنی کہ یعنی کہ؟"

"جی ہاں میں بے گھر ہوں۔ زمانے کے عذاب کا شکار ہوں۔ خود کو آزما رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں زمانہ مجھ پر حاوی ہوتا ہے یا میں زمانے پر۔"

"ناممکن۔ قادر مطلق ذات ایزدی ہے لیکن یہ خادم مطلق تمھیں زمانے کی ٹھوکروں میں نہ جانے دے گا۔ تم جیسے ہیرے بالآخر اپنی جگہ ضرور پا لیتے ہیں۔ چائے ختم کر لو میاں تمھاری رہائش کا بندوبست ہو گیا۔"

"یعنی؟" ظفری نے حیرت سے کہا۔

"بھئی اتنا احترام کرتے ہو تو بھروسہ بھی کرو۔ خادم کا گھر حاضر ہے۔ کوشش کروں گا کہ تمھیں تکلیف نہ ہو۔ اٹھو میرے ساتھ چلو۔ آؤ میں تمھیں تمھاری رہائش گاہ دکھا دوں۔ اے بھائی ویٹر صاحب بل لے لو۔"

بیرونی کمرے میں سارے انتظامات تھے۔ مسہری' اٹیچ باتھ' پنکھا' کوئی کمی نہیں تھی۔

لیکن ظفری کے ہونٹوں پر ایک حزینہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"مطلق صاحب! عجیب سا لگتا ہے' آپ کا یہ احسان قبول کرتے ہوئے۔ آپ بھی کیا سوچیں گے۔"

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ کچھ نہیں سوچوں گا' کبھی نہیں سوچوں گا وعدہ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سعدی کا کیا ہوگا۔"

"سعدی' سعدی کون؟" مطلق صاحب بولے۔

"میری طرح طالب علم ہے۔ میرا ہم خیال اور میرے شب و روز کا ساتھی۔ نہیں مطلق صاحب' ہم زمانہ ساز نہیں بن سکتے۔ ہم ہمیشہ یکجا رہے ہیں۔ آپ کی یہ خوبصورت چھت ہم دونوں کے خلوص کے درمیان نہیں آسکتی۔"

"کمرہ کافی بڑا ہے صاحبزادے' اور کئی مسہریاں فالتو پڑی ہیں۔ ایک اور مسہری یہاں ڈلوا دی جائے گی۔ اسے بھی یہاں بلا لو۔" مطلق صاحب نے کہا' اور بہر حال انھوں نے ظفری کو تیار کر لیا کہ شام کو وہ اپنے دوست کے ساتھ سامان لے کر آ جائے۔ انھوں نے اس سے قسم لے کر اسے چھوڑا تھا۔

دیارام سوجارام نے اس دور میں یہ بلڈنگ بنوائی ہوگی جب شاذ و نادر ہی بلڈنگیں بنتی ہوں گی۔ ورنہ کوئی ایسی بے تکی عمارت بنوا کر اتنی بلند جگہ اپنا نام لکھوانا پسند نہ کرتا کہ زمانے میں رسوائی ہو۔ بلاشبہ یہ بلڈنگ عجائبات میں شمار کی جا سکتی تھی۔ اس کی ہیئت چیستان تھی۔ مثلاً اگر کسی سے سوال کیا جاتا کہ اس عمارت کا اصل رنگ کیا ہے تو وہ بیس کے بجائے پچیس سوالات میں بھی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ کسی آرکیٹیکٹ سے کہا جاتا کہ اس کا نقشہ دوبارہ بنا دو تو اسے دو چار کورس اور کرنے ہوتے' لیکن یہ عمارت آباد تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنھیں اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی عزیز تھی وہ انھیں لے کر یہاں سے نکل گئے تھے اور اب اس عمارت کے فلیٹوں میں صرف

دفاتر قائم تھے۔ لیکن عموماً ایسے لوگوں کے جن کا کوئی کاروبار نہ تھا لیکن وہ کاروبار کے متمنی تھے۔ کسی کاروبار کو شروع کرنے کے لیے جگہ ضروری ہوتی ہے اور جگہ کے حصول کے لیے پیسے بھی ضروری ہوتے ہیں اور بہت تھوڑے سے پیسوں میں صرف دیارام سوجارام بلڈنگ میں ہی دفتر مل سکتا تھا۔ جان بچا کر بھاگنے والوں کو جو کچھ مل جاتا غنیمت تھا۔

مکرم علی ایڈووکیٹ نے یہ دفتر اسی لیے چھوڑا تھا کہ یہاں ان کی وکالت بالکل ٹھپ ہو گئی تھی۔ موکل یہاں آتے ہوئے خوفزدہ ہوتے تھے۔ لکڑی کی نازک سیڑھیاں انسانی بوجھ سے ہلتی تھیں۔ درمیان کے کئی تختے غائب تھے اور انھیں پھلانگ کر جگہ جگہ دو سیڑھیاں طے کرنا ہوتی تھیں۔ پوری بلڈنگ کسی کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوتا تو ہر کمرے میں بھونچال آ جاتا تھا اور کہیں نہ کہیں سے قلعی کی پپڑیاں یا سیمنٹ کھسک جاتا تھا اس لیے ہر کمرے کے دروازے پر چٹ لگی ہوئی تھی۔ "براہ کرم دروازہ آہستہ بند کیجیے۔"

چنانچہ جونہی مکرم علی کے پاس کوئی دوسرا دفتر خریدنے کے لیے پیسے جمع ہوئے انھوں نے یہ دفتر چھوڑ دیا اور نئے دفتر میں چلے گئے۔ پھر جب اس نوجوان نے اس دفتر کے حصول کے لیے ان سے بات کی تو انھوں نے بڑے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ "زندگی سے بیزار ہو بھائی؟"

"جی ہاں۔" نوجوان نے سکون سے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر' لیکن بلدیہ نے ابھی اس بلڈنگ کو قبرستان کیلیے حاصل نہیں کیا ہے۔ ویسے تم اس دفتر میں کیا کاروبار کرو گے؟"

"موت کا کاروبار۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ' اس لحاظ سے بڑی مناسب جگہ تلاش کی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ دفتر میرے نام ہے۔ اس کاروبار کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ ویسے اس کاروبار کی نوعیت کیا ہوگی۔"

"دفتر شادی۔" نوجوان بولا۔ اور مکرم علی ہنس پڑے۔

"بھئی واہ' دل خوش ہو گیا۔ گویا موت کا اصلی کاروبار۔ ویسے میاں جس کے دل میں شادی کا ارمان ہو گا وہ کم از کم اس بلڈنگ میں تو داخل نہ ہو گا۔ تمھارا کاروبار نہ چل سکے گا میاں۔ تاہم اگر شوق پورا کرنا ہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ یہ چابی موجود ہے۔ اگریمنٹ سائن کر دو۔ اپنے نقصانات کے ذمہ دار خود ہو گے کرائے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر سال چھ مہینے میں کوئی پھنس جائے تو پچاس ہمیں بھی دے دینا ورنہ اللہ مالک ہے۔ نام کیا ہے برخوردار؟"

"اصغر سعدی۔" نوجوان نے جواب دیا۔ اور اگریمنٹ سائن ہو گیا نہ جانے کہاں کہاں سے پرانا فرنیچر جمع کیا گیا۔ اور دفتر قائم ہو گیا۔ بورڈ لگ گیا۔ کبھی کبھی اخبار میں اشتہار بھی لگ جاتا تھا اور سعدی کے ایک جرنلسٹ دوست کی عنایت ہوتی تھی جو بیچارہ اس سے زیادہ اس کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

دفتر کی سہ ماہی تاریخ میں اب تک صرف چار افراد اس میں داخل ہوئے تھے۔ پہلا امیدوار کسی یوسف ملک صاحب کی تلاش میں اس بلڈنگ میں داخل ہوا تھا۔ اور ان کا دفتر نہ ملنے کی شکل میں اس دفتر شادی کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر گھس آیا تھا۔

سعدی نے ٹھنڈے پانی سے اس کی تواضع کی اور پھر اس کی صحت کے بارے میں فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کا چہرہ زرد ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا آپ بیمار ہیں؟"

"او نہیں بھیا۔ بس سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے حالت کھراب ہو گئی تھی۔" جواب ملا۔

"ناممکن۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ ناقص غذائیں کھاتے ہوں۔ اوہ کہیں آپ ہوٹل کے کھانے تو نہیں کھاتے؟"

"نی کھانا تو ہوٹل ہی میں کھاتے ہیں۔ وہ اپنا محمد بھائی ہوٹل ہے نی۔"

"کیوں۔ گھر والی نہیں ہے آپ کی؟"

"تھی' بہت پہلے تھی یعنی اللہ کو پیاری ہو گئی کیا؟"

"آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟"

"نی کوسس تو کی تھی۔ پر سودا نہیں بنا کیا؟"

"سودا بنے گا ضرور بنے گا۔ کیا نام ہے آپ کا؟"

"پھجل بھائی کیا؟"

"خوب' بہت خوب ستارے بھی ملتے ہیں۔ لیجیے دستخط کر دیں۔ آپ کا رجسٹریشن ہو گیا' دستخط کر دیں۔ لڑکی کا نام فضیلت بائی ہے۔ کم از کم پچاس ہزار کا جہیز لائے گی' اپنی رہائش گاہ ہے۔ عمر تینتیس سال ہے کوئی بچہ نہیں ہے پہلے شوہر سے۔ دس سال سے بیوہ بیٹھی ہے۔"

"ارے کدھر بیٹھی ہے جلدی بولو نی بیا اپن اُدھر چلا جائے۔" فضل بھائی خوش ہو گئے۔

"ہم کس لیے بیٹھے ہیں فضل بھائی۔ وہ یہاں آئے گی' ضرور آئے گی۔ آپ سے ملیں گے معاملات طے ہوں گے۔ جہیز کم از کم پچاس ہزار روپے کا ہو گا اور۔۔۔"

'اے بھائی' اے بھائی سادی والا۔ کیا نام ہے تیرا بھائی۔ نی دس پانچ ہزار ہجار کا جہج اور نہیں بڑھ سکتا کیا؟"

"کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے بھی کوشش کی جا سکتی ہے۔" سعدی نے پورے اعتماد سے کہا۔ "آپ دستخط کر دیں۔"

"نی انگوٹھا لگاؤں گا۔" فضل بھائی نے ہاتھ آگے کر دیا اور اگریمنٹ پر انگوٹھا لگا دیا گیا۔

"بس یوں سمجھیں فضل بھائی کہ آپ کا گھر بس گیا۔"

"اے کدر' بس گیا بابا' اجی وہ پچاس ہجار کا جہج کدر گیا نی؟" فضل بھائی کافی پرجوش ہو گئے تھے۔

"چھپن روپے بارہ آنے نکال دیں۔" سعدی نے کہا۔

"کیا بولا' کیا بولا؟" فضل بھائی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"فارم فیس' چھپن روپے بارہ آنے؟"

"اے بہت جیادہ ہے بھائی۔ کچھ کم کرو وُنی یار۔ اپن گریب آدمی ہے۔"

"پچاس ہزار روپے سے آپ ایک عمدہ کاروبار کر سکتے ہیں فضل بھائی۔ آپ کی تقدیر بن رہی ہے۔ لہٰذا آپ صرف چھپن روپے بارہ آنے کے لیے کنجوسی کر رہے ہیں۔"

"اے کون کنجوسی کر رہا ہے یار' لو یہ پچاس روپے۔ اور یہ چھ روپیہ بارہ آنہ چھٹا مکس ہے اپن کے پاس کیا۔"

"ٹھیک ہے بعد میں آجائیں گے۔" سعدی نے کہا۔ اور پھر دراز سے دوسرا فارم نکال کر اسے بھرنے لگا۔ "اس پر بھی انگوٹھا لگا دیں۔" اس نے کہا اور فضل بھائی نے اس پر بھی انگوٹھا لگا دیا پھر بولے۔"

"یہ کیسا پھارم ہے سادی والا؟"

"پچاس ہزار روپے کا جہیز گورنمنٹ سے منظور کرایا جائے گا تاکہ جب آپ اپنا عظیم الشان کاروبار شروع کریں تو آپ کے اوپر شک نہ کیا جائے کہ یہ دولت کہاں سے آئی۔ اس فارم سے آپ کو بہت سی سہولتیں مل جائیں گی۔ اس کی فیس ایک سو چوبیس روپے بیس پیسے۔" سعدی بولا۔

"ایں کیا بولانی' کیا بولا۔" فضل بھائی بوکھلا گئے۔

"ایک سو چوبیس روپے بیس پیسے۔"

"اے کیا کرتا بھائی سادی والا۔ ابی تو تیرے کو چھ اوپر پچاس روپیہ دیانی۔ اے کائے کو لوٹ مار کرتا پڑا یار۔ تھوڑا مہربانی کرو۔"

"یہ تو قانونی بات ہے فضل بھائی۔ اگر آپ جہیز نہیں لینا چاہتے تو کوئی بات نہیں ہے۔" "میں یہ فارم پھاڑے دیتا ہوں۔"

"اے اے بھائی۔ اے رکو تو یار۔ کائے کو اپن کا گھاٹا کرتا ہے۔ اے لوتا یار' پھارم کائے کو پھاڑتا ہے جہیز نکس ملیں گا تو اپنی سادی کر کے کیا کریں گا۔" فضل بھائی نے ایک سو چوبیس روپے کا غم اور برداشت کر لیا۔ لیکن جب سعدی نے تیسرا فارم نکالا تو فضل بھائی کھڑے ہو گئے۔

"اے بھائی' اب تیسرے فارم پر انگوٹھا نکس لگائیں گا۔ اب اپن کے پاس ایک پیسہ بھی نکس ہے۔"

"آپ کی مرضی ہے فضل بھائی ویسے اس فارم کی کوئی فیس نہیں ہے۔ بس یہ تو لڑکی کی شرط ہے جس کے لیے آپ کو انگوٹھا لگانا ہے۔"

"اے تو ایسا بولو نا یار۔ تم نے میرے کو ڈرا ہی دیا۔" فضل بھائی نے مسکراتے ہوئے تیسرا انگوٹھا بھی لگا دیا۔

سعدی نے فارم کی آدھی رسید پھاڑ کر انھیں دیتے ہوئے کہا۔

"اس رسید کو لے کر آپ کسی بھی بینک چلے جایئے اور تیس ہزار روپے کا ڈرافٹ لڑکی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیں۔ فارم پر اس کا نام اور اکاؤنٹ نمبر لکھا ہوا ہے اور اب یہ بتایئے کہ کون سے دن لڑکی سے ملاقات کریں گے۔"

"کیا بولا' کیا بولا تم۔ تیس ہجار روپے کا ڈرافٹ۔" فضل بھائی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں' لڑکی کی شرط ہے کہ پہلے تیس ہزار روپے اس کے اکاؤنٹ مین جمع کرا دیے جائیں۔ اس کے بعد وہ ملاقات کرے گی۔"

"اے دماگ کھراب ہوا ہے تمھارا سادی والا بھائی۔ اپن کے پاس تین ہجار روپیہ نکس ہے تیس ہجار کدر سے لائیں گا۔ اے تم کیا بولتا بابا؟"

"تیس ہزار روپے نہیں ہیں آپ کے پاس؟" سعدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تو پھر

آپ اتنی دولت مند لڑکی سے شادی کیسے کریں گے؟"

"ارے تو سادی کس لیے کرتا پڑا یار۔ کیا۔ اپن پیسے کے لیے تو سادی کرتا ہے یار۔"

فضل بھائی اور سعدی کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"بددیانتی' دھوکا دہی۔ آپ ایک نیک اور شریف لڑکی کو دھوکا دے رہے تھے۔ آپ صرف اس کی دولت ہتھیانا چاہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے فضیلت بی بی بچ گئی۔ آپ جیسے دھوکا باز شخص کو پولیس کے حوالے ضرور کیا جائے گا فضل بھائی۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہے۔" سعدی نے میز پر رکھے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فضل بھائی ہونق بن گئے۔

"اے سن تو بھائی۔ اے سادی والا بھائی۔ کائے کو لفڑا کرتا یار۔ اپن سریف آدمی ہے یار۔ تیرے کو گلت فہمی ہے۔ سنو تو سہی بھائی۔ اپن کے پاس اتنا پیسہ کدر ہے بابا۔ اجی چھوڑو' گولی مارو سادی وادی کو یار۔"

"گولی مارو۔ آپ فضیلت بی بی کو گولی مارنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔" سعدی نے کہا۔ اور ریسیور میں پولیس پولیس چیخنے لگا۔ فضل بھائی گھبرا کر آفس سے نکل بھاگے تھے۔ اس کے بعد شاید انھوں نے یوسف ملک کو بھی نہیں تلاش کیا تھا۔ سعدی نے اطمینان سے ریسیور رکھ دیا۔

اس فون کا ٹیلیفون لائن سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ بس یہ بوسیدہ حالت میں کسی کباڑی کی دکان سے مل گیا تھا اور سعدی نے اسے آفس کی زینت بڑھانے کے لیے خرید لیا تھا۔ پہلی کمائی ایک سو اسی روپے ہوئی تھی اور سعدی کا کلیجہ گزوں بڑھ گیا تھا۔ اس شام اس نے ظفری کے ساتھ ایک عمدہ ہوٹل میں کھانا کھایا تھا۔ لیکن دوسرے دن سے کفایت شعاری اپنائی گئی اور نانبائی کو پچاس روپے ایڈوانس دے دیے گئے تاکہ کم از کم ایک وقت کے کھانے کی تکلیف نہ ہو۔

دفتر شادی کا منتظم اعلیٰ صرف سعدی تھا۔ ظفری اپنے لیے الگ کاروبار تلاش کر رہا تھا۔ ویسے سعدی کے پروگرام کے مطابق دفتر کے لیے اس کی خدمات بھی ضرورت پڑنے پر حاصل کی

جا سکتی تھیں۔ دوسرے امیدوار سے بھی تین سو بیس روپے حاصل ہوئے تھے۔ اور تیسرے اور چوتھے امیدوار صرف رجسٹریشن فیس ادا کر کے چلے گئے تھے۔ دفتر کو قائم رکھنے کے لیے سعدی نے دوسرے مہینے نہایت دیانتداری سے سو روپے مکرم علی ایڈووکیٹ کو ادا کر دیے تھے۔ اس طرح یہ کاروبار رینگ رہا تھا اور ابھی دونوں دوستوں کی گزر اسی پر تھی۔ سونے کے لیے فٹ پاتھ موجود تھے کیونکہ سرکاری نوٹس کے مطابق اس عمارت کو رہائش گاہ کے طور پر نہیں استعمال کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت بھی سعدی دفتر میں بیٹھا مکھیاں تلاش کر رہا تھا لیکن مکھیاں دانشمند ہوتی ہیں اور ایسے علاقے کا رخ نہیں کرتیں جہاں ان سے زیادہ ناکارہ لوگوں کی بیٹھک ہو۔ اس لیے اس عمارت کے کاروباری اس شغل سے بھی محروم تھے۔

سعدی کو یقین تھا کہ دو ایک دن کے اندر اندر اس کی تقدیر پھر جانے والی ہے کیونکہ اس کے مہربان جرنلسٹ دوست نے تین دن قبل پھر اس پر چھتیس روپے خرچ کر دیے تھے اور عوامی اشتہار میں اس نادر روزگار دفتر کا ایک موثر اشتہار لگا دیا گیا تھا۔

سعدی کا یقین رائیگاں نہ گیا۔ دوپہر کے وقت دروازے پر دستک ہوئی اور سعدی اچھل پڑا۔ اس نے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دے دی تھی لیکن نئے گاہک کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ جدید تراش کے سوٹ میں ملبوس خوبصورت پرس جھلاتی ہوئی وہ اندر داخل ہو گئی۔ سعدی نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا تھا۔

"تشریف رکھیے خاتون پلیز۔"

"شکریہ۔" لڑکی بیٹھ گئی۔ اس نے پرس سے رومال نکال کر گردن اور پیشانی کا پسینہ خشک کیا اور چھت کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ نے پنکھا تک نہیں لگایا۔"

"اوہ' جی ہاں۔ خراب ہو گیا تھا۔ مرمت کے لیے بھیجا ہے۔" سعدی نے جواب دیا۔

"سخت گرمی ہے۔" لڑکی گہری سانس لے کر بولی۔

"جی ہاں بے حد۔"

"پینے کے لیے کچھ مل سکے گا؟ دیکھیے کوک کے علاوہ کوئی بھی مشروب ہو۔ ایپل سوڈا یا فانٹا اورنج ہو۔" لڑکی بولی۔

"میں آپ کو مشروب قدرت پیش کرتا ہوں جس کے سامنے سارے مشروبات ہیچ ہیں۔" سعدی نے خلوص سے کہا اور دوسرے کمرے میں رکھے ہوئے مٹکے سے ایک گلاس پانی بھر لایا۔ لڑکی نے ناگواری سے پانی کے گلاس کو دیکھا اور برا سا منہ بنا کر گلاس سعدی کے ہاتھ سے لے لیا۔ دو تین گھونٹ لینے کے بعد اس نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ٹھنڈا بھی نہیں ہے۔"

"طبی اصولوں کے مطابق ہے۔ آپ لوگ براہ کرم اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں۔ آپ کو احساس نہیں کہ ٹھنڈا پانی اس وقت آپ کے لیے کس قدر مضر ثابت ہوتا۔ نزلہ' زکام' گلے کی خراش' ایک گلاس ٹھنڈا پانی یا کوئی گھٹیا مشروب آپ کو یہ تینوں بیماریاں مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا' پیاس جوں کی توں رہتی جبکہ سادہ پانی اس نازک وقت کے لیے بے مثال ہے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ اپنے پیشے کے لیے نہایت موزوں انسان ہیں۔"

"اوہ' عنایت ہے آپ کی۔" سعدی شرما کر بولا۔

"میں شادی کے سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔" سعدی نے جواب دیا۔ اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" اس نے کہا۔

"اوہ خاتون۔ مم معاف کیجیے۔ میرا مطلب ہے میں آپ کی مدد کے لے حاضر

ہوں۔ ظاہر ہے یہ میرا پیشہ ہے۔"

"ہوں' کوئی موزوں لڑکا ہے آپ کی نگاہ میں؟"

"بے شمار۔ ایک سے ایک عمدہ۔ لڑکی کی عمر کیا ہے۔ وہ آپ کی بہن یا کزن ہیں یا؟"

"کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں' میں شادی کے قابل نہیں ہوں؟" لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اور سعدی ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ لڑکی اس کے خیال سے کہیں آگے کی چیز تھی۔ اب اسے سنبھلنا پڑا تھا۔ صرف چند لمحات میں اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"آپ۔ یقیناً خاتون۔ آپ تو شادی کے بہت زیادہ قابل ہیں۔ تو آپ اپنی شادی کے لیے تشریف لائی ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ ایک جھٹکے سے نیچا اپنے بال پیچھے کرتی ہوئی بولی۔

"پیشگی مبارکباد قبول فرمایئے۔ میری دعا ہے کہ آپ کی ازواجی زندگی کامیاب گزرے۔" سعدی نے خلوص سے کہا۔

"مسٹر مسٹر۔ بہت زیادہ مخلص نہ ہوں' بعض دعائیں بد دعاؤں کے مترادف ہوتی ہیں۔ یوں بھی آپ کی عمر دعائیں دینے کی نہیں ہے' ابھی تو آپ کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"پانی کی آتی ہوگی۔ بخدا میں نے پچھلے بیس پچیس سال سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پیا۔ اور پچیس سال پرانا دودھ توبہ توبہ۔" سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

"چائے میں تو دودھ پیتے ہوں گے۔ ویسے چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"آہ چائے بھی پیتے تھے۔ لیکن تقدیر نے یہ بھی برداشت نہ کیا۔ گرم چائے پینے کا عادی تھا آنتیں جل گئیں' السر ہوگیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ چائے کی مہک بھی پھیپھڑوں تک

"جی ہاں بے حد۔"

"پینے کے لیے کچھ مل سکے گا؟ دیکھیے کوک کے علاوہ کوئی بھی مشروب ہو۔ ایپل سوڈا یا فانٹا اورنج ہو۔" لڑکی بولی۔

"میں آپ کو مشروب قدرت پیش کرتا ہوں جس کے سامنے سارے مشروبات ہیچ ہیں۔" سعدی نے خلوص سے کہا اور دوسرے کمرے میں رکھے ہوئے مٹکے سے ایک گلاس پانی بھر لایا۔ لڑکی نے ناگواری سے پانی کے گلاس کو دیکھا اور برا سا منہ بنا کر گلاس سعدی کے ہاتھ سے لے لیا۔ دو تین گھونٹ لینے کے بعد اس نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ٹھنڈا بھی نہیں ہے۔"

"طبی اصولوں کے مطابق ہے۔ آپ لوگ براہ کرم اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں۔ آپ کو احساس نہیں کہ ٹھنڈا پانی اس وقت آپ کے لیے کس قدر مضر ثابت ہوتا۔ نزلہ، زکام، گلے کی خراش، ایک گلاس ٹھنڈا پانی یا کوئی گھٹیا مشروب آپ کو یہ تینوں بیماریاں مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا، پیاس جوں کی توں رہتی جبکہ سادہ پانی اس نازک وقت کے لیے بے مثال ہے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ اپنے پیشے کے لیے نہایت موزوں انسان ہیں۔"

"اوہ، عنایت ہے آپ کی۔" سعدی شرما کر بولا۔

"میں شادی کے سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔" سعدی نے جواب دیا۔ اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" اس نے کہا۔

"اوہ خاتون۔ مم معاف کیجیے۔ میرا مطلب ہے میں آپ کی مدد کے لے حاضر

ہوں۔ ظاہر ہے یہ میرا پیشہ ہے۔"

"ہوں، کوئی موزوں لڑکا ہے آپ کی نگاہ میں؟"

"بے شمار۔ ایک سے ایک عمدہ۔ لڑکی کی عمر کیا ہے۔ وہ آپ کی بہن یا کزن ہیں یا؟"

"کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں میں شادی کے قابل نہیں ہوں؟" لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اور سعدی ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ لڑکی اس کے خیال سے کہیں آگے کی چیز تھی۔ اب اسے سنبھلنا پڑا تھا۔ صرف چند لمحات میں اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"آپ۔ یقیناً خاتون۔ آپ تو شادی کے بہت زیادہ قابل ہیں۔ تو آپ اپنی شادی کے لیے تشریف لائی ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ ایک جھٹکے سے نیچا اپنے بال پیچھے کرتی ہوئی بولی۔

"پیشگی مبارکباد قبول فرمائیے۔ میری دعا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کامیاب گزرے۔" سعدی نے خلوص سے کہا۔

"مسٹر مسٹر۔ بہت زیادہ مخلص نہ ہوں، بعض دعائیں بد دعاؤں کے مترادف ہوتی ہیں۔ یوں بھی آپ کی عمر دعائیں دینے کی نہیں ہے، ابھی تو آپ کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"پانی کی آتی ہوگی۔ بخدا میں نے پچھلے بیس پچیس سال سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پیا۔ اور پچیس سال پرانا دودھ توبہ توبہ۔" سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

"چائے میں تو دودھ پیتے ہوں گے۔ ویسے چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"آہ، چائے کبھی پیتے تھے۔ لیکن تقدیر نے یہ بھی برداشت نہ کیا۔ گرم چائے پینے کا عادی تھا آنتیں جل گئیں، السر ہو گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ چائے کی مہک بھی پھیپھڑوں تک

پہنچ جائے تو بیمار ہو جاتا ہوں۔"

"ہوں۔ تو گویا چائے بھی نہیں ملے گی۔" لڑکی غصیلے لہجے میں بولی۔

"کمال ہے میں سمجھی تھی کہ صرف یہ عمارت بوسیدہ ہے لیکن اب اندازہ ہوا کہ اس کے مکیں بھی۔۔۔"

"نہایت درست اندازہ ہے آپ کا۔ یوں لگتا ہے خاتون کہ زندگی اور انسانوں کے بارے میں آپ کا تجربہ بے حد وسیع ہے۔ ویسے یہ نہایت عمدہ بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے جیون ساتھی کا انتخاب نہایت سلیقے سے کریں گی۔ میرے پاس کئی نوجوانوں کے رشتے ہیں۔ کیا میں ان کی تفصیلات پیش کروں؟" سعدی نے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے مسٹر؟" لڑکی نے پوچھا۔

"فدوی کو اصغر سعدی کہتے ہیں۔"

"خوب کہتے ہیں' ٹھیک ہے ذرا دیکھیں تو آپ نے کیا کیا جمع کر رکھا ہے۔" لڑکی بولی۔ اور سعدی نے خوش ہو کر رجسٹر نکال لیا۔ پھر اس نے ایک صفحہ لڑکی کے سامنے کر دیا جس پر چند نام اور ان کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ لڑکی انھیں پڑھتی رہی اور پھر اس نے دوسرا صفحہ الٹ دیا۔ یہاں بھی چند نام اور ان کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔

یہ تمام نوجوان صرف سعدی کے ذہن میں تھے۔ یعنی ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بس رجسٹر کسی کے سامنے رکھنے کے لیے یہ تفصیل ضروری تھی اور اس تفصیل کے مطابق لڑکے مہیا کرنے کا معقول انتظام تھا۔ یعنی ظفری۔ فرض کریں لڑکی کو وہ بینک افسر پسند آ جاتا ہے جس کی تنخواہ دو ہزار ہے۔ دنیا میں تنہا ہے اور اپنے ذاتی فلیٹ میں رہتا ہے۔ تو ظفری کو پیش کیا جا سکتا تھا۔۔ اور اگر اسے وہ کاروباری پسند آ جاتا ہے جس کی ایک چھوٹی سی فرم ہے۔ دو چھوٹی بہنوں کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں ہے' ذاتی رہائش ہے اور ماہانہ آمدنی دس سے پندرہ ہزار روپے ماہوار ہے تو بھی ظفری

اس کو دور کے لیے موزوں ترین تھا۔ یہ سارے رشتے ظفری کو ذہن میں رکھ کر رجسٹر میں درج ہوئے تھے۔

لڑکی رجسٹر کے صفحات الٹتی پلٹتی رہی اور پھر اس نے ایک جگہ انگلی رکھ دی۔ "ان صاحب کی کوئی تصویر موجود ہے آپ کے پاس؟"

"اوہ' براہ کرم رجسٹر عنایت فرمائیں۔ آہ' مسٹر نوید فاروقی میں نے کہا تھا کہ آپ کو زندگی کے ساتھی کے انتخاب کا سلیقہ ہوگا۔ فاروقی صاحب نہایت خوش گو اور بذلہ سنج قسم کے نوجوان ہیں۔ نہایت خوش مزاج' اور ظریف الطبع۔ سعودی عرب کی ایک فرم میں ملازمت کرتے ہیں۔ نہایت معقول آمدنی ہے اور پھر خاتون' اگر انسان مالی طور پر مطمئن ہو تو خوش مزاج کیوں نہ ہو۔ دولت کی ریل پیل ہے۔ خرچ کرنے کے مواقع بہت کم۔ کہاں خرچ کریں۔ میرے خیال میں نہایت موزوں انتخاب ہے آپ کا۔"

"تصویر موجود ہے ان حضرت کی؟"

"جی ہاں' ابھی پیش کرتا ہوں۔" سعدی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دوسرے کمرے میں جا کر وہ ظفری کی تصویر اٹھا لایا۔ جو اسی مقصد کے لیے رکھی گئی تھی۔ اس نے تصویر صاف کر کے لڑکی کے سامنے پیش کر دی۔

لڑکی چند ساعت تصویر دیکھتی رہی اور پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اور ان کا کاروباری صاحب کی تصویر بھی دکھا دوں۔"

"کک کون؟" سعدی بوکھلا گیا کیونکہ تصویر ایک ہی تھی۔ دوسری کوئی تصویر مہیا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ تاہم اس نے خود کو سنبھال کر نہایت صبر و سکون سے رجسٹر کی وہ تفصیل دیکھی اور پھر کسی قدر سرد لہجے میں بولا۔ "میں آپ جیسی خاتون سے کسی بدذوقی کی توقع نہیں رکھتا۔ ان حضرت کی تصویر نہیں ہے میرے پاس' لیکن اگر ہوتی بھی تو میں پیش نہ کرتا۔ بات دراصل یہ

ہے خاتون کہ زندگی صرف شوہر اور دولت کے سہارے نہیں گزر سکتی۔ شوہر کے اندر کچھ دوسری خوبیاں بھی ہونی چاہئیں۔ خلوص' ہمدردی' خوش طبعی' میں امجد صاحب کی برائی نہیں کر رہا۔ لیکن تین چار ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ کوئی سلیقے کی بات سننے کو نہیں ملی' اب تک ان کے منہ سے کبھی مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اگر گفتگو کرتے ہیں تو صرف یہ کہ فلاں کاروبار آج کل تیز جا رہا ہے۔ اور فلاں مند ابیوی کاروباری ذہن کی مالک ہو تو بہتر ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''تصویر نہیں ہے ان کی؟''

''جی نہیں۔ میں نے مانگی تھی۔ کہنے لگے تصویریں کھنچانے کا شوق ہے نہ فرصت۔ صرف ایک بار تصویر کھنچوائی تھی جب پاسپورٹ بنا تھا۔ کہہ گئے ہیں کہ اگر وہ مل گئی تو پہنچا دیں گے۔''

''چلیں چھوڑیں پھر ان صاحب سے ملاقات کرا دیں۔''

''ضرور' ضرور' آپ کے کوائف؟'' سعدی نے فارم نکال لیا۔

''پوچھیں۔'' لڑکی بولی۔

''نام؟''

''زہرہ تیمر۔''

''وہ نہیں بتایا جا سکتا۔''

''جی؟ کیوں؟''

''اس لیے کہ یہ شادی والدین کی مرضی سے نہیں ہوگی۔''

''اوہ۔ اوہ۔ مگر قانونی الجھنیں؟''

''میری عمر بیس سال ہے' بالغ ہوں۔ اور پھر میری ساری جائیداد مجھے والدہ کی طرف سے ملی ہے' والد صاحب کی طرف سے نہیں۔''

''جائیداد۔ اوہ' اور والدہ صاحبہ۔''

''فوت ہو چکی ہیں۔''

''والد صاحب نے دوسری شادی تو نہیں کی؟''

''کر لی ہے۔''

''۔۔۔ خیر تعلیم؟''

''بی۔ اے۔''

''پتہ؟''

''ابھی نہیں بتا سکتی۔ اگر معاملات طے ہو گئے تو بتا دوں گی۔'' لڑکی سکون سے بولی۔

''بہتر ہے' بہتر ہے لیکن فارم نامکمل رہ جائے گا۔''

''میں نے کہا نا بعد میں مکمل کر لیں گے ایسی کیا جلدی ہے سعدی صاحب لڑکی نے کہا؟''

''ٹھیک ہے آپ کی مرضی، رجسٹریشن ہو گیا آپ کا، ملاقات کب کریں گی؟''

''کل۔''

''بہت مناسب' انھیں اطلاع دے دی جائے گی' کل کس وقت۔''

''گیارہ بجے کے قریب مناسب ہوگا۔'' سعدی نے وقت بھی نوٹ کر لیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اڑسٹھ روپے بارہ آنے عنایت فرما دیں۔''

''جی؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''رجسٹریشن فیس کی بات کر رہا ہوں۔' اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے۔''

''خدا کے لیے۔ خدا کے لیے سعدی اپنا امیج نہ خراب کریں۔ کیسی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگے آپ۔ دس بیس ہزار روپے کی ضرورت ہو تو بتائیں۔ آپ کے منہ سے اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے اچھے نہیں لگتے۔''

''اوہ نہایت شکریہ۔ بس وہ رجسٹریشن فیس ایک اصول ہے۔''

''نفرت ہے مجھے ان اصولوں سے۔ انسان کے ہلکے پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مکان کی ضرورت ہے لو نہ لو۔ بیس روپے مکان دکھانے کی فیس ادا کرو۔ مانتی ہوں کہ یہ کاروبار ہے لیکن کاروبار میں کوئی سلیقہ تو ہو۔ کوئی بڑائی تو ہو۔ ارے صاحب اسے رہنے کے لیے ایک مکان دے رہے ہیں۔ بیس روپے کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ مانگیں تو اتنی رقم مانگیں کہ آپ کی شان کے مطابق ہو۔ یہی کیفیت آپ کی ہے' اگر میری شادی ہو جاتی ہے تو کیا میں اور فاروقی آپ کو فراموش کر دیں گے۔ بتایئے ہم یہ بات بھول جائیں گے کہ ہماری ساری زندگی آپ کے توسط سے ترتیب پائی ہے۔ اس وقت ہم آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ براہ کرم اتنی چھوٹی بات نہ کریں کہ جب میں اپنی شادی کے بارے میں سوچوں تو مجھے اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے یاد آ جائیں۔ توبہ توبہ کیسا اڑیل جملہ ہے۔ اڑ۔ سٹھ۔ لاحول ولا قوۃ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تو کل گیارہ بجے آ رہی ہوں۔ خدا حافظ۔''

وہ کرسی سے اٹھ گئی اور پھر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دروازہ زور سے بند ہوا اور سعدی نے اتنے ہی زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ برابر والے کمرے سے ایک آواز ابھری تھی۔

''دروازہ آہستہ بند کریں صاحب' کیا بلڈنگ گرانے کا ارادہ ہے۔'' سعدی خاموش بیٹھا سامنے پڑے نامکمل فارم کو گھور رہا تھا۔

طویل عرصہ کے بعد ظفری کے ہونٹوں پر ایسی آسودہ مسکراہٹ نظر آئی تھی۔ سعدی تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ ''کیا بات ہے' مسکرا رہے ہو؟''

''تمہاری اداسی پر۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں۔ سعدی بجھے بجھے لہجے میں بولا۔

''خیریت کیا ہوا؟''

''ایک بھی پیسہ نہیں ہے جیب میں۔'' سعدی بولا۔

''یہ خاص بات ہے؟'' ظفری اسے گھورنے لگا۔

''ہاں' پچھلے کئی ہفتوں سے یہی خاص بات ہے۔ ہماری زندگی میں اس کے علاوہ اور کون سی بات ہوگی۔''

''میری زندگی میں ایک تبدیلی آئی ہے۔ چلو پہلے حلوائی کی دکان سے بستر اٹھا لیں۔ خاصی محنت کرنی ہوگی' یا پھر رات کے کھانے کے پیسے رکشہ کے کرائے میں خرچ کرنا پڑیں گے۔ دونوں میں سے کون سا کام پسند کریں گے؟''

''کیا مطلب؟''

''رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔''

''اوہ کہاں؟''

''نہایت عمدہ جگہ ہے۔ بس دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔''

''کک کرایہ؟'' سعدی نے پوچھا۔

''نہایت معقول۔ بس دو چار غزلیں سن کر داد دینا ہوگی۔ سر دھننا ہوگا' ان لوگوں کو گالیاں دینا ہوں گی جو شعر و شاعری کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں اور نئے شاعروں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتے۔ ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کام۔ ممکن ہے بات کچھ اور آگے بڑھ جائے۔''

''اوہ' اوہ' تو تم نے میدان مار لیا ہے؟'' سعدی خوش ہو گیا۔ ''یعنی یعنی وہ اشتہار جو میرا مطلب ہے جو کرائے کے مکان کے سلسلہ میں تھا؟''

''ہاں وہ مکان ہمیں مل گیا ہے۔ پچھلی رات مشاعرے میں گیا تھا نا؟''

''تمہیں داخلے کی اجازت کیسے مل گئی تھی مشاعرہ گاہ میں؟''

''ایک نامی گرامی شاعر کے حواریوں کی صف میں داخل ہو گیا تھا۔ کسی کو پوچھنے کی

جرأت ہی نہیں ہوئی۔ وہ شاعر یوں بھی ایک سرکاری افسر ہے۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''پھر کیا ہوا' پھر کیا ہوا' جلدی بولو یار۔'' سعدی بے چینی سے بولا۔ فٹ پاتھ کی زندگی سے تنگ آگیا تھا۔ اوّل تو مچھر بے پناہ تھے دوسرے پولیس والے بھی انھی کی تعداد میں آتے تھے۔ بڑے اطمینان سے ٹارچ کی روشنی منہ پر ڈالتے' جگاتے اور شجرۂ نسب معلوم کرنے کے بعد ہی جاتے تھے۔ ایک بار جھنجلاہٹ سوار ہوئی تو رات تھانے کے احاطے میں گزارنی پڑی تھی اور اس کے بعد ترانہ ازبر ہو گیا تھا کہ ''پولیس کا فرض ہے مدد آپ کی۔ کریں دل سے ان کی مدد آپ بھی۔ اس کے بعد ایک آواز پر دونوں پولیس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ خوشخبری بڑی مسرت افزا تھی۔

ظفری نے پوری کہانی سناتے ہوئے کہا۔'' بے چارے مطلق صاحب پوری غزل کے دوران بیداد کا شکار رہے۔ یہ خادم شور مچانے میں تنہا تھا اور دوسرے شعراء کے منہ بگڑے ہوئے تھے۔ تاہم میں تو کاروبار کر رہا تھا۔ قسم لے لو جو ایک بھی شعر ڈھنگ سے سنا ہو۔ بس یہ داد تو مکان کے ایڈوانس کے طور پر تھی پر کرائے کی مد میں بھی کچھ کرنا پڑا یعنی لوگوں سے ان کی آٹو گراف بکیں اچک اچک کر مطلق صاحب کے آٹو گراف دلوائے اور پھر صبح ہی صبح اس بس اسٹاپ پر پہنچ گیا جہاں سے مطلق صاحب بس میں سوار ہوتے ہیں۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ حضرت مطلق نے دفتر سے چھٹی کر لی اور ہماری رہائش کا بندوبست ہو گیا۔''

''خدا کا شکر ہے ظفری۔ تم نے واقعی بڑا کام کیا ہے۔ یوں سمجھو جب تک مطلق صاحب کو عقل نہیں آجاتی ہماری راتیں پرسکون گزریں گی۔ لیکن اگر رکشہ کا کرایہ ادا کر لیا تو آج کے کھانے کا کیا ہوگا؟''

''کل کے حساب میں کھا لیں گے۔''

''اور کل کیا ہوگا؟''

''بس یہی اختلاف ہے مجھے تم سے۔ کل کی فکر ضروری ہے کیا؟''

''خیر چلو۔ ویسے تمھارے لیے بھی ایک مصروفیت ہے کل۔ کام بن گیا تو تمھارے کارنامے کا ہم پلہ ہوگا۔ آؤ تفصیل بعد میں بتائیں گے۔ پہلے ایک کام مکمل کر لیں۔''

حلوائی کی دکان تک چلتے ہوئے ظفری نے سعدی کو مطلق صاحب کے گھرانے کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی تھی اور سعدی کے ذہن میں کچھ نئے منصوبے بن رہے تھے۔ رمضان علی حلوائی نے نیک دعاؤں کے ساتھ انھیں رخصت کیا تھا۔ بڑا نیک انسان تھا۔ دکان کے ایک کونے میں ان کا بستر محفوظ رہتا تھا۔ اور رات کو وہ اسے یہاں سے اٹھا لیا کرتے تھے۔ اس نے انھیں دکان کے سامنے کے فٹ پاتھ پر سونے کا مستقل این' او' سی دے رکھا تھا اور کبھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

رکشہ مطلق صاحب کے مکان کے سامنے رک گیا اور دو روپے بارہ آنے رکشہ والے کو ادا کر دیے گئے۔ مطلق صاحب گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ بیگم صاحبہ نے دروازہ کھولا اور پھر پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کے چہرے پر ناگواری نہ تھی۔ گویا وہ بھی ان بچوں' کے آنے جانے سے خوش تھیں۔

''آجاؤ میاں۔ مطلق صاحب پریشان تھے کہہ رہے تھے کہ ظفری میاں ابھی تک نہیں پہنچے۔ یہ سعدی ہیں؟'' انھوں نے کہا۔ لیکن سعدی دروازے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گیا تھا۔ اس کی نگاہیں بیگم صاحبہ پر جم گئی تھیں اور نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ ظفری نے سعدی کی یہ کیفیت نہیں دیکھی تھی۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

''تم بھی آجاؤ بیٹے' ظفری تمھارا تعارف کرا چکے ہیں۔''

''بیٹے۔۔۔۔'' سعدی گلوگیر آواز میں بولا۔ اور پھر اس نے آنکھوں پر کلائی رکھ لی۔

''ارے ارے سعدی کیا ہو گیا؟'' ظفری نے چونک کر کہا اور دوسرے لمحے سعدی کے منہ سے عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ بیگم صاحبہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے کیا ہو گیا انھیں۔ ظفری کیا ہو گیا سعدی کو؟" انھوں نے پریشان لہجے میں کہا اور ظفری نے جلدی سے سعدی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر رونے کے بہت سے نقصانات تھے۔

"کیا ہو گیا سعدی بیٹے۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ میرا دل بہت کمزور ہے۔ کیا ہو گیا انھیں ظفری میاں۔"

"بیٹے۔ ہائے پھر بیٹے۔ خالہ جان۔ میری امی' میری امی۔" سعدی کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"یا اللہ' کیا ہو گیا بچے کو' میرا دل گھبرا رہا ہے۔ سعدی بیٹے خدا کے لیے بتا دو کیا بات ہو گئی۔"

"خالہ جان! آپ میری امی کی ہمشکل ہیں۔ ہو بہو ان کی تصویر۔ ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ میں نے' میں نے دس سال کے بعد امی کو دیکھا ہے پورے دس سال کے بعد۔ اس وقت میری عمر صرف بارہ سال تھی جب امی کا انتقال ہوا۔ آہ میرے پاس ایک تصویر ہے ان کی' آپ سے کتنی ملتی جلتی ہیں' آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

سعدی کسی بچے کی طرح بسور بسور کر رو رہا تھا اور ظفری ہونٹ بھینچ کر گردن ہلا رہا تھا لیکن اسے سعدی کے آنسوؤں پر حیرت تھی۔ کمبخت کا یہ آرٹ آج ہی دیکھا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سعدی نے ماں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ اس کی پیدائش پر ہی اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن وہ سعدی کی فنکاری سے بھی واقف تھا۔

بیگم صاحبہ موم کی طرح پگھل گئیں۔ ان کی آواز بھی سعدی کی آواز میں ہی شامل ہو گئی تھی۔ اور وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "میں بھی تو تمھاری امی ہی ہوں میرے بچے مجھے اپنی امی ہی سمجھ لو۔ میں۔ میرے بچے میں تمھیں ماں کی کمی نہ محسوس ہونے دوں گی۔" انھوں نے سعدی کو کلیجے سے لگا لیا تھا۔

مار گیا یہاں بھی پالا' ظفری نے سوچا۔ یہ ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی' لیکن کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔ ایک ہی بات تھی۔ سعدی اس نئے ڈرامے سے جو بھی مراعات حاصل کرتا اس میں ظفری کا برابر کا حصہ ہوتا۔

بیگم صاحبہ سعدی کو سینے سے لگائے اندر لے گئی تھیں۔ انھوں نے بار بار اپنے دوپٹے سے سعدی کے رخسار خشک کیے۔ بے اختیار ہو کر پیار کیا' بڑی تسلیاں دیں انھیں۔ اس دوران ظفری بھی غمزدہ شکل بنائے بیٹھا رہا تھا۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم یہاں آ گئے۔ ہم تمھیں ماں باپ کا پیار دیں گے۔ تم بھی ہمیں مت چھوڑنا بیٹے۔"

"میں کہاں جاؤں گا امی۔ میری کھوئی ہوئی ماں مجھے دوبارہ مل گئی ہے۔ میں اب کہاں جاؤں گا۔" سعدی نے پھر رونے کے لیے اسٹارٹ لیا تھا کہ مطلق صاحب آ گئے۔ اندر داخل ہو کر انھوں نے ایک زوردار نعرہ لگایا۔

"ارے بھئی اتنی دیر۔ میں تو پریشان ہی۔۔۔۔" اور ماحول دیکھ کر ان کی آواز بند ہو گئی۔ "خیریت' موسم کچھ ناخوشگوار سا لگ رہا ہے۔"

"اوہ۔ وہ مطلق صاحب موسم کچھ عجیب ہو گیا ہے۔ ایک انوکھا اتفاق ہو گیا۔۔۔۔"

"کیا ہوا بھئی کچھ ہمیں بھی معلوم ہو۔ یہ غالباً سعدی ہیں؟"

"ہمارا سعدی ہے۔ میرا بیٹا ہے یہ۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"مبارک ہو بھئی۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحبزادے کب اور کہاں تولد ہوئے اور ہم اب تک کیوں لاعلم رہے یہ نہ معلوم ہو سکا۔" مطلق صاحب بولے۔

"بس اب معلوم ہو گیا آپ کو' یہی کافی ہے۔"

"جی ہاں' جی ہاں' کافی ہے۔ لیکن' خیر ہم تو آپ کے معاملات میں ہمیشہ بزدل رہے

ہیں۔تم سناؤ ظفری میاں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔ہم سوچ رہے تھے کہ کہیں تم نے فیصلہ نہ بدل دیا ہو۔"

"حاضر ہو گئے مطلق صاحب۔آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟"

"کلیجی لینے گئے تھے بھئی۔دراصل بیگم صاحبہ ماہر کلیجیات ہیں۔بلاشبہ ہم ان کی اس مہارت کے تہہ دل سے قائل ہیں۔میاں بس کلیجی ایسی پکاتی ہیں کہ انگلیاں چاٹنے سے بھی کام نہ چلے۔" مطلق صاحب نے مسکرا کر کہا اور سعدی کے حلق سے پھر ایک دلدوز آہ نکلی۔

"کلیجی۔آہ کلیجی۔"

"ارے ارے بھائی کیا کلیجی سے بھی کوئی جذباتی رشتہ ہے۔" مطلق صاحب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"آہ۔۔۔۔میں کیا بتاؤں۔تقدیر میرے ساتھ کیا مذاق کر رہی ہے۔" سعدی رندھی آواز میں بولا۔

"یہ تقدیر کا کلیجی سے کیا تعلق ہے میاں۔" مطلق صاحب نے حیرانی سے کہا۔

"اوں ہوں۔تم کس انداز میں گفتگو کر رہے ہو میرے بیٹے سے۔مجھے بتاؤ بیٹے۔یہ تو فضول آدمی ہیں ہمیشہ کے۔ساری باتیں ہی ان کی ایسی ہوتی ہیں نہ کبھی وقت کا خیال رکھتے ہیں نہ موقع کا۔"

"آہ۔۔امی جان۔۔امی جان۔۔۔بس کیا عرض کروں۔ایک ایک یاد تازہ ہو رہی ہے۔مرحومہ والدہ صاحبہ بھی کلیجی ایسی ہی لذیذ پکایا کرتی تھیں کہ انسان تعریف کیے بغیر رہ سکے۔"

"بس میں نے کہا نا۔اب تم پرانی یادیں چھوڑ دو۔میں بھی تمھاری امی ہوں۔بس مجھے خالہ جان مت کہا کرو۔امی جان کہا کرو۔جو کچھ میں ہوں بس تمھیں کہہ چکی ہوں کہ ان کی یاد نہ آنے دوں گی۔ایک ایک بات پر دل چھوٹا مت کرو۔چلو منہ ہاتھ دھو لو۔" بیگم صاحبہ نے سعدی کا

بازو پکڑا اور اسے اندر لے گئیں۔

"واہ میاں واہ حیرت کا مقام ہے۔اتنے حالات مل جائیں۔ہماری تو شخصیت مشکوک ہو کر رہ گئی۔"

"کیوں؟" ظفری نے مسکرا کر پوچھا۔

"میاں دیکھو نا جوان جہاں کلیجیات بیٹا۔بیس بائیس سال بعد برآمد ہوا ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں ہے کہ ہم کب والد بزرگوار بنے۔بس حالات ہیں زمانے کے۔"

"آہ مطلق صاحب۔سعدی ایک غمگین نوجوان ہے۔بچپن ہی سے ماں کی محبت سے محروم ہو گیا۔بارہ سال کی عمر میں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔باپ نے دوسری شادی کر لی اور اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔جب سے ذرا چھوٹے دل کا مالک ہو گیا ہے۔ویسے نہایت ہی ذہین اور سعادت مند نوجوان ہے۔"

"بے شک میاں بے شک۔ہم تو اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہیں۔بھئی ظفری میاں۔اگر یقین کرو تو ہم خلوص دل سے کہہ رہے ہیں کہ تم بھی ہمیں بچے کی طرح محسوس ہوتے ہو۔یعنی خدا نے اگر بیگم کو اولاد سے نوازا تو ہم بھی محروم نہ رہے۔آؤ ذرا گلے لگ جاؤ۔" مطلق صاحب نے کہا اور ظفری اٹھ کھڑا ہوا پھر دونوں گلے سے لپٹے ہوئے تھے کہ بیگم صاحبہ اندر تشریف لے آئیں۔

سعدی کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی تھی لیکن وہ یہ مسکراہٹ پی گیا۔

"یہ۔۔۔یہ کیا ہو رہا ہے؟" بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس بھئی خدا نے تمھیں صاحب اولاد کیا۔تو کیا ہمیں محروم رکھتا۔سعدی تمھارا بیٹا تو ظفری ہمارا بیٹا۔چلو بات ختم ہو گئی۔قدرت نے ساری زندگی اولاد سے محروم رکھا اور جب دینے پر آئی تو دو دو جوان بیٹے ایک ساتھ دے دیے۔" مطلق صاحب نے ہنس کر کہا۔

"بڑے پیارے بچے ہیں دونوں کے دونوں۔خدا کی قسم میں بڑی خوش ہوں۔" بیگم

صاحبہ بولیں اور ظفری نے شرما کر گردن جھکالی۔

''اچھا میاں' بیٹھو تم لوگ باتیں کرو۔ میں چائے لے آؤں تمھارے لیے بس ابھی لائی۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور دونوں سعادت مند بچے بیگم صاحبہ کے کہنے کے مطابق مطلق صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بیگم صاحبہ چائے کی ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے اندر داخل ہوگئیں۔ چائے کی پیالیوں کے ساتھ کچھ دوسری پلیٹیں بھی نظر آرہی تھیں جنھیں دیکھ کر سعدی اور ظفری کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن انھوں نے نگاہیں چرالیں تھیں۔ ایک پلیٹ میں بسکٹ دوسری میں گاجر کا حلوہ تھا ساتھ ہی چمچے بھی تھے۔

''اوہ۔۔۔امی جان' آپ نے۔۔۔۔۔آپ نے زحمت کیوں کی۔' سعدی بولا۔

''کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو سعدی' ڈانٹوں گی میں تمھیں ایسی باتوں پر۔ بھلا یہ زحمت ہے۔ شام کی چائے نہیں پیو گے۔'' بیگم صاحبہ نے پیار بھری ڈانٹ سے کہا' اور سعدی کی گردن جھک گئی۔

''دیکھو اب رونے کی کوشش نہ کرنا۔ رونا دھونا چھوڑ' جو کچھ یاد آئے اسے بھول جاؤ۔ اب سب کچھ تمھارے پاس موجود ہے۔ چلو منہ کھولو۔۔لو۔۔۔لو۔۔۔۔کھولو جلدی۔'' بیگم صاحبہ نے حلوے کا چمچہ بھر کر سعدی کی طرف بڑھایا اور اس نے آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیا۔

رات کے کھانے پر لذیز کلیجی اور پتلے پتلے کلچے تھے۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد دونوں کو گھر کا کھانا نصیب ہوا تھا۔ عجیب لذت دے رہا تھا یہ کھانا۔ سعدی کا دل تو بار بار بھر آرہا تھا اور ظفری کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ کمبخت سارا چانس خود لیے جارہا تھا۔ ایک مطلق صاحب تھے کہ انھیں اولاد سے کوئی رغبت ہی نہ تھی جبکہ بیگم صاحبہ سعدی کو فوقیت دے رہی تھیں۔ بہر صورت نمٹ لیا جائے گا اس مسئلے سے بھی۔ ظفری نے دل ہی دل میں سوچا۔ رات گئے تک دونوں مطلق

صاحب اور بیگم صاحبہ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آج مطلق صاحب پر شاعری کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے رات کو وہ آج کی ادائیگی سے محفوظ رہے اور اس کمرے میں پہنچا دیے گئے جہاں ان کے سونے کا بندوبست تھا۔ اب تو پورا گھر ہی ان کا تھا۔ کچھ وقت پہلے کی بات اور تھی لیکن اس وقت وہ اپنے گھر میں تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے تنہائی پسند کی تھی۔ اور اسی کمرے میں سونا منظور کرلیا تھا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ دیر تک خاموش لیٹے رہے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہے تھے کہ کہیں مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ بچوں کے سونے کا انتظار تو نہیں کررہے۔ ممکن ہے دروازے کے پاس موجود ہوں۔ رات خاصی بھیگ گئی تو ظفری نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور ماحول پر سکون دیکھ کر دروازہ دوبارہ بند کرکے اپنی مسہری پر آلیٹا۔

''تو تم نے اس طرح پنجے گاڑھ لیے ہیں؟'' ظفری بولا۔

''چھوڑ یار' کیسی باتیں کررہا ہے۔ بھلا تیرے پنجے کمزور ہوتے اور میں اپنے پنجے مضبوط کرلیتا۔ بھائی یہاں تو دونوں ہی کے پنجے مضبوط ہیں۔ ویسے اس بات کی تمام تر داد تمھیں ہی ملنی چاہیے کہ تم نے ایک ایسا نفیس گھرانہ تلاش کرلیا۔ حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں سے اور کچھ نہیں تو صبح کا ناشتا اور دو وقت کی روٹی تو ملتی ہی رہے گی۔ جانے بے چارے مطلق صاحب کے مالی حالات کیسے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''اس کا اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔ بظاہر حالات بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو ان لوگوں کو کوئی ذہنی تکلیف کم از کم نہیں پہنچنی چاہیے۔''

''ہاں میں بھی تم سے متفق ہوں۔'' سعدی بولا۔

''ویسے تم نے بھی اچھا ہی ڈرامہ کیا۔ بیچاری بیگم صاحبہ کو اپنی ماں کی ہمشکل بنا دیا۔ اب وہ تصویر کہاں سے مہیا کرے گا جس کے لیے تو نے کہا ہے۔''

''یہ بھی کوئی سوال ہے ظفری۔ ایسی تصویر مہیا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ یہ میرا مسئلہ

ہے تو اسے رہنے دے۔'' سعدی نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ بہرصورت ایک طویل عرصے کے بعد ہم کسی گھر کی چھت تلے رات گزاریں گے۔''

''یار گھر کیا چیز ہوتی ہے' اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے پاس گھر ہو۔''

''لیکن تم ابھی تو کسی کام کے بارے میں کہہ رہے تھے۔''

''اس کی تفصیل میں ابھی تمھیں بتاؤں گا۔''

''یہ بتاؤ جمعہ خان سے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک' کافی عرصے سے اس سے ملاقات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔''

''ادائیگیاں ہوگئی ہیں یا ابھی کچھ باقی ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ٹھاک ہے معاملہ۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''گویا اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو دقت تو نہیں ہوگی۔''

''بالکل نہیں۔ لیکن کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔'' ظفری نے پوچھا۔

''زبردست۔''

''کیا معاملہ ہے اب ذرا تفصیل میں آ جاؤ۔''

''بس یار کیا بتاؤں عجیب وغریب شخصیت تھی۔ بڑی حیرت انگیز۔ میں اس کی گہرائی میں نہیں اتر سکا۔ خاصی خوبصورت اور نوجوان تھی۔ میرے پاس آ کر رجسٹریشن کرایا۔ جب میں نے معلوم کیا کہ وہ کس کی شادی کرانا چاہتی ہے' تو برا مان گئی۔ کہنے لگی کیا میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ بہرصورت تمھاری تصویر اسے دکھا دی گئی ہے۔ اور خاتون نے کل گیارہ بجے کا وقت لیا ہے۔ کل وہ تشریف لا رہی ہیں۔ موٹی آسامی معلوم ہو رہی ہیں۔ جائداد وغیرہ کی بھی بات کرتی ہیں' لیکن یا تو بےحد لاابالی ہیں۔ یا پھر سخت کنجوس۔ رجسٹریشن فیس تک نہیں دی مجھے۔ اور مذاق اڑاتی

ہوئی چلی گئیں۔ ظفری اگر اس پری کو شیشے میں نہ اتارا تو کوئی کام نہیں کیا۔''

''میرا کیا کہہ کر تعارف کرایا ہے تم نے؟'' ظفری نے پوچھا۔

''سعودی عرب سے آئے ہوئے ہو اور شادی کرنا چاہتے ہو۔ یعنی آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے۔''

''ہوں۔ مگر عزیز من۔ سعودی عرب سے آنے والے اس طرح قلاش نہیں ہوتے۔'' ظفری نے کہا۔

''مطلب یہ کہ انٹرویو کہاں ہوگا؟''

''میرے دفتر میں۔'' سعدی بولا۔

''اور اگر وہ خاتون مجھے دفتر سے ہٹا کر دیکھنا چاہیں تو۔'' ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''تو ہٹ جانا یار۔ کیا بودم آدمی ہو۔ ایک لڑکی کو چٹکیوں میں نہیں اڑا سکتے۔ بھائی اگر کوئی خاتون کسی ملک کی وزیراعظم بھی ہو جائیں تو خاتون ہی رہتی ہیں۔ مرد ہمیشہ ان پر حاوی رہتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی صورتحال پیش آ جائے تو سنبھال لینا۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔''

''کل گیارہ بجے؟'' ظفری نے پوچھا۔

''ہاں ٹھیک گیارہ بجے۔''

''تو پھر اب سو جاؤ۔'' ظفری نے کہا اور کروٹ بدل لی۔ پیٹ بھر کر کھانا ملا تھا۔ ذہن میں جولانیاں ابھر رہی تھیں۔ خیالات تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے' لیکن انھوں نے سونے کی کوشش کر دی۔ دفعتاً سعدی کو کچھ خیال آیا اور وہ بولا۔

''ظفری ایک بات تو بتاؤ۔''

''ہوں پوچھو۔'' ظفری دیوار کی طرف منہ کیے بولا۔

"یہ معاملہ تو بالکل صاف صاف رہا۔ یہ مطلق صاحب یعنی میرے ابا جان اپنی غزلیں کیسے ہضم کر گئے۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہاں رہنے کا معاوضہ غزلوں کی داد کی شکل میں ادا کرنا ہوگا۔"

"بس میرا ابھی خیال ہے کہ آج وہ چارا ڈال رہے ہیں۔ اگر آج ہی ہم بدک گئے تو ان کے خیال میں بہتر بات نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے سوچا کہ کھاپی لینے دیا جائے' اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ مرغے موٹے ہو جائیں گے تو پھر ذبح کرنے میں بھی لطف آئے گا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو کوئی پروا نہیں رہی۔ اب معاملہ تو بالکل فٹ ہے' ہاں اگر دو چار غزلیں ہضم کرنا پڑیں تو تمھیں ہی اپنے ابا جان کی ہضم کرنا پڑیں گی۔"

"ہوں۔ تمھارا معاملہ کیوں درست ہے۔" ظفری ناک چڑھا کر بولا۔

"اس لیے کہ ممی میری مدد کریں گی۔ میرا خیال ہے یہ بیگم صاحبہ شعروشاعری کی شوقین نہیں ہیں۔ اگر میں نے ان سے درخواست کر دی کہ مجھے ان غزلوں سے بچاؤ تو وہ ضرور میری مدد کریں گی۔" ظفری ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور پھر دونوں دوست سونے کی کوشش کرنے لگے۔ اور چند ساعت کے بعد کمرے میں گہرے گہرے خراٹے گونج رہے تھے۔

دوسری صبح غسل کے لیے پانی گرم تھا جس کی اطلاع بیگم صاحبہ نے دی تھی۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے انھوں نے دونوں سے ان کے سامان کے بارے میں پوچھا اور سعدی کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"یہی کپڑے پہن لیں گے' امی جان۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ بہت جلد ہم کوشش کر کے کپڑے وغیرہ بنوا لیں گے۔ فی الوقت ہمارے پاس یہی ایک ایک جوڑا ہے۔"

"رات ہی بتا دیتے تو تہبند دے دیتی دونوں کو۔ اور یہ کپڑے دھو کر ڈال دیتی۔ صبح کو استری تو ہو جاتے۔ اب یہی میلے کچیلے کپڑے پہن کر باہر جاؤ گے۔ بتاؤ کب جانا ہے؟ یونیورسٹی جاتے ہو یا کالج؟"

"یونیورسٹی۔" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"تو یونیورسٹی اس حال میں جاؤ گے۔ چھٹی کر لو آج' بس کل جانا۔"

"نہیں امی جان' امتحانات قریب ہیں۔ ایک دن کی چھٹی بھی سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آج تو یہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔"

"کل دیکھا جائے گا۔ بھلا ان کپڑوں میں گھر سے نکلو گے۔ چلو ایسے ہی استری کیے دیتی ہوں' زیادہ میلے نہیں لگتے۔"

"آپ رہنے دیں امی جان' واقعی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم تو ایسے ہی کپڑے پہن کر جانے کے عادی ہیں اور لوگ ہمیں دیکھنے کے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ کپڑوں کا بندوبست بھی جلد ہی ہو جائے گا۔" سعدی نے کہا۔

"چلو پھر ناشتا تیار ہے۔ آج تو جانے دیتی ہوں ایسے' لیکن کل سے اس حلیے میں گھر سے مت نکلنا۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور وہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ چھوٹے سے گول کمرے میں مطلق صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ناشتے پر قابیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ دونوں کے منہ میں پانی آنے لگا۔ اور جب قابیں کھلیں تو گرم گرم پراٹھے اور ہاف فرائی انڈے پلیٹوں میں نظر آئے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ پراٹھے تو شاید اب وہ بھول ہی گئے تھے۔ نہ جانے ان کا مزہ کیسا ہوتا ہے۔ بہرصورت دونوں نے دو پراٹھے اور دو انڈے کھائے۔ اور پھر چائے کی دو دو پیالیاں پی کر شکم سیر ہو گئے۔

"دوپہر کے کھانے تک تو پہنچ جاؤ گے نا۔" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

''یہ معاملہ تو بالکل صاف صاف رہا۔ یہ مطلق صاحب یعنی میرے ابا جان اپنی غزلیں کیسے ہضم کر گئے۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہاں رہنے کا معاوضہ غزلوں کی داد کی شکل میں ادا کرنا ہوگا۔''

''بس میرا ابھی خیال ہے کہ آج وہ چارا ڈال رہے ہیں۔ اگر آج ہی ہم بدک گئے تو ان کے خیال میں بہتر بات نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے سوچا کہ کھانی لینے دیا جائے' اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ مرغے موٹے ہو جائیں گے تو پھر ذبح کرنے میں بھی لطف آئے گا۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''لیکن مجھے تو کوئی پروا نہیں رہی۔ اب معاملہ تو بالکل فٹ ہے' ہاں اگر دو چار غزلیں ہضم کرنا پڑیں تو تمھیں ہی اپنے ابا جان کی ہضم کرنا پڑیں گی۔''

''ہوں۔ تمھارا معاملہ کیوں درست ہے۔'' ظفری ناک چڑھا کر بولا۔

''اس لیے کہ ممی میری مدد کریں گی۔ میرا خیال ہے یہ بیگم صاحبہ شعر و شاعری کی شوقین نہیں ہیں۔ اگر میں نے ان سے درخواست کر دی کہ مجھے ان غزلوں سے بچاؤ تو وہ ضرور میری مدد کریں گی۔'' ظفری ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور پھر دونوں دوست سونے کی کوشش کرنے لگے۔ اور چند ساعت کے بعد کمرے میں گہرے گہرے خراٹے گونج رہے تھے۔

دوسری صبح غسل کے لیے پانی گرم تھا جس کی اطلاع بیگم صاحبہ نے دی تھی۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے انھوں نے دونوں سے ان کے سامان کے بارے میں پوچھا اور سعدی کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

''یہی کپڑے پہن لیں گے' امی جان۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ بہت جلد ہم کوشش کر کے کپڑے وغیرہ بنوا لیں گے۔ فی الوقت ہمارے پاس یہی ایک ایک جوڑا ہے۔''

''رات ہی بتا دیتے تو تہبند دے دیتی دونوں کو۔ اور یہ کپڑے دھو کر ڈال دیتی۔ صبح کو استری تو ہو جاتے۔ اب یہی میلے کچیلے کپڑے پہن کر باہر جاؤ گے۔ بتاؤ کب جانا ہے؟ یونیورسٹی جاتے ہو یا کالج؟''

''یونیورسٹی۔'' دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

''تو یونیورسٹی اس حال میں جاؤ گے۔ چھٹی کر لو آج' بس کل جانا۔''

''نہیں امی جان' امتحانات قریب ہیں۔ ایک دن کی چھٹی بھی سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آج تو یہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔''

''کل دیکھا جائے گا۔ بھلا ان کپڑوں میں گھر سے نکلو گے۔ چلو ایسے ہی استری کیے دیتی ہوں' زیادہ میلے نہیں لگتے۔''

''آپ رہنے دیں امی جان' واقعی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم تو ایسے ہی کپڑے پہن کر جانے کے عادی ہیں اور لوگ ہمیں دیکھنے کے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ کپڑوں کا بندوبست بھی جلد ہی ہو جائے گا۔'' سعدی نے کہا۔

''چلو پھر ناشتا تیار ہے۔ آج تو جانے دیتی ہوں ایسے' لیکن کل سے اس حلیے میں گھر سے مت نکلنا۔'' بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور وہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ چھوٹے سے گول کمرے میں مطلق صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ناشتے پر قابیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ دونوں کے منہ میں پانی آنے لگا۔ اور جب قابیں کھلیں تو گرم گرم پراٹھے اور ہاف فرائی انڈے پلیٹوں میں نظر آئے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ پراٹھے تو شاید اب وہ بھول ہی گئے تھے۔ نہ جانے ان کا مزہ کیسا ہوتا ہے۔ بہرصورت دونوں نے دو پراٹھے اور دو انڈے کھائے۔ اور پھر چائے کی دو دو پیالیاں پی کر شکم سیر ہو گئے۔

''دوپہر کے کھانے تک تو پہنچ جاؤ گے نا۔'' بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"جی دوپہر کو تو مشکل ہے شام ہی کو ٹھیک رہے گا۔"

"کیوں مشکل کیوں ہے؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"آج کل میرا مطلب ہے یونیورسٹی سے واپسی ذرا مشکل ہو جاتی ہے۔ چھٹی شام کو چار بجے ہوتی ہے۔ کچھ خصوصی کام بھی کرنا پڑ رہا ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"صرف آج کل یا ہمیشہ۔" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"چند روز کی بات ہے اس کے بعد ہمیشہ وقت پر پہنچ جایا کریں گے۔" سعدی بولا۔

"ٹھیک ہے بھئی رات کو کیا کھاؤ گے بتاتے جاؤ؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"اوہ بیگم وہ دراصل انہیں۔۔۔ انہیں بریانی اور کباب بے حد پسند ہیں بس یونہی مجھ سے تذکرہ ہو رہا تھا۔ تو کیا خیال ہے جس چیز کی ضرورت ہو واپسی میں لیتا آؤں دفتر سے آتے وقت۔" مطلق صاحب بولے اور بیگم صاحبہ انہیں گھورنے لگیں۔

"اپنے نام سے آپ کہہ دیتے تو کیا میں منع کر دیتی۔ ابھی رات ہی کو تو آئے ہیں بیچارے۔ اور آپ کو یہ بھی پتا ہو گیا کہ انہیں بریانی اور کباب پسند ہیں۔ لیتے آیئے گا قیمہ۔ باقی سب سامان موجود ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور مطلق صاحب ہنسنے لگے۔

"بھئی تم لوگ بھی تو کچھ مدد کیا کرو۔ خیر ابھی نہیں۔ بعد میں ہم لوگ آپس میں مشورہ کر لیا کریں گے کہ کیا ہونا چاہیے۔" مطلق صاحب بولے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں سلام کر کے باہر نکل آئے اور مطلق صاحب بھی تیار ہو کر ان کے ساتھ ہی باہر آ گئے تھے۔ پھر دونوں الگ الگ سوار ہوئے۔ یونیورسٹی کی بس شکر ہے الگ ہوتی تھی ورنہ انہیں مطلق صاحب کے ساتھ ہی نہ جانے کہاں جانا پڑتا۔ مطلق صاحب کے جانے کے بعد انہوں نے گہری سانس لی۔ بس اپنی منزل کی جانب جا رہی تھی اور وہ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتاً سعدی نے ظفری کو آواز دی اور ظفری چونک پڑا۔

"بب۔ بریانی۔" اس نے متحیرانہ انداز میں سعدی کو دیکھا۔

"کیا؟ کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں، میرا مطلب تھا بریانی اور کباب۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ بس میں بریانی اور کباب کہاں سے آ گئے۔"

"یار سوچو تو سہی۔ سفید چاولوں کے ساتھ گوشت کی بوٹیاں بھی ہوں گی، پھر ساتھ ہی کباب بھی ہوں گے۔ ممکن ہے رائتہ بھی بن جائے۔ یار ظفری نہ جانے شام کتنی دیر میں ہو گی۔" سعدی بڑبڑایا۔ پھر بولا۔ "ظفری ہوش میں آؤ۔ اب تمہیں کباب اور بریانی کے بارے میں نہیں بلکہ اس کانٹے بھرے کباب کے بارے میں سوچنا ہے جو گیارہ بجے میرے دفتر میں پہنچ جائے گا۔"

"اوہ، کیا کوئی بہت بدشکل لڑکی ہے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ شکل و صورت کے بارے میں تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ایسی کہ دیکھو تو پھسل جاؤ۔"

"مگر یار ہم لوگ پھسلنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس لیے ذرا احتیاط رکھنا۔ عزت بچانی مشکل ہو جائے گی۔" ظفری بولا۔ "خیر تم فکر مت کرو۔" ظفری نے اعتماد سے گردن ہلائی۔ اور پھر بولا۔ "میں پہلے ہی اتر جاؤں گا۔ تاکہ جمعہ خان سے سوٹ لیتا آؤں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" سعدی نے کہا۔

"جوتے پر پالش بھی کرانا ہو گی۔" ظفری اپنے جوتے دیکھتے ہوئے بولا۔ جو بظاہر تو نئی حالت میں تھے۔ لیکن ان میں تین دفعہ نیا سول لگایا جا چکا تھا۔ پھر ایک اسٹاپ پہلے ہی ظفری اتر گیا اور اس ڈرائی کلننگ کی دکان پر پہنچ گیا جو بارہا ان کی مدد کر چکا تھا۔ نہایت مناسب معاوضے پر انہیں سوٹ مل جایا کرتے تھے۔ جب سے یہ دفتر شادی انہوں نے کھولا تھا اس سے بڑی باقاعدگی

سے سوٹ حاصل کرنا شروع کر دیے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ اپنی کھال میں مست تھے۔

ٹھیک گیارہ بج کر دس منٹ پر ظفری بڑے کروفر کے ساتھ سوجا رام بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔ اوپر پہنچنے کے لیے اسے نہایت احتیاط برتنا پڑی تھی۔ درمیانی سیڑھیاں اوپر چڑھنے والے کو بڑے اطمینان سے نیچے پہنچا سکتی تھیں۔ ان پر چڑھنے کے لیے ایک خاص مہارت کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ ظفری چونکہ یہ سیڑھیاں چڑھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس لیے اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ تاہم دفتر شادی کے باہر رک کر اس نے اپنا حلیہ پھر سے درست کیا۔ ٹائی کی ناٹ پھر سے ٹھیک کی۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ قتالہ موجود تھی اور سعدی کے سامنے میز پر بیٹھی اپنی لمبی انگلیوں سے میز کی سطح کھٹکھٹا رہی تھی۔

سعدی سعادت مندی سے اس کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ ظفری کو دیکھ کر دونوں کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں اور سعدی کی آنکھوں میں اطمینان کی لہریں نظر آئیں۔

ظفری یوں بھی خوش شکل آدمی تھا۔ دھوپ کی طرح سفید رنگ، بڑی بڑی شربتی آنکھیں، خوبصورتی سے ترشے ہوئے بال، کشادہ پیشانی دیکھنے میں وہ انتہائی جاذب نگاہ تھا۔ سعدی اس سے کچھ دبا دبا سا تھا۔ اس وقت ظفری بہت ہی بچ رہا تھا۔ گہرے سبز رنگ کا سوٹ، سفید بے داغ قمیض اور سوٹ سے میچ کرتی خوبصورت ٹائی۔ یہ جمعہ خان بھی خوب تھا، ایسے ایسے سوٹ نکال کر دیا کرتا تھا کہ کبھی کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سعدی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''اوہ تشریف لائیے فاروقی صاحب۔ تشریف لائیے۔'' سعدی جلدی سے بولا۔ صبح سے اب تک وہ اسی پریشانی کا شکار تھا کہ کہیں ظفری اپنا تعارف غلط نام سے نہ کرا بیٹھے۔ ساری گفتگو ہو گئی تھی مگر سعدی نے ظفری کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا نیا نام کیا ہے۔ چنانچہ اس نے اس لیے جلدی سے ظفری کو فاروقی کے نام سے پکارا تھا۔ اور پھر لڑکی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

''خاتون یہ ہیں مسٹر نوید فاروقی، جن کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔''

''ہوں۔'' لڑکی نے ناقدانہ نگاہوں سے ظفری کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ظفری کی نگاہیں بھی ایک لمحے کے لیے بہک گئی تھیں۔ لڑکی واقعی ایسی تھی کہ پھسل جانے کو جی چاہے۔ لیکن وہ لوگ پھسلنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس لیے ظفری نے خود کو سنبھال لیا۔ سعدی نے اسے کرسی پیش کر دی تھی۔ ظفری بیٹھ گیا۔

''میں آپ دونوں کا تعارف کرا چکا ہوں۔ کیا اس کے بعد میری ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔''

''قطعی نہیں۔'' لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہوگا کہ آپ لوگ اطمینان سے گفتگو کریں میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔''

''اور وہاں جا کر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کیوں یہی نا۔'' لڑکی ناک سکوڑ کر بولی۔

''ارے نہیں، نہیں۔ خاتون یہ میرے پیشے کے خلاف ہے۔ میں کسی کی ذاتی گفتگو سننا پسند نہیں کرتا۔ اور ویسے بھی میں ایک شریف آدمی ہوں۔ براہ کرم آپ مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں۔''

''میں تو مذاق کر رہی تھی اور آپ برا مان گئے سعدی صاحب۔ بہرصورت ہم یہاں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔ آپ نے میرے بارے میں فاروقی صاحب کو بتا دیا ہے۔''

''جی ہاں، شرافت کی حد تک۔ اس سے زیادہ ایک لفظ کہا ہو تو قسم لے لیجیے۔''

''نہیں نہیں، مجھے یقین ہے۔ آپ کہیں گے کیا ان سے۔ تو فاروقی صاحب آپ مصروف تو نہیں ہیں۔''

''جی نہیں قطعی نہیں۔'' ظفری نے گردن ہلا کر انکساری سے کہا۔

''تو پھر تشریف لائیے۔ کہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔''

"نہیں، یہیں۔ میرا مطلب ہے یہیں گفتگو ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کیا ڈرتے ہیں آپ؟ خوف زدہ ہیں مجھ سے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ارے نہیں، نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے میرا۔ بس تھوڑی سی جھجک ہے میرے اندر۔" ظفری بولا۔

"ہوں۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ تو آپ کی خوبی ہے کہ لڑکیوں سے جھجکتے ہیں۔ میں نے اس خوبی کو پسند کیا ہے۔ تشریف لائیے، جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے ہمارے آپ کے درمیان کوئی کوئی۔۔۔۔؟" اور لڑکی خاموش ہو گئی۔ شاید اسے بھی تھوڑی بہت شرم آ ہی گئی تھی۔ ظفری نے بے بسی سے سعدی کی طرف دیکھا اور سعدی نے شانے ہلا دیے۔

"ویسے آپ لوگوں کی مرضی ہے۔ لیکن یہاں انتہائی مناسب ماحول ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ یہیں گفتگو کر لیتے۔ لیکن خیر۔ مجھے آپ دونوں پر مکمل اعتماد ہے۔ ویسے بھی ہم جتنے رشتے کراتے ہیں نہایت اعتماد کے ساتھ کراتے ہیں۔ شرافت اور اخلاق انسان کی اولین شناخت ہے لیکن محترمہ اس وقت تو میں اس بات کا دعویدار ہوں کہ آپ سے اپنے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی نے منہ پھلا کر اسے دیکھا۔

"مم۔ میرا مطلب ہے کہ ابتدائی کارروائی مکمل ہو جاتی تو بہتر تھا۔ اب دیکھیے نا اگر آپ دونوں کے درمیان رشتے استوار ہو گئے تو پھر ادھر کا رخ کون کرے گا۔" سعدی نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم اتنے ناسپاس نہیں ہیں، سعدی صاحب۔ جو کچھ ہوگا آپ کی موجودگی میں ہوگی۔ آپ شریک ہوں گے۔ یہ بھی بتا چکی ہوں میں آپکو کہ اس وقت میرا کوئی نہیں ہے۔ آپ کو نہ صرف یہ کہ مسئلہ طے کرنا ہوگا، بلکہ ہمارے دیگر مسائل بھی آپ ہی حل کریں گے۔"

"بسر و چشم۔ بسر و چشم۔ لیکن۔۔۔۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، اب اتنے کاروباری بھی نہ بنیے۔" لڑکی نے کہا اور پھر ظفری کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ بھی تو کچھ بولیے۔"

"میں؟"

"ہاں، آپ میری وکالت نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔"

"ہاں سعدی صاحب ٹھیک تو ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے جناب۔"

"میرا مطلب ہے، ابتدائی کارروائی بھی مکمل ہو جائے گی۔"

"دیکھیے فاروقی صاحب، ہر کاروبار کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ہم تو بیٹھے ہی اس لیے ہیں کہ۔۔۔۔"

"آپ کے سارے واجبات ادا ہو جائیں گے۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں اس بات کی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔"

"پھر لیکن۔ میں کہتی ہوں یہ نامعقول لفظ ایجاد کیوں کیا گیا ہے۔ سارا معاملہ الجھا کر رکھ دیتا ہے یہ۔ لیکن، بس اور کچھ نہیں سنیں گے ہم۔ نہایت معمولی سی بات ہے، آیئے فاروقی صاحب۔ یہ سعدی صاحب نہایت سنجیدہ مذاق کرتے ہیں۔ آیئے آپ۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی اور سعدی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

دیا رام سوجا رام بلڈنگ کا پل صراط طے کر کے دونوں نیچے آ گئے۔ ظفری اس دوران خاموش رہا تھا۔ ویسے لڑکی کافی تیز طرار معلوم ہوتی تھی۔ چہرے مہرے سے بری نہیں لگتی تھی اور کسی اچھے گھرانے کی چشم و چراغ معلوم ہوتی تھی۔ لباس بھی کوئی زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن عمدہ تراش اور جدید ڈیزائن کا تھا۔ ہاتھ میں پرس جھلاتی ہوئی وہ ظفری کے ساتھ نیچے آ گئی۔

"آپ کی کار کہاں ہے؟"

"کک کار۔۔کار یہاں کہاں سے آئی؟"

"کیوں؟" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

"کار سعودی عرب میں ہے خاتون' اور مجھے لمبی ڈرائیونگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔" ظفری نے خود کو سنبھال لیا۔

"اوہ' ہاں میں بھول گئی تھی۔ٹیکسی روکیں' کسی عمدہ سے ہوٹل میں بیٹھیں گے۔وہیں باتیں ہوں گی اور پھر وہیں لنچ کیا جائے گا۔"

"خدا کے لیے۔خدا کے لیے ہوٹل کا نام نہ لیں' مجھے اختلاج ہوتا ہے۔" ظفری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ارے۔۔۔کیوں۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"گزشتہ نو سال سے سعودی عرب میں ہوں اور گھر کی صورت سے محروم ہوں۔ہوٹل' ہوٹل اور صرف ہوٹل۔خدا کے لیے مجھے ہوٹل نہ لے چلیں میں ایک لفظ بھی نہ بول سکوں گا' بات بھی نہیں کی جائے گی مجھ سے۔اپنے وطن اسی لیے آتا ہوں کہ اس کی فضا سے لطف اندوز ہوں۔ بسوں میں سفر کروں اور سڑکوں پر گھوموں۔"

"تو کیا اب سڑکوں پر گفتگو ہوگی؟" لڑکی نے تنگ آ کر کہا۔

"جی تو یہی چاہتا ہے لیکن اتنی اہم گفتگو ظاہر ہے سڑک پر نہیں ہو سکتی' وہ دیکھیے وہ بس آ رہی ہے' آیئے کسی عمدہ سے پارک میں چلیں۔فریئر ہال کیسا رہے گا؟"

"نہایت بکواس۔"

"مجھے بے حد پسند ہے۔پلیز۔۔۔میرے لیے۔"

"مم مگر بس؟"

"آیئے تو سہی۔کبھی اس کے ماحول پر بھی غور کیا کیجیے۔ہمارے ملک کی اسی فیصد آبادی ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔آہ کتنی محبت ہے۔مجھے اپنے وطن سے۔" ظفری نے بس کو رکنے کا اشارہ کیا اور اس میں چڑھ گیا۔لڑکی بھی بادل ناخواستہ بس میں جا چڑھی تھی۔ظفری نے جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکالا اور دو ٹکٹ خرید لیے۔اب کوئی فکر تو تھی نہیں۔کھانے اور رہائش کا معقول بندوبست ہو گیا تھا چنانچہ عیش تھے۔

فریئر ہال میں ایک سرسبز قطعے پر دونوں بیٹھ گئے۔

"بتایئے اس سے حسین ماحول اور کہیں مل سکتا ہے۔"

"سعودی عرب میں آپ کیا کرتے ہیں؟"

"حج کرتا ہوں ہر سال کئی بار عمرہ بھی کر چکا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"کام کیا کرتے ہیں؟"

"کام۔۔۔۔اوہ' خاتون کام کیا بس عیش کرتا ہوں۔نوکری تو بس دستخط کرنے کے لیے ہے۔جی ہاں۔" سعدی یہ بتانا بھی بھول گیا تھا کہ نوید فاروقی کیا جھک مار رہے ہیں۔

"کیا تنخواہ ملتی ہے۔"

"بس کبھی حساب ہی نہیں کیا۔بے حساب رقم لے لیتا ہوں۔ساری تنخواہ جمع ہو رہی ہے کبھی حساب ہی نہیں کیا۔"

"خاصی دولت جمع کر لی ہوگی آپ نے۔"

"دولت۔میں نے کبھی اس بیکار شے کے بارے میں نہیں سوچا لاابالی انسان ہوں۔ بس رقومات بینک میں جاتی رہتی ہیں کبھی حساب لگانے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"والدین ہیں؟"

"جی نہیں' بچپن سے ان کی محبتوں کا پیاسا ہوں۔"

"بہن بھائی؟"

"کاش ہوتے۔" ظفری بولا۔

"حیرت انگیز ہیں آپ۔"

"اور آپ بھی۔" ظفری نے رومان زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں میں کیوں۔ میں نے تو ابھی آپ کو اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے۔"

"اوہ میرے حالات بھی عجیب ہیں۔ لاکھوں روپے کی جائداد کی مالک ہوں لیکن والد صاحب کی وصیت نے محتاج کر کے رکھ دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"والد صاحب کی وصیت ہے کہ جب تک شادی نہ کرلوں ایک پیسہ بھی مجھے نہ دیا جائے۔ سوتیلی ماں انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"بس اس وصیت کی وجہ سے۔ اس کے ہاتھ سے ساری دولت نکل جائے گی۔ جس دن میں نے شادی کر لی۔ لیکن شادی سے پہلے جس کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہوں میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"واقعی واقعی بڑی افسوس ناک صورت حال ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ والدہ محترمہ نے میرے لیے ایک کرائے کا ٹٹو تلاش کر لیا ہے۔"

"ٹٹو؟ کیا مطلب؟"

"شادی کے لیے۔ وہ ایک احمق سے میری شادی کرنے کے پروگرام بنا رہی ہیں اور

وہ احمق ان کا اپنا آدمی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ اس کے بعد بھی اس کے ذریعہ دولت ان کی تحویل میں رہے۔" لڑکی نے بتایا۔

"اوہ اوہ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"ورنہ میں اتنی بے شرم نہیں ہوں۔"

"بے شرم؟"

"تو اور کیا۔ لڑکیاں اس طرح اپنی شادی کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں مگر کیا کروں۔ اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں ہے۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" ظفری نے گردن ہلائی۔

"میں آپ کو شکل وصورت سے اتنی ہی بری لگتی ہوں؟"

"نہیں خاتون۔ خدانا خواستہ۔"

"تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ج۔۔۔جی۔۔۔؟"

"شادی کریں گے مجھ سے؟"

"کک کیوں نہیں کیوں نہیں۔ یہ تو میری عین خوش بختی ہوگی۔"

"آپ بھی مجھے پسند ہیں۔" لڑکی نے شرما کر کہا۔ اور ظفری کو پسینہ آنے لگا۔ چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔

"یہ شادی خفیہ ہوگی؟"

"سو فیصدی۔ میں سارے انتظامات کرلوں گی مکمل انتظامات۔ میری عمر بیس سال کے قریب ہے۔ بالغ ہوں۔ اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کر سکتی ہوں۔ اور عدالت مجھے بہ آسانی اس کا حق دے دے گی۔ مگر بس کچھ رقم کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ مجھے یہ رقم فراہم

کردیں۔"

"م۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔؟" ظفری اچھل پڑا۔

"ہاں' زیادہ نہیں چاہیے بس دس بارہ ہزار۔ صرف دس بارہ ہزار۔ سارے کام بن جائیں گے۔"

"اوہ' بس۔ دس بارہ ہزار۔ کمال ہے۔" ظفری نے ہنس کر کہا۔ اندر ہی اندر بے شمار قہقہے مچل رہے تھے۔

"ہاں بس اتنے کافی ہوں گے۔ ہم فوراً شادی کرلیں گے اور پھر میں دیکھوں گی ان خاتون کو جو میری سوتیلی والدہ ہیں ہاتھ ملتی رہ جائیں گی۔ اس کے بعد فاروقی صاحب ہم ملک سے باہر چلیں گے کم از کم ایک سال کا پروگرام بنا کر۔ واپس آنے پر آپ جائداد کا نظام درست کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک' نہایت مناسب۔۔۔لیکن۔۔۔"

"جی' لیکن کیا؟" نیر نے پوچھا۔

"کیا یہاں آپ کی دوست اور سہیلیاں رہتی ہیں؟"

"ہیں۔۔۔کیوں؟"

"میرا مطلب ہے یہ حقیری رقم آپ ان سے کیوں نہیں لے لیتیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔آپ کو۔۔۔میرا مطلب ہے آپ کو یہ رقم دینے میں کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے آپ کا ہی ہے۔ خاتون خانہ آپ ہوں گی لیکن بس تھوڑی سی الجھن ہے۔"

"کیا الجھن ہے آخر۔۔۔؟"

"دیکھیے ناعرض کرچکا ہوں کہ لاابالی انسان ہوں۔ ساری آمدنی بینکوں میں چلی جاتی

ہے کوئی خرچ ہی نہیں ہے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ پیسے لے کر ہی نہیں آیا۔ منگوانے پڑیں گے سعودی عرب سے۔"

"تو منگوالیں۔"

"دیر لگ جائے گی۔"

"لگ جائے۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتی اچھی لگوں گی۔" اس نے ناز سے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ بس میں چاہتا تھا کہ اس کام میں دیر نہ ہو۔"

"میں بھی تو یہی چاہتی ہوں۔ لیکن پیسے تو خرچ ہوں گے ہی۔ آپ جلدی سے پیسے منگوالیں میں انتظار کرلوں گی۔"

ظفری الجھن میں پڑ گیا۔ شادی وادی کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا ذہن میں۔ لڑکی دلکش تھی۔ خوبصورت بھی اور مالدار بھی۔ لیکن ظفری اور سعدی کا خیال تھا کہ ان کی ہتھیلیوں میں شادی کی لکیر نہیں ہے۔ اسلیے کبھی انھوں نے ایسے خواب آنکھوں میں نہیں سجائے تھے۔ لڑکی سونے کی کان تھی لیکن منہ بند کان۔ اس کی کھدائی کرنی تھی۔"

چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔ "تو ٹھیک ہے نیر صاحبہ۔ آپ ہزار' آٹھ سو کا بندوبست تو کرہی سکتی ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"بس ڈرافٹ منگوانا ہے۔ کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور کرنا ہوگا۔"

"آپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں۔"

"نوٹوں کا وزن میرے سینے پر ناقابل برداشت ہوتا ہے' کبھی ساتھ نہیں رکھتا اور پھر اس فقیری کا مزہ بھی جاتا رہتا ہے۔"

"تو پیسوں کے بغیر آپ شادی کرنے چلے تھے؟"

"یہ بھی تو ایک کسوٹی تھی اپنے جیون ساتھی کی۔ کوئی فقیر سمجھ کر قبول کر لے تو بات ہے۔ دولت کی چمک تو سب کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔"

"اوہ یہ بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیشک۔ سو فیصدی۔" ظفری بھی مسکرانے لگا۔

"عجیب بات ہے۔ ہم دونوں ہی دولت مند مفلس ہیں لیکن کوئی ہرج نہیں ہے۔ اتنی معمولی سی رقم سعدی سے بھی لی جاسکتی ہے۔"

"کون سعدی؟" ظفری چونک پڑا۔

"ارے وہی دفتر شادی۔" نیر ہنس پڑی۔ لیکن ظفری کا دل چاہ رہا تھا کہ دہاڑیں مار مار کر رو پڑے۔ محترمہ نے ادھار مانگنے کے لیے انتخاب بھی کیا تھا تو کس کا۔ بہر حال اس مسئلے میں بولنا مناسب نہیں تھا۔ تاہم اس نے کہا۔

"سوچ لیں وہ آپ کو یہ رقم دے دے گا۔ میرے تو اس سے ایسے تعلقات نہیں ہیں۔"

"میرے ہیں' لیکن میں اس سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ صحیح بات ظفری نے پوچھا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے آپ کی کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں ہے' کیوں؟"

"عنایت فرما دیں۔ نوازش ہوگی۔" ظفری بولا۔ اور نیر نے جلدی سے اپنے پرس سے ایک تصویر نکال کر اسے دے دی۔

"شکریہ' قیام کہاں ہے آپ کا؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ جب تک سارے کام نہ ہو جائیں گے' نہیں بتاؤں گی۔ آپ نہیں سمجھتے حالات کس قدر سنگین ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے جیسا پسند کریں۔ تو آپ کب مل رہی ہیں پیسوں کے سلسلے میں دفتر شادی یعنی مسٹر سعدی سے؟"

"اس وقت تو دیر ہو چکی ہے۔ کل ملوں گی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ پھر مزید کچھ گفتگو کے بعد دونوں پارک سے اٹھ گئے۔ لڑکی نے علیحدہ بس پکڑ لی تھی اور ظفری دوسری بس میں چل پڑا۔ اس وقت اس نے سعدی کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

شام کو دونوں کی ملاقات مطلق صاحب کے مکان پر ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت وہ مطلق صاحب کی تحویل میں تھے۔ اور مطلق صاحب نے شام کی چائے پر ہلکا پھلکا مشاعرہ منعقد کر ڈالا۔ چنانچہ بیسن کی پھلکیوں کے ساتھ انہوں نے چھ رباعیاں' دو نظمیں اور تین غزلیں نوش کی تھیں اور دل کھول کر داد دی تھی لیکن بیسن کی پھلکیوں کو۔ مطلق صاحب بولے۔ "باقاعدہ نشست تو جمعرات کو ہوگی میاں۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی بیاض تیار کی ہے۔ بڑی بڑی نادر چیزیں پوشیدہ ہیں اس میں۔"

"اوہ اچھا اچھا" ظفری نے خوش ہو کر کہا۔ لیکن سعدی کا چہرہ اتر گیا تھا۔ بہر حال رات کے کھانے کے بعد ساڑھے دس بجے تک امی جان اور ابا جان کے درمیان نشست رہی۔ صبح کے سودے ترکاری کے لیے ظفری نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور پھر انھیں آرام کرنے کی اجازت دی۔ تنہائی ملتے ہی سعدی بولا۔

"یعنی کہ مستقل غائب ہو گئے اس کے بعد۔ کوئی رسید ہی نہیں دی۔"

"رسید ہوتی تو پیش کرتا سعدی صاحب بہر حال کل کے لیے تیار ہو جائیے۔"

"کیا مطلب؟"

"ادھار مانگنے حاضر ہو رہی ہیں موصوفہ۔"

"کس سے؟"

"تم سے اور کس سے؟"

"میں نہیں سمجھتا۔"

"سمجھ جاؤ گے برخوردار سمجھ جاؤ گے۔ کیس ہی دوسرا ہے۔ کام بنتا نہیں معلوم ہوتا سعدی صاحب۔ لڑکی خود الجھنوں کا شکار ہے۔ کورٹ میرج کرنا چاہتی ہے۔"

"تفصیل یار، تفصیل بتاؤ۔" سعدی جھنجھلا کر بولا۔ اور ظفری اسے مکمل داستان سنانے لگا۔ جسے سن کر تھوڑا سا پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے پرخیال انداز میں تھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ یعنی آسامی تو اچھی ہے لیکن۔ اب کیا کرنا چاہیے۔"

"کوئی صورت نہیں ہے۔" ظفری بولا۔

"خیر میں تو معذوری ظاہر کر دوں گا لیکن آسامی ہاتھ سے نکل جائیگی۔"

"مجبوری ہے۔" ظفری بولا۔ اور سعدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک وہ خیالات میں کھویا رہا اور پھر اچھل پڑا۔ ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ابے ظفری، کام بن سکتا ہے۔ بالکل بن سکتا ہے۔"

"ہوں، اگلو کیا سوچا ہے؟"

"کل وہ میرے پاس آئے گی اور واپسی میں تم اس کا تعاقب کرو گے اس کے گھر کا پتا لگاؤ گے اور پھر اس کی غیر موجودگی میں اس کی سوتیلی ماں سے ملو گے۔ سنو پروگرام سنو۔ تم اس کی ماں سے مل کر خود کو نہایت شریف نوجوان ظاہر کرو گے اور کہو گے کہ غیر تم سے شادی کی خواہشمند ہے اور تم ایک پریشان حال نوجوان ہو۔ مقروض ہو اگر قرض ادا نہ ہوا تو تمہیں جیل ہو جائے گی۔ غیر نے تمہارا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن تمہارا ضمیر نہ مانا۔ اور تم ان خاتون کو اطلاع دینے پہنچ گئے۔ تم مجبور ضرور ہو لیکن بے غیرت نہیں، کسی کا دل نہیں دکھا سکتے۔ سمجھ رہے ہو۔ اگر کچھ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔۔"

"ہوں۔" ظفری نے گردن جھکالی۔

"کمال ہے۔ اس تجویز میں کچھ سوچنے کی گنجائش بھی ہے۔"

"لڑکی ماری جائے گی۔"

"عزیز من، دنیا داری سیکھو۔ ہمیں اس بیچاری سے کیا لینا ہے اگر سارے معاملات ٹھیک بھی ہوتے تو کیا تم شادی رچا لیتے؟"

"کیا حرج تھا۔" ظفری نے کہا۔

"گدھے ہو پورے، میاں مرد ہو اپنی قوت بازو سے کماؤ۔ بیوی کی دولت سے عیش کرتے ہوئے تمہیں غیرت نہ آئے گی لاحول ولاقوۃ۔" سعدی اسے لعن طعن کرنے لگا اور ظفری کو غیرت آ گئی۔

"ٹھیک ہے، پروگرام طے۔۔۔۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

سعدی گردن جھکائے بیٹھا تھا اور لڑکی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "پھر تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ میں اس رقم کا بندوبست کہاں سے کروں گی۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ اس قدر لاابالی انسان ہے۔ آخر وہ یہاں گزر کیسے کر رہا ہے؟"

"خدا جانے محترمہ۔ ہم کلائنٹ سے اس کی ذاتیات کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ آپ کسی اور کو منتخب کر لیں، لیکن براہ کرم رجسٹریشن فیس۔"

"نہایت نامعقول گفتگو کر رہے ہیں آپ۔ آپ کو اپنی فیس کی پڑی ہے اور میں پریشان ہوں۔"

"میں بھی فیس کے لیے پریشان ہوں۔ میں آپ کو اپنے حالات بتا چکا ہوں۔ کاش میں آپ کی مدد کر سکتا۔"

"جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو جائے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب وہ حضرت کہاں مل سکیں گے؟"

”شام کو ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”کس وقت؟“

”چار بجے۔ میں انھیں پیغام دے دوں گی۔“

”آپ مجھے ان کا پتا بتا دیں۔“

”میرے اصول کے خلاف ہے خاتون۔“ سعدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”ہوں، ٹھیک ہے۔ تو چار بجے شام۔ خدا حافظ۔“ اس نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور باہر نکل گئی۔ سعدی نے سامنے رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا تھا۔

ظفری نے گردن ہلائی۔ کوٹھی تو واقعی شاندار تھی۔ لیکن لڑکی چیونٹیوں بھرا کباب تھی۔ ظاہر ہے اس سے شادی نہیں کی جا سکتی تھی اور شادی کے بغیر اس سے کچھ حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال سعدی کی ترکیب ہی آزمائی جا سکتی تھی۔ وہ یہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سعدی کے سامنے تھا۔

”کوٹھی دیکھ آیا ہوں۔ بریٹو روڈ پر ہے۔“

”واہ، وہ علاقہ تو بے حد متمول لوگوں کا ہے۔“

’ہاں، ہے تو لیکن یار سعدی۔ کام بے حد مشکل ہے۔“ ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ ”تم سے کیا بات ہوئی؟“

”دو ہزار طلب کر رہی تھیں خاتون، اور ان کے بدلے پانچ ہزار دینے کو تیار تھیں۔ بہرحال میں نے صورتحال کی وضاحت کر دی۔ شام کو چار بجے تم سے فریئر ہال میں ملاقات کریں گی۔“

”آج۔“ ظفری اچھل پڑا۔

”ہاں، ٹھیک چار بجے۔“

”ویری گڈ۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے چار بجے ان خاتون کی والدہ محترمہ سے مل لینا

چاہیے۔ ظاہر ہے وہ فریئر ہال میں ہوں گی۔“

”بے حد ضروری ہے۔ اگر رجسٹریشن فیس ہی مل جاتی تو ہم اس بد دیانتی کے مرتکب نہ ہوتے لیکن مجبوری ہے۔“ سعدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

جمعہ خان کی دکان سے اب خاصا کاروبار چل پڑا تھا۔ نئے سوٹ میں ملبوس وہ بریٹو روڈ کی متعلقہ کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ ایک ملازم نے اس کا استقبال کیا تھا۔ ”بیگم صاحب سے ملنا ہے۔“

”آپ کا نام صاحب؟“

”نوید فاروقی۔“ ظفری نے جواب دیا اور ملازم اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کوٹھی کے عالیشان ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ بے مثال تھی۔ ظفری تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بیگم صاحبہ اندر داخل ہو گئیں۔ پینتیس چالیس کے سن کی ایک پروقار خاتون تھیں۔ ظفری نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

”بیٹھو بیٹے، میں تمھیں نہیں پہچان سکی۔“ انھوں نے خود بھی ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”میں آپ سے پہلی بار مل رہا ہوں آنٹی۔ اور افسوس ایسے ناخوشگوار حالات میں مل رہا ہوں کہ مجھے خود افسوس ہے۔“ ظفری نے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ خاتون تعجب سے بولیں۔

”زہرہ نیر آپ کی صاحبزادی ہیں؟“

”ہاں، تم اسے جانتے ہو؟“

”جی۔ دیکھیے خاتون، حالات ناخوشگوار ہیں۔ وہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہیں؟“

”اوہ، ہاں ہے۔ لیکن میں نے اسے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا۔ دونوں بہن بھائی مجھے سگی کی مانند چاہتے ہیں۔“

”بھائی۔ کوئی بھائی بھی ہے ان کا؟“

"ہاں' زاہد بہت نیک بچہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ بہرحال خاتون' نیر صاحبہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں آپ ان کی دولت ہڑپ کرنے کے لیے ان کی شادی اپنے کسی عزیز سے کرنا چاہتی ہیں۔ انھوں نے ایک دفتر شادی کے ذریعہ مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے لیکن میری رگوں میں شریف خون ہے۔ میں کسی کی عزت نہیں اچھال سکتا۔ ہر چند میرے حالات نہیں ہیں اور میں مقروض ہوں لیکن۔۔۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو' تمھارا دماغ تو درست ہے۔" خاتون کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"جی میں درست عرض کر رہا ہوں۔ وہ۔۔۔۔" ظفری نے سہمی سہمی آواز میں کہا۔ اور اسی وقت ایک نوجوان اندر داخل ہو گیا۔

"کیا بات ہے ممی۔ کون صاحب ملنے آئے ہیں۔" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"نیر کہاں ہے؟" خاتون غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اندر موجود ہے بلاؤں؟" نوجوان تعجب سے ظفری کو دیکھ کر بولا۔ اور پھر اچھل پڑا۔

"ارے ارے آپ۔۔۔۔آپ۔۔۔۔" وہ ظفری کے قریب آ کر جھک گیا ظفری بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ نیر کی موجودگی کی اطلاع بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

"یہ سوٹ' معاف کیجیے گا' یہ سوٹ آپ نے' میرا مطلب ہے۔۔۔۔" نوجوان بولا۔

"کک کیا مطلب؟"

"یہ سوٹ میرا ہے۔ دیکھیے ممی یہ مونوگرام۔ کیا ماموں نے یہ سوٹ لندن سے نہیں بھیجا تھا۔ یہ سو فیصدی میرا سوٹ ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو زاہد؟"

"خدا کی قسم ممی جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ میرا سوٹ ہے میں نے گولڈن ڈرائی کلینرز کو

دیا ہوا تھا۔" نوجوان نے کہا۔ ظفری کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ گولڈن ڈرائی کلینرز کا نام سن کر اس کی جان نکل گئی تھی۔ یہ جمعہ خان کی واشنگ فیکٹری کا نام ہی تھا۔

"جاؤ پہلے نیر کو بلا کر لاؤ۔ سوٹ کا جھگڑا بعد میں طے کر لینا۔" خاتون نے کہا۔

"آپ اس شخص کو جانے نہ دیں ممی۔ میں اسے واشنگ فیکٹری پر لے جاؤں گا۔ یہ سوٹ میرا ہی ہے۔ آپ یقین کریں۔" نوجوان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

ظفری اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس کے پیروں کی جان نکل گئی تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یک نہ شد دو شد ہو گئی تھی۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ کڑی نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ پھر باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ظفری نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

پہلے نوجوان اندر داخل ہوا۔ اور پھر اس کے پیچھے ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکی۔ بیگم صاحبہ اب گہری نگاہوں سے لڑکی کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر انھوں نے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ۔۔۔۔یہ زہرہ نیر ہے۔" اور ظفری کو چکر آ گیا یہ وہ لڑکی نہ تھی۔ ایک بالکل نئی صورت تھی' قطعی اجنبی۔ وہ بھاڑ سا منہ کھولے خاموش بیٹھا رہا۔ "اب کہو اس کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے تم سے شادی کی درخواست کی ہے؟"

"کیا۔۔۔۔؟" لڑکی کی تعجب خیز آواز ابھری۔

"غغ۔۔۔۔غلط فہمی ہوئی ہے۔ یقین کریں بیگم صاحبہ' غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ وہ نہیں ہیں۔ قطعی نہیں ہیں۔ دھوکا دہی ہوئی ہے۔ فراڈ کیا گیا ہے۔ ایک منٹ' صرف ایک منٹ۔ یہ دیکھیے' یہ دیکھیے اگر یہ محترمہ زہرہ نیر ہیں تو پھر یہ لڑکی کون ہے؟" ظفری نے جیب سے وہ تصویر نکالی جو اس نے نیر سے لی تھی۔ اس وقت یہ تصویر اس کی واحد مددگار تھی ورنہ تھانے پہنچ جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

بیگم صاحبہ نے تصویر ہاتھ میں لے لی۔ لڑکی اور نوجوان دونوں اس پر جھک گئے تھے اور پھر تینوں کے منہ سے ایک ہی جملہ نکلا۔ "ارے یہ تو شکیلہ ہے۔"

"یہ تصویر تمھارے پاس کہاں سے آئی؟"

"خود زہرہ غیر صاحبہ نے مجھے دی تھی۔ انھوں نے ایک دفتر شادی کی معرفت مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اپنا نام زہرہ غیر بتایا تھا۔ آپ لوگ دفتر شادی سے تصدیق کر سکتے ہیں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"ہم ضرور تصدیق کریں گے اس میں بھی کوئی فراڈ ہے۔ شکیلہ ایسی لڑکی نہیں ہے ممی، آپ یقین کریں۔" نوجوان بولا۔

"بکواس مت کرو زاہد۔ تم لوگ ہمیشہ تجربے کو جھٹلاتے رہے ہو۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لڑکی فطرتاً اچھی نہیں ہے تم نے کہا کہ وہ صرف تیز و طرار ہے' کردار کی بری نہیں ہے۔ اب بتاؤ یہ سب کیا ہے۔"

"یہ بہت جلدی معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کیا ہے مجھے تو خود یہ صاحب فراڈ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ میرا سوٹ پہنے ہوئے ہیں اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔" نوجوان نے کہا۔

"میں آپ کو تصدیق کی دعوت دیتا ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"تصدیق ضرور کی جائے گی۔" زاہد بولا۔

"ہائے ممی۔ وہ تو میرے کئی سوٹ لے گئی ہے۔ میرا پرس اور کئی جوڑی سینڈل اس کے پاس ہیں۔ اب کیا ہوگا؟" لڑکی بولی۔

"اور کیا کیا ہے اس کے پاس یہ بھی بتا دو۔" بیگم صاحبہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"وہ مجھ سے کئی سو روپے قرض لے چکی ہے۔"

"کچھ زیورات بھی اسے دیے ہوئے ہیں استعمال کرنے کے لیے۔"

"ہائے ممی۔ اسے زیورات کا شوق نہیں ہے۔"

"ابھی سے اس کے بارے میں رائے خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے ممی۔ پہلے ان صاحب کی حقیقت تو کھل جائے اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔" زاہد بولا۔

"کرتے پھرو تصدیق۔ کوئی اس طرح منہ اٹھا کر کسی کے گھر میں نہیں گھس آتا۔ سنو میاں ہمارا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف میرے چھوٹے بیٹے کی ٹیوٹر ہے۔ خود ہی نوکری کی تلاش میں آئی تھی ہم نے اسے نوکر رکھ لیا۔ اس کا نام شکیلہ ہے سمجھے۔ اگر آئندہ تم نے ادھر کا رخ کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"تصدیق کیے بغیر ممی۔" زاہد نے کہنا چاہا لیکن بیگم نے اسے ڈانٹ دیا۔

"آپ آئیے' ذرا میرے ساتھ آئیے۔" نوجوان نے کہا اور ظفری جلدی سے اٹھ گیا۔ وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ نوجوان نے گیراج سے کار نکالی اور ظفری کو ساتھ بٹھا کر چل پڑا۔ "پہلے تو آپ اس سوٹ کی تفصیل بتائیے۔" نوجوان نے کہا۔

"کرائے کا ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"کہاں سے حاصل کیا؟"

"جمعہ خان کی لانڈری سے۔ عموماً وہاں سے سوٹ کرائے پر مل جاتے ہیں اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ آپ کا ہے۔" ظفری کسی قدر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ نوجوان نے کوٹھی سے کافی دور نکل کر کار ایک درخت کے نیچے روک دی تھی۔

"دل چاہتا ہے تمھیں قتل کر دوں۔" وہ ڈھیلے لہجے میں بولا۔

"احمقانہ چاہت ہے۔ خوبصورت کوٹھی میں رہ کر آپ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔" ظفری نے حقارت سے کہا۔

"ارے تمھیں نہیں معلوم تم نے کیا کباڑہ کیا ہے۔"

''کباڑہ تو میرا ہو گیا۔''

''کیوں۔آخر کیوں؟''

''شرافت کا استعمال کیا تھا۔الٹی گلے پڑ گئی۔مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ فراڈ ہے۔ایک دفتر شادی کی معرفت مجھے ملی تھی اور اتنے دن سے بے وقوف بنا رہی تھی۔''

''تم نہیں سمجھتے دوست۔میں اس سے محبت کرتا ہوں۔'' زاہد بدستور ڈھیلے لہجے میں بولا اور ظفری چونک پڑا۔ایک لمحے میں اس کے ذہن میں بہت سے دریچے کھل گئے تھے اور پھر اس کا رویہ بدل گیا۔

''جہنم میں جائے وہ مجھے کیا۔''

''مگر اب اس کوٹھی میں اس کی پوزیشن خراب ہو گئی ہے۔''

''بہت اچھا ہوا۔''

''نہیں یار' اچھا نہیں ہوا۔نہ جانے شکیلہ کن پریشانیوں کا شکار ہے' نہ جانے کیوں اس نے یہ حرکت کی ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' ظفری بولا۔

''کیا تم بھی اسے چاہنے لگے ہو؟''

''لعنت بھیجتا ہوں اس کی صورت پر۔''

''تو پھر میرے لیے ایک ایثار کرو۔''

''کیا مطلب؟''

''بیگم صاحبہ کی نگاہوں میں اس کی پوزیشن صاف کر دو اور کچھ نہ کرو تو اتنا ہی کرو کہ آئندہ اس کوٹھی کا رخ مت کرنا۔میں بیگم صاحبہ کو یہی بتاؤں گا کہ تم فراڈ تھے اور میں تمھیں پولیس کے حوالے کر آیا ہوں۔''

''ارے واہ۔اتنا بڑا نقصان اٹھا چکا ہوں اور اب یہ الزام بھی برداشت کروں۔''

''سنو دوست' بات تو سنو۔تم اس فراڈ سے بچ گئے۔اگر اس پر تمھاری کچھ رقم خرچ ہوئی ہے تو میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔میرے لیے اتنا کرو۔میں تمھاری منت کرتا ہوں۔میں اس سوٹ کے بارے میں چھان بین بھی نہیں کروں گا کوئی بات بھی نہیں کروں گا اور۔۔۔''

''ہوں۔'' ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''دو ہزار دو سو بتیس روپے خرچ ہوئے ہیں اب تک اس پر۔''

''ایک منٹ۔'' نوجوان نے کہا۔اور جیب سے پرس نکال لیا۔پھر اس نے سو سو کے پچیس نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔''یہ ڈھائی ہزار ہیں پورے۔مجھے یقین ہے تم یہ سودا منظور کر لو گے۔بس ادھر کا رخ نہ کرنا آئندہ باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔آؤ میں تمھیں تمھاری مطلوبہ جگہ چھوڑ دوں۔'' ظفری نے نوٹ جیب میں رکھ لیے تھے۔

سعدی سے اس کی ملاقات مطلق صاحب کے مکان پر ہی ہوئی تھی۔روز مرہ کے مشاغل سے فرصت پا کر جب رات کو دونوں یکجا ہوئے تو ظفری نے نوٹ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دیے اور سعدی کئی فٹ اچھل پڑا۔

''کامیابی۔'' اس نے بھنچی بھنچی آواز میں نعرہ لگایا۔

''فضول باتیں مت کرو۔پہلی بار تقدیر نے ساتھ دیا ہے ورنہ' لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔'' ظفری نے کہا۔

''کیا مطلب' کیا مطلب۔'' سعدی نے نوٹوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور ظفری نے پوری کہانی اسے سنا دی۔سعدی ششدر رہ گیا تھا۔پھر وہ آنکھیں بھینچ کر مسکراتے ہوئے بولا۔''استادوں کی استاد۔اپنی ہی نسل کی معلوم ہوتی ہے۔اُفوہ۔چرب زبان بھی ہے اور خود کو منوانے کی قوت بھی رکھتی ہے۔مگر ہم نے بھی کیسا چت کیا۔۔۔پورے ڈھائی ہزار۔ظفری ہم

زندگی میں پہلی بار اتنے نوٹ یکجا دیکھ رہے ہیں اور یہ سب ہماری ملکیت ہیں۔ کمال ہے۔"

"وہ آئی تو اب اس سے کیا کہو گے؟"

"ارے وہ آئے تو سہی اب' نمٹ لیں گے اس سے اچھی طرح۔ مگر یار تعجب ہے اس کی ایک ایک ادا کمال کی تھی۔" سعدی نے کہا اور دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔

دوسرے دن دونوں دفتر میں انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آئی۔ لیکن تیسرے دن شام کو جب وہ مطلق صاحب کے مکان میں داخل ہوئے تو دروازہ بیگم صاحبہ نے نہیں کھولا تھا اور دروازہ کھولنے والی کو دیکھ کر ان کے سانس رک گئے تھے۔ یہ زہرہ نیر یا شکیلہ ہی تھی اور اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"کل ٹھیک گیارہ بجے دفتر میں میرا انتظار کرنا۔ اس سے قبل کا ماحول شریفانہ رہے تو بہتر ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور پلٹ گئی۔ دونوں دروازے پر کھڑے رہ گئے تھے۔ عقل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ پھر بیگم صاحبہ ہی نے پکارا تو وہ اندر داخل ہوئے۔ لیکن نیر یا شکیلہ کی یہاں موجودگی ان کے لیے دنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا۔

بیگم صاحبہ نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میری نند کی سسرال سیالکوٹ میں تھی پھر میرے نندوئی ولایت چلے گئے ان کی بہن اور بچے میرے نندوئی کی بہن کی بیٹی شکیلہ ہے۔ بچی یہاں آئی ہے تو اب اور کہاں رہے گی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا ہے۔"

ظفری اور سعدی منہ پھاڑ کر رہ گئے تھے۔ مطلق صاحب آج انھیں صرف وارننگ دے کر رہ گئے۔ "میاں کل جمعرات ہے مشاعرہ جمے گا کیا سمجھے' تیار رہنا۔" رات کو جب دونوں کمرے میں سونے کے لیے داخل ہوئے تو بھیجے میں کھچڑی پک رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ سعدی۔" ظفری بولا۔

"خطرناک بے حد خطرناک۔ اس نے ہماری گردن پر انگوٹھا رکھ دیا ہے۔" سعدی بولا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"سمجھوتہ' صرف سمجھوتہ۔ دیکھو کل گیارہ بجے وہ کیا کہتی ہے۔"

دوسرے دن وہ بڑی بے چینی سے سوجارام بلڈنگ کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

"سعدی صاحب ایک گلاس پانی۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور سعدی جلدی سے پانی لے آیا۔ اس نے لڑکی کو پانی پیش کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔ "آدھا آدھا آپ دونوں پی لیجیے۔ مجھے آپ کی حالت کافی خراب معلوم ہوتی ہے۔"

"شکریہ محترمہ۔ آپ غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔" سعدی حلق صاف کر کے بولا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ چلیں کاروباری گفتگو شروع ہو جائے۔ ظفری صاحب' جس طرح آپ میرا تعاقب کر کے مسز نیر کی کوٹھی پر پہنچ گئے اسی طرح میں بھی آپ کا تعاقب کر کے مطلق صاحب کے مکان تک جا پہنچی تھی۔ باقی کام میرے لیے مشکل نہ رہا۔ آپ نے میری ٹیوشن ختم کرا دی ہے۔ میں بھی آپ دونوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکی ہوں اور اب آپ کا مستقبل میری مٹھی میں ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"دل۔۔ لیکن آپ کون ہیں آخر؟"

"بس آپ کی طرح ایک لاوارث ہستی۔ سر چھپانے اور پیٹ بھرنے کے ٹھکانے کی متلاشی اور میرے خیال میں میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کی ہے۔ بشرطیکہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں۔"

"اوہ' گویا' گویا آپ؟"

"مجھے بھی دفتر شادی چلانے کا تین سالہ تجربہ ہے۔ بشرطیکہ آپ لوگ مجھے پارٹنر بنا لیں۔ مل جل کر کام کریں گے۔ مجھے آپ کا یہ کاروبار بہت پسند آیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے بھی ہم تینوں

ابھی طالب علم ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر دونوں ہی ہنس پڑے۔

"خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے تین۔ لائیے ہاتھ ملائیے۔ آج سے ہم دوست بن گئے ہیں لیکن اس چوتھے لاوارث کا کیا ہوگا جو آپ سے عشق کرتا ہے۔" ظفری بولا۔

"کون؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"نام شاید اس کا زاہد ہے۔"

"اوہ! ایسے بیوقوف اکثر سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ پورے پچپن سال کی عمر میں، میں عشق کا آغاز کروں گی۔ اس سے پہلے کی یہ کوشش ناکام رہے گی۔ آپ حضرات بھی نوٹ کرلیں۔ پچپن سال کی عمر میں، میں اشتہار دوں گی کہ ایک پچپن سالہ دوشیزہ عشق کے لیے خالی ہے۔ فلاں فلاں پتے پر رابطہ قائم کیا جائے۔" تینوں کا بلند آہنگ قہقہہ گونج اٹھا تھا!

☆......☆......☆

مطلق صاحب کمال کے انسان ثابت ہوئے تھے۔ پہلے ہی کیس میں انھوں نے نمایاں کامیابی حاصل کر کے اپنا سکہ جمالیا تھا اور اس بات کا ثبوت پیش کر دیا تھا کہ وہ اس ادارے کے لیے مفید ترین انسان ہیں۔ مضطرب صاحب کا بھی عہدہ بدل گیا تھا اور ادارے کے منیجر بننے کے بعد انھوں نے ادارے کے مفادات میں جو کام کیے تھے انھیں تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ جاسوسی سے متعلق انھوں نے کافی لٹریچر فراہم کیا تھا لیکن صحیح معنوں میں ان کتابوں سے مطلق صاحب فائدہ اٹھا رہے تھے اور بڑے کام کی کتابیں خرید کر لائے تھے۔ اس کے علاوہ اب تک وہ تمام شرائط بھی پوری کر رہے تھے۔ اتنے دن ہو گئے تھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں لیکن دفتر میں بیٹھ کر ایک بھی شعر نہیں کہا گیا تھا۔ حالانکہ مضطرب صاحب نے انھیں کئی بار پھسلایا تھا۔

"ایک جاسوسی شعر ہے۔ عرض کیا ہے۔" ایک دن سعدی وغیرہ کو موجود نہ پا کر مضطرب صاحب نے کہا۔

"اشعار کی قسم کا کوئی جملہ آپ کے منہ سے اُبلا تو اچھا نہ ہوگا۔ یہ پہلی اور آخری بات ہے۔"

"بس اس وقت فراغت تھی۔" مضطرب صاحب جھینپے ہوئے انداز میں بولے۔

"ان کتابوں کی ایک فہرست تیار کریں۔ تھوڑی سی اسٹیشنری کی ضرورت ہے۔ آپ خود خرید لائیں۔" مطلق صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب جز بز ہو کر رہ گئے۔

"آپ جیسے صاحب ذوق سے یہ اُمید نہیں تھی۔ شعر تو سولی پر بھی کہا جاسکتا ہے"

"یقیناً لیکن یہاں نہیں کہا جاسکتا۔" مطلق صاحب نے کہا اور ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگے۔ بہرحال دفتر کے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے۔ سعدی کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ باقی اسٹاف آرام کر رہا تھا۔ جادو اور ڈمفل ابھی کسی قابل نہیں ثابت ہوئے تھے۔ ٹیٹو حسب معمول عمدہ جا رہا تھا۔

اس وقت ظفری اور شکیلہ کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ ٹیٹو نے کیس آنے کی اطلاع دی۔

"کہاں ہے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ویٹنگ روم میں۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔ اور دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ظفری نے مطلق صاحب کو آواز دے لی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک عجیب الخلقت شخص کمرے میں داخل ہوا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ موٹے کپڑے کے ملگجے سوٹ میں ملبوس تھا جس میں جگہ جگہ اس طرح دھبے پڑے ہوئے تھے جیسے وہ موٹر مکینک ہو۔ گلے میں ایک بوسیدہ ٹائی جھول رہی تھی۔ پاؤں میں جوتے تھے لیکن انھیں خریدنے کے بعد شاید کبھی پالش نہیں کی گئی تھی۔ چہرہ بدنما رنگ گہرا سانولا تھا۔ سر اور بھنوؤں کے بال برف کی طرح سفید' داڑھی مونچھوں سے بے نیاز۔ عام حالات میں وہ ایک مفلوک الحال آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی انگلیوں میں بیش قیمت انگشتریاں پڑی ہوئی تھیں اور اگر ان میں جڑے ہوئے ہیرے اصلی تھے' تو لاکھوں روپے کی مالیت کے کہے جاسکتے تھے۔

"میرا نام ابراہیم کالنگا ہے۔ یہ میرا کارڈ۔" اس نے ایک نفیس کارڈ نکال کر ظفری

کے سامنے رکھ دیا۔ زبان انگریزی تھی اور بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

"فرمایئے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟" ظفری بولا۔

"پہلے اپنی تسلی کے لیے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔"

"یہ جاسوسی کا ادارہ ہے، ایسے ضرورتمندوں کے کام آتا ہے جو کسی وجہ سے اپنے معاملات میں پولیس کو استعمال نہیں کر سکتے؟"

"بالکل ٹھیک خیال ہے آپ کا۔" ظفری نے کہا۔

"میں ایک پردیسی ہوں، افریقہ سے آیا ہوں۔ یہاں میری ہیروں کی کانیں تھیں جواب گورنمنٹ کی تحویل میں جاچکی ہیں۔ لیکن مجھے ان کی رائلٹی اتنی ملتی ہے کہ میں آرام سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر کالنگا۔"

"میرا کام ذرا مختلف ہے۔ اس کے لیے مجھے مختصراً اپنی کہانی سنانی ہوگی۔ کیا آپ لوگوں کے پاس وقت ہے؟"

"بالکل ہم خوشی سے یہ کہانی سنیں گے" شکیلہ نے کہا۔

"ایک تسلی اور چاہتا ہوں۔" بوڑھے کی کانپتی ہوئی آواز اُبھری۔

"جی ہاں۔ جی ہاں فرمایئے!"

"آپ لوگ مختار ہیں کہ میرا کیس ہاتھ میں لیں یا نہ لیں لیکن یقیناً آپ نے مجھ جیسے کلائنٹس کے لیے اس قسم کی کسی یقین دہانی کا طریقہ کار ضرور اختیار کر رکھا ہوگا کہ اگر آپ کسی کیس کو لینے میں متفق نہ ہوں تو کیا اُسے مکمل طور پر صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے یا کلائنٹ اس پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس کا راز اس کے سینے سے نکل کر اب کسی دوسرے کے کانوں

تک پہنچ چکا ہے۔ دراصل میں اس کے لیے بھی آپ کی مقرر کردہ فیس دینے کو تیار ہوں کہ اگر آپ میرا کیس ہاتھ میں نہ لیں تو کم از کم اُسے راز میں رکھیں۔''

''آپ مطمئن رہیں محترم ہم کسی بھی شخص کی کہانی خواہ وہ کیسی بھی ہو، اپنے سینے میں رکھنے کے پابند ہیں۔ کیس لینے نہ لینے کا فیصلہ آپ کے سامنے ہی کر دیا جائے گا۔ لیکن اس بات کا اطمینان آپ کو پہلے دلایا جاتا ہے کہ کہانی جو کچھ بھی ہوئی' وہ ہم تک محدود رہے گی اور کبھی ہماری زبان سے کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچے گی اور اس کے لیے ہم کوئی فیس نہیں لیتے ہیں۔''

''شکریہ ایک پُر وقار ادارے کی یہی شان ہونی چاہیے۔ بہر طور میں مختصراً آپ کو اپنی کہانی سناتا ہوں۔ میرا تعلق پرتگال سے ہے۔ میرا خاندان پرتگال کے مسلمان خاندانوں میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ ہم لوگ پرتگال سے ہجرت کر کے جنوبی افریقہ پہنچ گئے تھے اور وہاں میرے والد برہان کانگا نے ہیروں کی کان کے سلسلے میں کام شروع کر دیا تھا۔ پرتگال سے ہم کافی دولت سمیٹ کر افریقہ لے گئے تھے۔ اس کے ذریعے ہم نے اپنے کاروبار کو وسعت دی اور یہ کاروبار بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ہم چھوٹی بڑی پانچ ہیرے کی کانوں کے مالک ہو گئے۔ والد کی موت کے بعد یہ سارا کاروبار میرے ہاتھ آ گیا۔ اور میں خوش اسلوبی سے اُسے چلانے لگا۔ لیکن میری بدنصیبی تھی کہ قدرت نے مجھے بہت ہی بھدی شکل دی۔ آپ میرا یہ بدنما چہرہ دیکھ رہے ہیں' ہمیشہ سے ہی میں ایسا ہی ہوں۔ پہلے جوان تھا' اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مایوسی اور اس دنیا سے بددلی نے میرے چہرے کو اور بھی بدنما بنا دیا ہے۔ گو کہ افریقہ کی کچھ نوجوان لڑکیاں جو دولت کی خواہشمند تھیں' میرے اردگرد منڈلانے لگیں لیکن میری گہری نگاہ اس بات کا تعین کر چکی تھی کہ وہ میری صورت کو تو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ ہاں مجھے اہمیت دی جا رہی ہے وہ میری دولت کے پیش نگاہ ہے۔

میں ان میں سے کسی کو اپنی ذات میں ضم کر کے اپنے لیے مصیبتیں نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ انہی دنوں ایک اور شخص جو مقامی تھا' میرا مطلب ہے آپ کے اس ملک کا باشندہ' جس کا نام فاروق محسن تھا' میرے پاس ملازم کی حیثیت سے آیا۔ عمر رسیدہ آدمی تھا' بہر طور میں نے اُسے مسلمان سمجھ کر رکھ لیا۔ وہ شخص دمے کا مریض تھا۔ پتا نہیں کس چکر میں یہاں سے ہجرت کر کے افریقہ پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی ایک نوجوان بیٹی بھی تھی۔ اس سلسلے میں میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن ایک دن فاروق محسن نے مجھ سے ایک درخواست کی۔ اس کی حالت کافی خراب رہنے لگی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اس دنیا میں تنہا ہے۔ صرف ایک بیٹی ہے جو اس کی ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اس کے پاس وسائل نہیں ہیں' وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی کے لیے کوئی مناسب بندوبست کر جائے۔ چنانچہ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کی بیٹی کے لیے کوئی بہتر رشتہ تلاش کروں اور اس سلسلے میں اس کی مدد کروں۔ میں نے اس سے مخلصانہ وعدہ کر لیا تھا لیکن ابھی میں اس وعدے کو ایفاء کرنے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا کہ ایک رات اس کی حالت بگڑ گئی۔ مجھے اس کی بیٹی کا خون ملا۔ اور میں اس کے چھوٹے سے گھر میں پہنچ گیا۔ فاروق محسن دم توڑ رہا تھا اس نے اپنی لڑکی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ میں جس طرح چاہوں' اس کے لیے بہتر زندگی کا تعین کر لوں۔

اور میں نے فاروق محسن کے سامنے ہی یہ پیشکش کر دی کہ اگر وہ اجازت دے تو میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لوں۔ اس نے خوشی سے اجازت دے دی تھی۔ لڑکی اچھی شکل و صورت کی مالک تھی۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح میری دولت پر نگاہ نہیں رکھتی۔ معصوم سی لڑکی بھلا ان معاملات کو کیا جانتی۔ اس نے مرتے ہوئے باپ کے سامنے اقرار کر لیا کہ وہ میری بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار دے گی۔ اور فاروق محسن کا انتقال

ہو گیا۔

میں نے اس سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لیا تھا۔ لیکن میری بدقسمتی یہاں بھی میرے کام آئی۔ عام لڑکیوں کی طرح اس نے بھی مجھے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض ضرور نبھاتی لیکن میں جب بھی اس کے سامنے آتا اس کے چہرے پر کرب کی لکیریں بکھر جاتیں۔ وہ میری بدصورتی سے بہت متاثر تھی۔ میں نے دنیا کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ اسے اتنے عیش کرائے کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ تصور کیا ہوگا، لیکن میں اس کی محبت نہ حاصل کر سکا۔ ساری زندگی میں ایک بار بھی اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے نہ دیکھا تھا۔ وہ میرے چہرے سے خوفزدہ تھی۔ جب میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے ایک زندہ لاش کی طرح نظر آتی اور میرے جذبات واحساسات بری طرح سلگنے لگتے لیکن میں نے اس کے باوجود اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

یہاں تک کہ وہ ایک بچے کی ماں بن گئی لیکن ماں بننے کے بعد بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے ساری صورت حال برداشت کی تھی لیکن جب میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے بچے کو بھی مجھ سے نفرت کی تربیت دی جا رہی ہے تو مجھے بے حد دکھ ہوا۔ اور میں غموں کا شکار رہنے لگا۔ میں نے ایک آدھ بار دبی زبان میں اس سے شکایت بھی کی تھی کہ بچہ معصوم ذہن کا مالک ہے اُسے میرے حسن و جمال سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ مجھے اس کا باپ رہنے دیا جائے، لیکن میری بیوی نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ یہاں تک کہ جب میرا بیٹا بڑا ہو گیا تو اس نے کھلم کھلا اپنی نفرت کا اظہار شروع کر دیا۔ اس نے بارہا مجھے طعنہ دیا کہ میں نے اس کی ماں پر تسلط جمایا، اس کے باپ کی غریبی سے فائدہ اٹھایا۔ بیوی ہی کی طرح میں بیٹے کی بھی بے التفاتی کا شکار ہو گیا۔ تم خود بتاؤ دوستو کہ مجھ جیسے آدمی کے ساتھ کیا یہ

سلوک جائز تھا۔ میں نے ساری زندگی کرب میں گزاری ہے۔ میری صحت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ میں اس غم واندوہ کا شکار تھا کہ ہماری کانیں سرکاری تحویل میں چلی گئیں۔

گو ہمیں کوئی بہت بڑا نقصان نہیں ہوا تھا۔ ہمیں ان کی رائلٹی ملتی تھی لیکن بہرصورت دولت کی وہ ریل پیل نہیں رہی تھی جو پہلے کبھی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے اتنا سرمایہ جمع کر لیا تھا کہ میرا بیٹا پشتوں تک عیش کر سکتا تھا۔ اسی دوران میری بیوی بیمار ہو گئی اور اس کی بیماری شدید ہوتی چلی گئی۔ میں اس کا علاج کرانے کے لیے اسے یورپ لے گیا۔ بیٹا بھی میرے ساتھ تھا لیکن یورپ کے ایک اسپتال میں میری بیوی نے دم توڑ دیا۔ اور اس کے بعد میرا بیٹا میرے ساتھ واپس افریقہ نہیں گیا۔ اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے میری دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عام حالات میں وہ ایک انتہائی ہنس مکھ خوش اخلاق بلکہ جس محفل میں بیٹھتا اُسے زعفران زار بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن میرے سامنے اس نے کبھی مسکرانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ فطرتاً بہت لاابالی تھا۔ درحقیقت یہ درست تھا کہ اسے دولت وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ درویش منش تھا۔ بس آزادانہ طور پر زندگی گزارنے کا خواہاں۔

لیکن اس نے مجھ مظلوم باپ کو چھوڑ دیا میری بے پناہ دولت لاوارث رہ گئی۔ میرے لیے اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ تھا جسے میں اپنا کہہ سکتا تم یقین کرو میں نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات اس کی تلاش میں گزارے۔ کہاں کہاں کوشش نہیں کی میں نے کہ وہ مجھے مل جائے لیکن مجھے اس کا کوئی پتا نہ چلا اور اس کیفیت نے مجھے نڈھال کر دیا۔ مجھے اس دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے ہرکارے جو دنیا کے تقریباً بے شمار ممالک میں پھیلے ہوئے تھے میرے بچے کو تلاش کر رہے تھے لیکن اس کا مجھے کوئی پتا نہ چل سکا۔ ابھی کچھ عرصے کی بات ہے کہ ایک معتبر شخص سے جو میرا اپنا خاص آدمی تھا اور میرے پاس پہنچا تھا، مجھے پتا چلا ہے کہ وہ

یہاں اس ملک میں موجود ہے اور انتہائی عجیب وغریب زندگی گزار رہا ہے۔ ایسی زندگی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں بے قرار ہو کر چل پڑا اور یہاں آ گیا میں نے کسی کو یہاں اپنی آمد کی کوئی اطلاع نہیں کی۔ اس خوف سے کہ کہیں میرے بیٹے کو پتا چل گیا تو وہ یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ میں نے اس شخص کے دیے ہوئے پتے کے مطابق معلومات حاصل کیں اور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ واقعی یہاں موجود ہے اور ایسی زندگی گزار رہا ہے جو میرے لیے بڑی تکلیف دہ ہے۔

لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں اس تک پہنچ جاؤں تو وہ ایک بار پھر یہاں سے فرار ہو جائے گا اور اس کے بعد ممکن ہے۔ وہ ساری زندگی میرے ہاتھ نہ لگے۔

بوڑھے کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ شکیلہ، ظفری اور مطلق صاحب ہمدردانہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے چند لمحات کے بعد بوڑھے کی بھرائی ہوئی آواز دوبارہ ابھری۔

''اس کے لیے ضرورت ہے کچھ ایسے لوگوں کی جو اسے میرے سامنے بٹھا کر اچھی طرح سمجھائیں میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنا فرض پورا کر دوں۔ اپنی دولت اس کے نام کر دوں۔ اور اس کے بعد کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر زندگی گزار دوں یہ تو تقدیر کے کھیل ہیں۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت تک محبتوں سے محروم رہتا ہے۔ میں ان انسانوں میں سے ایک ہوں۔'' وہ بہت متاثر نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھتے رہے پھر ظفری نے کہا۔

''محترم آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں میرے دوستو کہ تم لوگ اپنی ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر کسی طرح اُسے یہاں لے آؤ۔ اسے میرے پاس میرے سامنے لاؤ اور اس کے تاثرات کا جائزہ

لو۔ اگر وہ اب بھی مجھ سے نفرت کا اظہار کرے تو اُسے مجبور کرو کہ وہ کم از کم میری محبت اس شکل میں تو قبول کر لے۔ میں اس سے اور کچھ تو نہیں چاہتا۔''

''ہوں۔ بہتر ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لیے ہمیں کوئی الجھن ہو۔ ہم آپ کے اس کام کو کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

''لیکن سنو، اسے یہاں لانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ وہ بے حد چالاک بھی ہے۔ اسے کسی ایسی ترکیب سے یہاں لانا ہوگا کہ وہ یہاں آنے سے انکار نہ کر سکے۔ میں اس کے پاس چلا جاتا لیکن بے سود جس جگہ وہ رہتا ہے وہاں ایسے انتظامات نہیں ہیں کہ میں اپنی دولت کی منتقلی کے لیے کام کر سکوں۔ اس کے لیے اسے یہاں لانا ہی مناسب ہوگا اور پھر یہ تم لوگوں کی صلاحیتیں ہیں کہ تم اسے اس کے لیے مجبور کر دو کہ وہ میری دولت قبول کر لے۔''

''ویسے یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ وہ آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی دولت بھی قبول نہیں کرنا چاہتا۔''

''ہاں، بے حد حیرت انگیز ہے لیکن اس سلسلے میں اس کی مرحومہ ماں نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس نے اس کے دل میں میرے لیے نفرتوں کے ایسے بیج بوئے ہیں کہ اب وہ جڑ پکڑ چکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی اس مشکل کا حل دریافت کیا جائے لیکن ہماری ذمہ داریاں کہاں تک ہوں گی؟''

''نمبر ایک اُسے یہاں تک لانا اور نمبر دو اُسے یہ دولت قبول کرنے کے لیے مجبور کرنا۔ لیکن دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوگا، جب وہ میرے سامنے آ جائے گا۔ ممکن ہے کہ خود اس کے اپنے انداز میں میرے لیے کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہو اور کٹھن حالات نے اسے اس کے لیے تیار کر دیا ہو کہ وہ دولت کی خواہش محسوس کرے یہ دوسری بات ہے کہ اَنا پسند انسان

ہے اور اس نے دوبارہ میرے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ میں تمھیں تمھاری وہ فیس ادا کرنے کے لیے تیار ہوں جو تم مقرر کرو گے۔ دوسرے مرحلے میں اگر تمھیں کامیابی نصیب ہوئی تو میں تمھاری وہی فیس پھر سے ادا کرنے کا پابند ہوں گا۔ گویا میرا یہ کام تم دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہو اس کے علاوہ میں تمہارا جس قدر شکر گزار ہوں گا وہ الگ چیز ہے تم خود سوچو دوستو، میں کتنا دکھی انسان ہوں۔"

"آپ نے ٹھیک کہا مسٹر کا نگا۔ واقعی دُکھ کی بات ہے۔ ہم اپنے طور پر آپ سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آپ لوگ میرے لیے کام کریں مجھے بتایئے مجھے آپ کو کیا فیس ادا کرنی ہوگی۔"

"عموماً ہم اپنے کاموں کے سلسلے میں پچیس ہزار روپے لیتے ہیں اس کے علاوہ، وہ اخراجات الگ ہیں جو ہمیں کرنے ہوتے ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کو پچاس ہزار روپے کی پیشکش کرتا ہوں اور یہ صرف پہلے مرحلے کے لیے ہے۔ باقی دوسرے کام کے لیے میں آپ کو الگ رقم ادا کروں گا۔" بوڑھے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں نکالنا شروع کردیں اور پھر اس نے پانچ گڈیاں ظفری کے سامنے رکھ دیں۔ ظفری نے گہرا سانس لے کر شکیلہ کی جانب دیکھا تھا اور شکیلہ نے غیر محسوس انداز میں گردن ہلا دی۔ انھوں نے اس کیس کو قبول کرلیا تھا۔

گڈیاں اپنی تحویل میں کرلینے کے بعد ظفری نے شکیلہ سے فارم پُر کرانے کے لیے کہا۔ اور شکیلہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ مطلق صاحب خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔

"مسٹر کا نگا یہاں آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"دراصل ہوٹلوں کی زندگی مجھے سخت ناپسند ہے۔ میں نے یہاں ایک پراپرٹی ڈیلر کی معرفت ایک چھوٹا سا بنگلہ خرید لیا ہے۔ جب تک یہاں مقیم ہوں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ اگر میرے بیٹے نے میری بات مان لی تو یہ بنگلہ اس کے نام کردوں گا۔ اور اگر میں بدنصیب اس میں ناکام رہا تو اسے فروخت کرکے واپس افریقہ چلا جاؤں گا۔"

"اس بنگلے میں آپ تنہا ہیں؟"

"ہاں۔ ابھی چند ہی روز قبل تو میں یہاں آیا ہوں۔ بہت سی الجھنوں کا شکار ہوں اگر آپ کرسکتے ہیں تو میرا ایک کام اور کردیں۔" ابراہیم کا نگا نے کہا۔

"جی فرمایئے۔" مطلق صاحب بولے۔

"کوئی ایسا شخص جو میری دیکھ بھال کرسکے، مجھے کھانا وغیرہ کھلا سکے۔ اگر مہیا ہوجائے تو میں آپ کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں گا۔ اور جو کہیں گے، میں اس قیام کے دوران اُسے دے دوں گا۔ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس آدمی ذرا وفادار اور سمجھدار ہو۔"

"بہتر ہے۔ آپ ہمیں اپنا ایڈریس دے دیجیے۔ ہم آدمی بھیجیں گے، وہ یقیناً آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔" مطلق صاحب نے کہا۔

ظفری نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے مطلق صاحب اس سلسلے میں کوئی اہم سوال نہیں کر رہے تھے۔ فارم پُر ہوا اور ابراہیم کا نگا نے اپنا پتا نوٹ کرادیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے بیٹے کا نام اور پتا بھی انھیں تفصیل سے سمجھایا تھا۔ اس کے بعد اس نے اجازت لی اور یہ لوگ اسے نیچے تک چھوڑنے آئے۔ ابراہیم کا نگا ایک کرائے کی کار میں تھا۔ جو یقیناً اس نے اپنے قیام کے لیے حاصل کرلی ہوگی۔ جب کار نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو یہ لوگ واپس آگئے اور اس سلسلے میں مجلس شروع ہوگئی۔

مطلق صاحب، مضطرب صاحب، سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی شکلیں

دیکھ رہے تھے۔ پھر ظفری نے شکیلہ سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے شکیلہ اس کیس کا انچارج کون بنے گا؟"

"میرے خیال میں تم مناسب رہو گے ظفری۔"

"نہیں شکیلہ، میں ذرا سا اختلاف رکھتا ہوں تم سے۔"

"جی جی فرمائیے۔" شکیلہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"میرے خیال میں اس کیس کو تم ڈیل کرو۔"

"میں؟"

"ہاں۔ دراصل عورت پُرکشش ہوتی ہے۔ میں اگر اسے بہلانے پھسلانے کی کوشش کروں گا تو شاید وہ میری نہ مانے، لیکن تم اس کام کو بخوبی انجام دے سکتی ہو۔ تمہیں اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔ کیوں مطلق صاحب آپ اس سلسلے میں کیا رائے دیتے ہیں؟"

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُسے اس سلسلے میں یہاں لانے پر راضی کس طرح کیا جائے گا؟"

"یقیناً ہمیں اس سلسلے میں کوئی بہتر لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔" ظفری بولا۔

"اس کے علاوہ بچو، میں تمھاری کارکردگی سے ایک بنیادی اختلاف رکھتا ہوں۔" مطلق صاحب بولے۔ اور سب چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ظفری نے نرم لہجے میں کہا۔

"فرمائیے مطلق صاحب۔" وہ اختلاف کیا ہے؟"

"دیکھو بھئی ہمارا ادارہ جو کچھ کر رہا ہے وہ ایک لحاظ سے خاصا خطرناک ہے ہم لوگ بلاشبہ مخلص ہیں اور ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ جو دیانت داری کے خلاف ہو اور جس سے

قانون پر کوئی ضرب پڑتی ہو۔ اب تک کے فائل جو میں نے دیکھے ہیں ان میں یہ محسوس کیا ہے کہ تم لوگ خاص طور سے ایسے کیس ہاتھ میں لیتے ہو جو قانون کی زد میں نہ آتے ہوں۔ یعنی قانون ان سے مجروح نہ ہوتا ہو لیکن اس میں ایک ذرا سی گڑبڑ ہے جو شخص تمہارے پاس پہنچ جائے، وہ تمہارے لیے قابل احترام ہوتا ہے اور شاید قابل اعتماد بھی۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کی کہانی میں جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ کا فرمانا بجا ہے مطلق صاحب، لیکن ہم یہ سوچتے ہیں ضرور سوچتے ہیں اور بال کی کھال نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے نا بہت سے ہمارے کیس ایسے ہیں جن میں لوگوں نے ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔ ہمارے ذریعے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانا چاہا۔ ہم نے وہ کیا جو اصلیت تھی۔ چنانچہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم صرف ان کی سنتے ہیں جو ہمیں اپنے کام کے لیے معاوضہ دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے لیکن اس شخص کے لیے میں نے تمہارے انداز میں کوئی تردد نہیں پایا۔"

"کیا مطلب؟" ظفری نے چونک کر پوچھا۔

"تم نے کیسے یقین کر لیا کہ اس شخص نے جو کچھ کہا ہے، وہ حرف بہ حرف درست ہے۔"

"ہوں۔ سوال عمدہ ہے مطلق صاحب، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس میں کوئی ایسا پہلو نہیں نکلتا جو قابل اعتراض ہو؟"

"تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہی وہ کرنا چاہتا ہے۔" مطلق صاحب نے پھر سوال کیا۔ اور شکیلہ تحسین آمیز نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگی۔

"آپ کا فرمانا بجا ہے مطلق صاحب میں سمجھ رہی ہوں، لیکن ایک بوڑھا اور مجہول سا انسان ایسی کارروائی کیسے کرسکتا ہے جو قانون کی زد میں آتی ہو۔ تاہم اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی عمل کرنا ہوگا تا کہ ہم بوڑھے کے سچ اور جھوٹ کو پرکھ سکیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہم کریں گے وہ اتنا معمولی اور پھسپھسا نہیں ہوگا کہ سب کچھ بوڑھے کی مرضی کے مطابق ہی ہوجائے۔ اگر وہ شخص صحیح ہے تو پھر ہم اس کا کام اس کی مرضی کے مطابق ہی انجام دیں گے اور اگر وہ کسی طور پر غلط ثابت ہوا تو یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"دیکھو! میں ذرا مختلف آدمی ہوں۔ ظاہر ہے ان سب چیزوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ دو اور دو چار کر کے میں نے زندگی گزار دی لیکن اب جب تم اس لائن پر لے ہی آئے ہو تو میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ خود کو تمہارے لیے کارآمد بنا سکوں۔ اس سلسلے میں مجھے کتابوں سے مدد حاصل ہو رہی ہے۔ میرا تجربہ بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ میں نے مخلصانہ آغاز کر دیا ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ میں نے بوڑھے سے اس کے مکان اور اس کی رہائش کے بارے میں پوچھا تھا۔ مقصد وہی تھا جو میں نے اس کی زبان سے ادا کرالیا۔ یعنی کہ وہ تنہا ہے اور اسے کسی شخص کی ضرورت ہے۔ وہ شخص جو اس کی خدمت گار کی حیثیت سے اس کے پاس پہنچے گا، آدمی ہوگا اور اس دوران جب ہم اس کے بیٹے کو حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں گے وہ بوڑھے آدمی پر پوری پوری نگاہ رکھے گا۔ اور میں اس کے لیے اپنے للوا کو بھجوانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"یعنی ٹیٹو؟"

"ہاں۔ ٹیٹو کو میں اس سلسلے میں سب سے بہتر پاتا ہوں۔ یہ ڈھل اور جادو وغیرہ جو ہیں یہ تو بس اناڑی کے لٹھ ہیں۔ چل گئے تو چل گئے ورنہ اپنا ہی سر توڑ دیں گے لیکن ٹیٹو کے اندر میں نے ذہانت پائی ہے۔ میں ذرا اس سے یہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ اسے کھانا وغیرہ بھی پکانا آتا ہے یا نہیں۔" مطلق صاحب نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد ٹیٹو کو طلب کر لیا گیا۔

"سنا ہے میاں ٹیٹو تمھیں ہندوستانی اور انگریزی کھانے پکانا آتے ہیں؟"

"ایسے ویسے۔ کبھی پکوا کر دیکھ لیجیے گا انگلیاں نہ کاٹ لیں تو ٹیٹو نام نہیں۔"

"واقعی تم ایک باصلاحیت نوجوان ہو۔ لیکن اس وقت تمہارے اس فن کی ادارے کو ضرورت ہے۔"

"کیا کوئی دعوت وغیرہ یا کوئی پالٹی والٹی ہو رہی ہے؟" ٹیٹو نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں پالٹی نہیں ہو رہی بلکہ تمھیں جاسوسی کرنی ہے۔"

"ونڈرفل، ونڈرفل۔ ٹیٹو تیار ہے۔" ٹیٹو نے سینے پر گھونسا مار کر کہا۔

"اور اس جاسوسی میں کھانے پکانے کا خاص طور پر ذکر آتا ہے۔"

"ایں" ٹیٹو متحیرانہ انداز میں بولا اور مطلق صاحب اسے صورت حال سمجھانے لگے۔ انھوں نے بتایا کہ ابھی جو بوڑھا آیا تھا اُسے ایک ملازم کی ضرورت ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ اس کے مکان کی صفائی کر سکے اور اسے کھانا پکا کر کھلا سکے اور جو کچھ بھی کام ہوں وہ کر سکے اور اس کے لیے ہم نے تمہیں منتخب کیا ہے۔

"کک۔ کیوں؟ کیا یہاں سے مجھے نوکری سے نکالا جا رہا ہے؟" ٹیٹو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ارے نہیں یار کہا ہے نا تم سے کہ یہ جاسوسی کا معاملہ ہے۔ تم اس کے ملازم کی حیثیت سے اس کے ساتھ کام کرو گے لیکن دراصل تمہارا کام یہ ہوگا کہ اس کی پوری طرح چھان بین کرو۔ یہ معلوم کرو کہ اس کی اپنی کیفیت کیا ہے اس کے مشاغل کیا ہیں، کس کس سے

ملتا ہے کیا کیا سوچتا ہے اس کے اپنے سامان میں کون سی ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں یہ سارے کام تمھیں کرنے ہیں اس کے لیے تمھیں باقاعدہ جاسوسی کے آلات مہیا کیے جائیں گے۔ یعنی ایک چھوٹا سا کیمرہ جس سے تم اس کے سامان کی تصاویر لو گے اور ہمیں فراہم کردو گے یا پھر ان لوگوں کی تصویریں جو اس کے ملاقاتی ہوں گے۔ تمھیں نہایت باریک بینی سے اس کے ایک ایک اقدام پر نگاہ رکھنی ہے بولو تم یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو۔'' ٹیٹو کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ اس نے دونوں آنکھیں بند کرکے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ایسی ویسی خوشی سے۔ آپ دیکھیں میں کس چالاکی سے بالوں کی کھال اتار لیتا ہوں۔'' اور مطلق صاحب اس کے شانے کو تھپکنے لگے۔

''مجھے اُمید ہے اور میں نے ہی تمھارا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ میں تمہارے اندر وہ صلاحیتیں دیکھ رہا ہوں جو کسی جاسوس اعظم میں ہوتی ہیں۔'' مطلق صاحب کے ان الفاظ پر ٹیٹو پھول کر کپا ہوگیا۔ بہر صورت مطلق صاحب نے یہ طے کرلیا تھا کہ ٹیٹو کو ملازم کی حیثیت سے بوڑھے ابراہیم کا نگا پر مسلط کردیا جائے گا۔ کیس شکیلہ کے سپرد ہوچکا تھا اور شکیلہ اس سلسلے میں اپنی کارروائیاں کررہی تھی۔

دوسرا مسئلہ اس بات کا تھا کہ کیسے اس نوجوان کو یہاں تک لایا جائے اور اس پر بحث ہونے لگی۔

تمام معاملات طے کرنے کے بعد شکیلہ فرید پور چل پڑی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ فرید پور تک کا سفر بذریعہ کار ہی طے کرے، یوں بھی یہ چھوٹا سا شہر دارالحکومت سے صرف ایک سو ساٹھ میل تھا لیکن چونکہ چھوٹی لائن پر تھا اس لیے ٹرین کا سفر بہت تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ شکیلہ نے اپنی کار سے ہی سفر کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ شہر سے تقریباً پچاس میل دور نکلی تھی کہ دفعتاً بادل گھر آئے اور وہ سہم گئی۔ بارش اُسے بُری نہیں لگتی تھی لیکن محفوظ جگہوں سے اپنے وطن کی سڑکوں

پر اُسے اعتماد نہیں تھا۔ بہت سے حادثے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ ان بادلوں کی یہ سیاہی اسے پریشان کررہی تھی۔

سڑک صاف شفاف تھی اور اس سے فائدہ اٹھا کر شکیلہ نے رفتار تیز کردی تھی لیکن ابھی تو سفر کا بہت بڑا حصّہ باقی تھا۔ پھر پانی کی پہلی بوند ونڈ اسکرین سے ٹکرائی تو اس کے منہ سے بھرّائی ہوئی آواز نکل گئی۔

''آ گئی۔'' ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی دور چل کر اسے احساس ہوگیا کہ اس بدحواسی سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یہاں دور دور تک کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بارش سے بچاؤ ہوسکتا۔ چنانچہ جو ہونا ہے ہوجائے گا۔

پہلی بوند نے بارش کی آمد کی خبر دی تھی اور اس کے بعد لگا تار۔ بوندیں آنے لگیں۔ شکیلہ نے صبر کرلیا تھا' بارش ہرچند کہ ابھی اتنی تیز نہیں ہوئی تھی کہ سڑک نگاہوں سے اوجھل ہوجائے' لیکن جس انداز میں شروع ہوتی تھی اس سے شکیلہ کو خطرہ تھا کہ وہ تیز سے تیز ہوتی چلی جائے گی۔ اگر کوئی پناہ گاہ ہوتی جہاں تھوڑی دیر کے لیے رکا جاسکتا اور بارش بند ہونے کا انتظار کیا جاسکتا تو خوش بختی کی بات تھی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ دفعتاً چونک پڑی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی یہ دعا براہ راست آسمان تک جا پہنچی ہو۔

اسے ایک پہاڑی ٹیلہ نظر آیا تھا' جو سڑک سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا اور اس کے اوپری حصے پر ایک چٹان اس طرح کھڑی ہوئی تھی' جیسے کوئی چھتری ہوتی ہے۔ سڑک سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ دشوار گزار نہیں تھا' چنانچہ شکیلہ نے پھرتی سے گاڑی سڑک سے اتار دی اور چٹان کے نیچے ہی پہنچ کر دم لیا۔ بڑی کارآمد تھی یہ چٹان۔

کار اس کے نیچے بارش سے مکمل طور پر محفوظ ہوگئی تھی۔ اس کے بعد بارش تیز ہوتی چلی گئی اور جس طرح تیز ہوئی اسے دیکھ کر شکیلہ نے گہری گہری سانسیں لی تھیں۔ اگر وہ اس

وقت سڑک پر ہوتی تو نہ جانے کیا حال ہوتا۔ چاروں طرف سرمئی دھواں پھیل گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے کی چیز بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

کسی قسم کے خوف کا احساس اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا۔ بس دیر ہو جانے کا خطرہ تھا۔ یہ احساس تھا کہ شام ہو رہی ہے۔ نہ جانے بارش کتنی دیر تک جاری رہے اس کے علاوہ فرید پور پہنچ کر مطلوبہ شخص کی تلاش بھی ذرا مشکل کام تھا۔

شکیلہ کو اپنی حماقت کا احساس خصوصی طور پر ہوا۔ ایک سو اسی میل کا سفر طے کرنے کے لیے اگر وہ چند گھنٹے پہلے نکل پڑتی تو کیا ہرج تھا۔ وقت کا صحیح تعین نہیں کیا تھا اس نے اپنے اوپر اتنا اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس وقت چل پڑی ہوتی تو یقیناً بارش سے پہلے پہنچ جاتی۔ لیکن جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ اب حماقت ہو گئی تو اس کو برداشت تو کرنا ہی تھا۔

بارش تھوڑی دیر تک تو تیز رفتاری سے جاری رہی۔ اس کے بعد ہلکی ہو گئی، لیکن اگر ایسی ہی بارش ساری رات جاری رہی، تو وہ رات یہاں تو نہیں گزار سکتی تھی۔ بالآخر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور گڑھوں کی پروا کیے بغیر تیزی سے اسے سڑک پر لے آئی۔ پھر اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈال دیا۔ حالانکہ گیلی سڑکوں پر اس رفتار سے کار دوڑانا ایک خطرناک اقدام تھا۔ لیکن بس چڑ ہو گئی تھی شکیلہ کو وہ اپنے آپ کو حماقت کی سزا دینا چاہتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جو احساسات تھے، وہ اس کے ذہن سے نکل گئے تھے۔ جو ہونا ہے ہو جائے گا اگر تھوڑی دیر پہلے نکل آتی تو کون سی مصیبت آ جاتی نہیں نکلی تو ابھی اس مصیبت کو بھگتنا ہی ہو گا۔

رفتار بتانے والی سوئی آگے سے آگے بڑھتی جا رہی تھی یہی شکر تھا کہ سڑک پر ایسے ڈھلان تھے جن سے پانی بہ جاتا تھا اور کوئی بھی گڑھا ایسا نظر نہیں آیا جس میں پانی بھرا ہوتا۔ ورنہ پھر کار کو سنبھالنا مشکل تھا۔ ممکن تھا پانی کی چند بوندیں کاربوریٹر تک پہنچ جاتیں اور اس کے بعد تو لطف ہی آ جاتا۔

لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ کار دوڑاتی رہی اور جب اسے شہر کی بھیگی بھیگی روشنیاں دور سے نظر آئیں تو وہ دنگ رہ گئی۔ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ یہ فاصلہ کس طرح طے ہو گیا، بس ہو ہی گیا تھا۔ بہرطور وہ شہر میں داخل ہو ہی گئی۔ کار کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ شہر کی یہ روشنیاں کوئی دھوکہ نہیں حقیقت ہیں، تو اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ رات ہو چکی تھی، سڑکیں یہاں بھی گیلی تھیں، لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی کہ وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ یہاں بھی بارش ہوئی تھی لیکن پچھلے علاقے کی نسبت کم۔

بہرطور اب اسے فرید پور میں محمود سانگا کا پتا معلوم کرنا تھا۔ یہی نام بتایا گیا تھا اسے پورے پتے سے بھی آگاہ کیا گیا تھا۔

فرید پور کے گھنٹہ گھر روڈ پہنچنے کے بعد اسے چھاگلی تلاش کرنی تھی۔ چھاگلی کسی علاقے کا نام تھا جس کے آخری کونے پر پہنچ کر اُسے بائیں ہاتھ مڑنا تھا اور بائیں ہاتھ کا تیسرا مکان محمود سانگا کا تھا۔

وہ اس سے پہلے بھی فرید پور آ چکی تھی۔ لیکن یہاں کے چھوٹے چھوٹے علاقوں سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ بہرطور جس قدر اُسے بتایا گیا تھا اس کے مطابق وہ ابھی تک صحیح جگہ پر پہنچی تھی۔ لیکن اس نے چھاگلی پہنچ کر سوچا کہ کسی شخص سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اور چند ہی لمحات کے بعد اُسے ایک شخص نظر آ گیا۔

شریف صورت تھا۔ قریب سے گزرا تو شکیلہ نے اُسے آواز دی۔

''اے مسٹر، ذرا سنو۔'' اور وہ چونک کر رک گیا لیکن وہ شکیلہ کے قریب نہیں آیا تھا بلکہ وہیں اپنی جگہ کھڑے ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

''سنو تو سہی۔ ذرا ادھر آؤ۔'' شکیلہ نے پُر اخلاق انداز میں مسکرا کر کہا۔ لیکن اس شخص کا پارہ چڑھ گیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔شرم نہیں آتی۔سرعام،توبہ توبہ۔'' اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔شکیلہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

کیا بکواس کر رہا تھا وہ کم بخت،لیکن اس کی بکواس شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی۔اُسے بڑی شدت سے غصہ آیا تھا۔دل چاہا کہ کار اسٹارٹ کر کے اس کے سر پر پہنچ جائے اور اسے اتنے جوتے لگائے کہ اس کا دماغ درست ہو جائے،لیکن کوئی فائدہ نہیں تھا۔کھوپڑی پر کنٹرول کرنا ضروری تھا۔بمشکل خود پر قابو پانے کے بعد وہ چند قدم آگے بڑھی،کسی اور کو روکنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر وہ کار سے نیچے اتر آئی۔اس کا لباس کسی قدر مسل گیا تھا۔کار میں ہونے کے باوجود وہ بھیگنے سے نہ بچ سکی تھی۔لباس کے بعض حصے تو بدن سے چپک کر رہ گئے تھے۔چنانچہ جب اسے احساس ہوا تو وہ بوکھلا کر واپس گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔اس بار پھر ایک شخص اور اس کے قریب سے گزرا۔

یہ شکل وصورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا لفنگا سا۔کالی ٹوپی پہنے،گلے میں رومال باندھے،عجیب سا لگ رہا تھا۔

''اے سنو۔'' اس بار شکیلہ نے کھردری آواز میں کہا اور وہ رک گیا۔

''میرے کو بولتا میم صاحب؟'' اس نے کہا۔

''ہاں سنو۔''

''بولو۔بولو۔کیا بات ہے؟ دور ہی سے بولو۔''

''اِدھر آ جاؤ۔میں تمہیں کھا تو نہیں جاؤں گی۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''نہیں میم صاحب۔بالکل نہیں' یار خان لنگوٹ کے پکے ہیں۔استاد نے کہا تھا' بیٹا جب تک لنگوٹ کا پکا نہیں ہوگا کبھی پہلوان نہیں بنے گا' تمہیں نہیں معلوم میم صاحب یہاں کتنی عورتیں یار خان کو بلاتی ہیں' بڑی بڑی باتیں کرتی ہیں' کہتی ہیں ہمارے حساب میں کھاؤ پیو،

عیش کرو، پہلوانی کرو،بس کبھی کبھی شکل دکھانے آ جایا کرو۔لیکن استاد کی بات یار خان ضرور مانتے ہیں۔ہم نے کبھی لنگوٹ ڈھیلا نہیں کیا۔'' لفنگی شکل کے نوجوان نے منہ مروڑ کر کہا۔اور شکیلہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اس نے نفرت سے سوچا۔

''یہ فرید پور ہے یا پاگل خانہ۔سارے کے سارے کم بخت دیوانگی کا شکار ہیں۔

بہرحال کسی تیسرے پاگل کو تلاش کرنے سے بہتر تو یہی ہے کہ اس پاگل سے کام چلایا جائے چنانچہ اس نے لہجہ نرم کر کے کہا۔

''بھیا پہلوان صاحب۔میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی' نہ ہی اس کے لیے آپ کو مجبور کروں گی کہ آپ اپنے استاد کی بات ٹھکرا دیں۔میں تو آپ سے ایک پتا معلوم کرنا چاہتی ہوں۔

''پتا۔ارے ارے پوچھو نا۔''

''چھا گلی کہاں ہے؟''

''دیا خان کو بھی بس ایسی ہی ملتی ہیں۔ارے بابا جہاں تم کھڑی ہو یہی چھا گلی ہے۔'' پہلوان صاحب نے جواب دیا۔اور شکیلہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔بہر طور اس نے کار آگے بڑھا دی۔اور اسے گلی کے آخری سرے پر لے گئی اس سے آگے کار لے جانے کی گنجائش نہیں تھی' چنانچہ اس نے وہیں اسے کھڑا کر کے لاک کر دیا اور باہر نکل آئی۔

خدا کا شکر تھا کہ رات کا وقت تھا اور گلی میں زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔اس لیے اسے زیادہ وقت نہ ہوئی اور وہ مطلوبہ جگہ کی طرف چل پڑی۔

سامنے ہی ایک دکان کھلی ہوئی تھی۔اس نے سوچا کہ محمود سا نگا کا پتا اس دکان دار سے معلوم کر لے۔وہ دکان پر پہنچ گئی۔دکان دار اس انوکھی گاہک کو دیکھ کر چونک پڑا تھا۔

''معاف کیجیے گا' میں آپ سے ایک صاحب کا پتا معلوم کرنا چاہتی ہوں۔'' شکیلہ نے

کہا۔

''بسم اللہ۔بسم اللہ۔ضرور معلوم کریں۔کون ہے وہ؟'' دکان دار نے از حد خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''اس کا نام محمود سانگا ہے۔'' شکیلہ نے کہا۔اور دکاندار اچھل پڑا۔

''کہاں ہے، کہاں ہے وہ کمینہ، مجھے بتاؤ کہاں ہے وہ۔دیکھا ہے اُسے آپ نے۔میں تو خود اس خنزیر کی تلاش میں ہوں۔ہائے پورے اکیاون روپے ہو گئے ہیں اس کی طرف، ہائے میری تقدیر۔لوگ منع کرتے رہے۔لیکن میں اسے ادھار دیتا رہا۔مجھے اس کا پتا بتا دیں۔باقی میں نمٹ لوں گا اس سے۔قسم ہے ایمان کی۔'' دکان دار نے کہا۔اور شکیلہ ایک بار پھر گھوم کر رہ گئی۔

اس نے متحیرانہ انداز میں دکان دار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس کا پتا کیا معلوم' میں تو خود آپ سے اس کا پتا معلوم کرنے آئی ہوں۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اجی کمال کرتی ہیں آپ بھی۔اس کا پتا معلوم ہوتا تو میں اس کی گردن دبا کر اپنے اکیاون روپے وصول نہ کر لیتا۔پورے سات مہینے ہو چکے ہیں۔'' دکاندار غصیلے لہجے میں بولا۔

''لیکن میں نے سنا ہے اسی گلی میں اس کا مکان ہے۔''

''اس کے باپ کا بھی کبھی مکان ہوا ہے۔مالک مکان شریف آدمی ہے۔جو آٹھ مہینے سے کرایہ ملنے کے باوجود مکان خالی نہیں کراتا۔بس مل جائے ایک بار خدا کرے۔'' دکاندار دانت کٹکٹا کر بولا۔

''گویا مکان ہے ضرور؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''جی ہاں اور اس میں تالا بھی ہے ضرور۔'' دکاندار جلے کٹے انداز میں بولا۔اور

شکیلہ کو اس کے اس انداز پر ہنسی آگئی۔

لیکن بڑی بے بسی تھی اس کی ہنسی میں۔اس شخص کے لیے وہ اتنا طویل فاصلہ طے کر کے اتنی مشکلات کے ساتھ یہاں پہنچی تھی' سینکڑوں مصیبتیں اٹھائی تھیں۔لیکن اس کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا وہ بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔کیا محمود سانگا ایسا ہی فضول آدمی ہو سکتا ہے۔اتنے بڑے باپ کا بیٹا۔لیکن بہر طور وہ کیا کر سکتی تھی اس سلسلے میں۔چنانچہ وہ پھر لجاجت سے بولی۔

''آپ مجھے اس کے مکان کا پتا بتا دیں۔''

''قسم ایمان کی کیا پتا بتا دیں۔جان جل گئی ہے اس کے نام سے بس تھوڑی دور چلی جائیں ایک دروازے پر موٹا سا تالا پڑا ہوا ہوگا۔وہی اس کا مکان ہے۔دکاندار نے بیزاری سے کہا اور شکیلہ ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔پھر وہ اس مکان کے سامنے پہنچ گئی جس پر تالا پڑا ہوا تھا۔اس نے پریشان کن نگاہوں سے تالے کو دیکھا۔اور دروازے کے سامنے کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا کرے۔اب تو اس وقت واپسی کے بارے میں سوچنا ہی حماقت ہے اور وہ شخص نہیں ہے۔اب کیا کیا جائے۔ٹھیک ہے کسی ہوٹل کو تلاش کر کے رات گزاری جائے گی۔لیکن محمود سانگا کی یہ کیفیت اس کے لیے انوکھی تھی۔اگر وہ واقعی اتنے بڑے باپ کا بیٹا تھا تو اس انداز میں زندگی کیوں گزار رہا تھا۔

چند لمحات وہ دروازے پر کھڑی رہی۔پھر یہاں کھڑے رہنے کو حماقت سمجھ کر واپس پلٹی ہی تھی کہ ایک آواز اُسے سنائی دی۔

''سنیے۔'' اور وہ چونک پڑی۔قریب وجوار میں کوئی موجود نہ تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔میں محمود سانگا بول رہا ہوں۔'' آواز پھر آئی

اور شکیلہ سخت حیران ہوگئی۔

"کہاں سے بول رہے ہیں آپ"،، اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"عالم بالا سے؟

"کہاں سے؟ شکیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"عالم بالا سے۔" محمود سالنگا نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ اتنی جلدی کیا تھی آپ کو عالم بالا پر جانے کی۔ مجھے تو آپ سے ایک ضروری کام تھا۔" شکیلہ آہستگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو آپ بھی عالم بالا پر آجایئے۔ مل جل کر گفتگو کریں گے یوں بھی میں آپ کو اپنی درد بھری کہانی سنا سکتا ہوں۔ لیکن یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ آپ میرے قرض خواہوں کی نمائندہ نہیں ہیں۔"

"مسٹر سالنگا پلیز یہ مذاق کا وقت نہیں ہے، میں بڑی دور سے آپ کی تلاش میں آئی ہوں، میں بہت پریشان ہوں۔ میرے سامنے آیئے۔ میں نہیں جانتی آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"ایک وعدہ کریں گی؟"

"ہاں ہاں کیسے۔"

"اگر میں آپ سے مل لوں تو آپ کسی دوسرے کو میرے بارے میں نہیں بتائیں گی؟"

"وعدہ۔" شکیلہ بولی۔

"دیوار پر چڑھنے کی مشق ہے آپ کو؟"

"جی؟" وہ چونک کی بولی۔

"زیادہ اونچی دیوار نہیں ہے۔ بس ایک کھڑکی تک پہنچنا ہے، آپ کی آسانی کے

لیے میں کھڑکی سے ایک رسی نیچے لٹکا دیتا ہوں۔"

"کھڑکی کہاں ہے؟"

"اس مکان کی پشت پر آجکل میں وہی راستہ استعمال کرتا ہوں۔ آجایئے۔ پشت پر آجایئے۔"

شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں جھپکائی تھیں۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔ جو کچھ ہو رہا تھا' عجیب ہی تھا۔ شروع سے آخر تک عجیب بہرطور اس چھوٹے سے مکان کی پشت پر پہنچ گئی۔

پیچھے پتلی گلی تھی' گندی بھی تھی۔ لیکن اُسے اس علاقے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ جس کام سے آئی تھی بس اُسے انجام دینا چاہتی تھی۔ تب اس نے کھڑکی کھلی دیکھی۔ جس سے ایک رسی باہر لٹک رہی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ ملاقات کا اس سے اچھا ذریعہ کیا ہوسکتا ہے۔ پھر اس نے دونوں جوتے اتارے' انھیں بغل میں دبایا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس کا جھٹکا دے کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا۔ رسّی خاصی مضبوط تھی۔

لیکن مسئلہ جوتوں کا تھا۔ جوتے بغل میں دبا کر رسّی کے ذریعے اوپر چڑھنا کسی طور ممکن نہیں تھا۔ لیکن یہاں اخلاق اور تہذیب کا کیا گزر؟ چنانچہ اس نے ایک ایک کر کے دونوں جوتے بڑے اطمینان سے کھڑکی کے اندر اچھال دیے۔ اب وہ جوتے کسی کے سر پر پڑے ہوں' یا زمین پر۔ شکیلہ کو اب اس سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے رسّی پکڑ لی اور پھر وہ ایسی کمزور بھی نہ تھی کہ رسّی کے ذریعے کھڑکی تک نہ پہنچ سکتی۔ رسّی کا دوسرا سرا کھڑکی کی چوکھٹ سے بندھا ہوا تھا۔ وہ کھڑکی میں داخل ہوئی اور دوسری طرف کود گئی۔

چھوٹا سا کمرہ تھا۔ فرنیچر سے بے نیاز' لیکن صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ کمرہ میں کوئی

نہیں تھا۔اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔"

عجیب احمق قسم کا آدمی تھا۔ جو یہاں رہتا تھا۔لیکن وہ ہے کیا۔خواہ مخواہ پراسرار بننے کی کوشش کر رہا ہے۔یا پھر ہے ہی مصیبت کا مارا۔اس نے رسّی کو اسی طرح لٹکا رہنے دیا۔اور کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ باہر سے آواز آئی۔

"ہیلو، کیسی ہیں آپ؟" وہ متحیرانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

نوجوان آدمی تھا۔اچھی خاصی شکل وصورت کا مالک' لیکن اس کے بدن پر ایک تہبند اور بنیان کے علاوہ کچھ نہ تھا۔بدن سڈول اور مناسب تھا۔خاصا ورزشی معلوم ہوتا تھا۔لیکن اس کے چہرے پر بلا کی سادگی تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ایک معصوم سی نرمی اس کی شکل کو ایک عجیب سا رنگ دے رہی تھی۔

"ہیلو!" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو۔تشریف لے آئیے۔تشریف لے آئیے۔دراصل میں۔وہ۔معافی چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ اس بات کو محسوس نہیں کر رہی ہیں تو واقعی کوئی بات نہیں ہے' تشریف لے آئیے۔اس نے شکیلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔شکیلہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

چھوٹا سا مکان تھا۔اس لیے اسے چند قدم سے آگے نہ چلنا پڑا۔وہ کمرہ جس میں اسے لے جایا گیا تھا' شاید ڈرائنگ روم تھا۔پرانے طرز کی چند کرسیاں' ایک آدھ میز' کھڑکیاں اور دروازے پردے سے بے نیاز' مکین کی بدحالی کا پتا دے رہے تھے۔

"تشریف رکھیے۔" اس نے پر اخلاق لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" شکیلہ نے جواب دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔اس نے ذرہ بھی اس بات کا خیال نہیں کیا تھا کہ کرسی کی گرد اس کے لباس پر لگ جائے گی۔جو ابھی تک کسی قدر بھیگا ہوا تھا۔

"آپ محمود سانگا ہیں؟" شکیلہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ کر پوچھا۔اور نوجوان جلدی سے مڑ کر اپنے عقب میں نگاہ دوڑانے لگا۔پھر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں بھی نہیں سمجھا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ کیا آپ محمود سانگا ہیں؟"

"میرے علاوہ بھی اور کوئی ہو سکتا ہے؟"

"تو گویا آپ محمود سانگا ہی ہیں۔"

"سو فیصدی۔بلکہ ایک سو دس فیصدی۔نوجوان جلدی سے بولا۔

"ہوں۔شکیلہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔"میں آپ ہی سے ملنے آئی ہوں۔"

"ملیے ملیے۔ضرور ملیے۔"نوجوان پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"میرا مطلب ہے میں دارالحکومت سے آئی ہوں۔"

"اوہ مس دارالحکومت' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرا نام شکیلہ ہے۔"

"شکیلہ۔شکیلہ۔اوہ اچھا اچھا۔ویسے بھی شکل وصورت سے آپ خاصی شکیل معلوم ہوتی ہیں۔"

"آپ الفاظوں سے کھیل رہے ہیں مسٹر سانگا لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ غیر ملکی ہونے کے باوجود بڑی روانی سے ہماری زبان بول لیتے ہیں؟"

''غیر ملکی؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا اب آپ مجھ سے میرا وطن بھی چھین لینا چاہتی ہیں۔ یہ نہیں ہو گا مس دارالحکومت' ایسا کبھی نہیں ہو گا۔مم۔۔۔میرا مطلب ہے معاف کیجیے مس شکیلہ۔'' نوجوان نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔وہ خود بھی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''لیکن' رات کو اس وقت' آپ دارالحکومت سے کیوں تشریف لائی ہیں۔خیریت تو ہے؟''

''جی ہاں۔بس میں آپ سے ملنے آئی تھی۔''

''اوہ اچھا اچھا۔یقیناً آپ نے مجھے خوابوں میں دیکھا ہوگا۔میرے ہاتھ میں ایک خوبصورت تلوار ہوگی اور سر پر پگڑی۔وہ بچوں کے سے انداز میں بولا۔

''جی نہیں' میں خواب نہیں دیکھتی۔''

''اچھا تو آپ شاید کسی حکیم صاحب کا نسخہ استعمال کرتی ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے۔یعنی کوئی قبض کشا۔''

''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں' یہاں داخل ہونے کے بعد سے اب تک میرا دماغ خراب کرنے والے ہی جملے ملے ہیں۔''

''محترمہ میں کچھ نہیں کہہ رہا۔آپ ہی فرما رہی ہیں' آپ خواب نہیں دیکھتیں۔ اس کا مطلب ہے آپ بے حد نفیس اور ہلکی غذا کھاتی ہیں۔یہاں تو ناقص غذاؤں نے پیٹ کا ستیا ناس کر دیا ہے اور اکثر خواب آتے رہتے ہیں۔'' نوجوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''ویسے آپ دل چسپ انسان ہیں۔''

''دل چسپ؟''

''جی ہاں۔بے حد دل چسپ۔'' شکیلہ ہنستی ہوئی بولی۔

''خیر ٹھیک ہے۔جو کچھ بھی کہہ لیں آپ' لیکن میں اس وقت آپ کی آمد پر متحیر ہوں۔بھلا مجھ سے ملنے کوئی شخص اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے آ سکتا ہے؟''

''میں آپ کی مہمان ہوں سانگا صاحب۔کچھ خاطر مدارت نہیں کریں گے؟'' شکیلہ بے تکلفی سے بولی۔

''جی۔مگر کیا خاطر کروں؟''

''دیکھیے نا میرا لباس بھیگ رہا ہے۔' ایک طویل مسافت طے کر کے آئی ہوں۔ میری کار یہاں سے کافی دور کھڑی ہوئی ہے۔اور اس میں پانی بھرا ہوا ہے۔میں سردی محسوس کر رہی ہوں۔' کیا آپ کے پاس چائے یا کافی کا بندوبست نہیں ہے۔''

''چائے۔کافی؟'' محمود سانگا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔اب کیا بتاؤں میں آپ کو؟''

''کچھ تو بتائیے۔''

''آپ کو خود ہی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اگر میں آپ کو چائے یا کافی پلوا سکتا تو اس طرح قرض خواہوں سے چھپا بیٹھا رہتا۔آپ سمجھ سکتی ہیں لوگ مزید قرض دینے پر تیار نہ ہوں گے۔''

''اوہ' ٹھیک ہے' کوئی بات نہیں۔'' شکیلہ ہنس پڑی۔'' آپ یقین کریں۔سانگا صاحب میں نے ایک طویل مسافت طے کی ہے لیکن آپ سے ملنے کے بعد مجھے اس مسافت کا بالکل بھی احساس نہیں ہے؟''

''شکریے کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔''

شکیلہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ نوجوان جس قدر سادہ نظر آ رہا ہے۔ اتنا ہے نہیں۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں بلا کی تیزی بھی ہے۔ معصومیت کے آخری پردوں میں عجیب سی چمک چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ چمک شکیلہ کے چہرے کا اندازہ کر رہی تھی۔ گویا وہ شکیلہ کے بارے میں کھوج لگانا چاہتا تھا پھر اس نے کہا۔

''میرا خیال ہے خاتون' خاطر مدارت کے معاملے میں ہماری گفتگو ہو چکی ہے۔ چنانچہ اب میں آپ کی آمد کا راز جاننا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ کو اپنی آمد کے بارے میں تفصیل سے بتا دوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں اس بات کی خواہشمند ہوں کہ آپ نے جو گفتگو اب تک میرے ساتھ کی ہے' اس سے کسی حد تک علاحدہ ہٹ کر' یعنی اپنی فطرت میں لچک پیدا کر کے صبر و سکون سے میری بات سنیں گے اور میری مدد کریں گے۔''

''مدد؟ محترمہ جو شخص اپنی مدد نہیں کر سکتا' وہ کسی اور کی مدد کیا کرے گا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ قرض خواہوں کے ڈر سے میں دروازے سے آنا جانا چھوڑ چکا ہوں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ میں کسی کی مدد کے قابل نہیں ہوں۔''

''ہوں۔ لیکن میری امداد ذرا دوسری قسم کی ہے۔ میں آپ کو مختصراً بتا سکتی ہوں۔ مرزا ریاض بیگ کا نام سنا ہے آپ نے؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''مرزا ریاض بیگ۔ نہیں میں انھیں نہیں جانتا ویسے بھی یہاں بہت کم لوگوں سے میرے تعلقات ہیں۔'' محمود سانگا نے جواب دیا۔

''مسٹر ریاض کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل وہ ایک ایڈووکیٹ ہیں اور ان دنوں خاصی الجھن میں گرفتار ہیں۔''

''اوہ' اوہ' کیا الجھن پیش آئی ہے انھیں؟ کیا ان کا کاروبار بھی میرے کاروبار کی

طرح ٹھپ ہے اور قرض خواہ پریشان کر رہے ہیں۔'' محمود سانگا نے پوچھا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''جی نہیں۔ خدا کے فضل سے ان کا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اور یہ ایک کاروباری الجھن ہے جو انھیں پیش آئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس بات سے انحراف نہیں کیا کہ آپ محمود سانگا ہیں اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ اس بات سے انحراف نہیں کریں گے کہ آپ کا تعلق کسی طور پر جنوبی افریقہ سے رہ چکا ہے۔''

''اوہ۔ اوہ۔ ہاں۔ میرا ایک ناجائز تعلق وہاں سے رہ چکا ہے۔'' محمود سانگا کے لہجے میں حقارت تھی۔

''نہیں' آپ اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے مسٹر سانگا۔ تھوڑی سی باتیں جو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ سے مجھے معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کو اپنے مرحوم والد مسٹر ابراہیم کانگا سے شدید اختلاف تھا اور اسی اختلاف سے آپ افریقہ چھوڑ آئے تھے یعنی اپنی والدہ کی موت کے بعد۔ لیکن جو لوگ اس دنیا میں نہ ہوں' ان سے اختلاف بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے۔''

شکیلہ کے ان الفاظ پر محمود سانگا کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''تو ابراہیم کانگا مر گیا؟''

''ہاں۔ ان کے انتقال کو تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ میرے خیال میں آپ نے کبھی ان کی خبر گیری نہیں کی ہے۔''

''اپنے خیالات رہنے دیجیے۔ مطلب کی بات پر آیئے۔''

''جنوبی افریقہ سے کچھ کاغذات مسٹر ریاض بیگ کے نام منتقل ہوئے ہیں۔ ان میں ان سے درخواست کی گئی ہے کہ محمود سانگا کو تلاش کر کے اسے ابراہیم کانگا کا ورثہ منتقل کر دیا جائے اور آپ نہیں جانتے کہ مرزا ریاض بیگ نے آپ کی تلاش میں کیا کیا مصیبتیں اٹھائی

ہیں۔بمشکل تمام ہمیں آپ کا پتا معلوم ہو سکا اور میں آپ سے ملاقات کے لیے یہاں آ گئی۔"

شکیلہ نے پروگرام کے مطابق یہ کہانی محمود سانگا کو سنائی لیکن اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔وہ چند لحات نگاہیں جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"گویا آپ وہ ورثہ میرے نام منتقل کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں نہیں' جنوبی افریقہ کی حکومت آپ کو آپ کا حق دینا چاہتی ہے۔میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ کے پاس لے جاؤں۔آپ ان سے اپنے تمام معاملات طے کر لیں۔"

لیکن افسوس محترمہ مجھے اس دولت سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔آپ کو میرے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہو چکی ہیں ان سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مجھے اپنے باپ سے بے پناہ نفرت تھی۔میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی۔اس نے دراصل میری ماں سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔وہ عیاش طبع انسان تھا اور میری ماں ساری عمر سسکتی رہی۔میں جن حالات کا شکار ہوں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔لیکن آپ یقین کریں اس امارت کی زندگی سے مجھے اپنی یہ مفلوک الحالی پسند ہے۔"

"محمود سانگا بلاشبہ یہ آپ کی سچائی کی دلیل ہے کہ آپ اپنی نفرتوں میں بھی اتنے ہی کھرے ہیں جتنے محبتوں میں ہوں گے۔لیکن میں آپ سے ایک درخواست ضرور کرنا چاہتی ہوں کہ کم از کم ہماری یہ الجھن دور کر دیجیے۔میری نوکری کا بھی سوال ہے۔مجھے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے۔وہ صرف اتنی ہے کہ میں آپ کو مسٹر ریاض بیگ تک پہنچا دوں' اس کے بعد جو معاملات آپ کو طے کرنے ہیں ان سے کر لیں۔اگر آپ اس دولت سے دل چسپی نہیں رکھتے تو یہ الفاظ اگر آپ ان کے سامنے کہہ دیں گے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" شکیلہ کی اس بات پر محمود سانگا گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔مجھے اس میں اعتراض نہ ہوگا۔یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ مجھے دارالحکومت میں آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرنی ہوگی؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے دروازے سے باہر نکلنا پسند کریں گی؟"

"جی؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"مم۔۔۔۔میرا مطلب یہ ہے مس دارالحکومت کہ ہمیں اب بھی کھڑکی کے راستے سے ہی باہر جانا پڑے گا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی مسٹر سانگا۔"

"حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ سامنے کے دروازے سے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ قرض خواہ میری گردن پکڑ لیں اور آپ کا کام جوں کا توں رہ جائے۔جہاں تک اس دولت کا سوال ہے جو میرے مرحوم باپ کے ذریعے مجھ تک منتقل ہونا چاہتی ہے تو مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے لیکن آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ یقیناً میری موجودگی اپنے دفتر میں پسند کریں گے انھیں اس سے جو بھی فائدہ ہوگا' وہ ان کا اپنا مسئلہ ہوگا لیکن مجھے اس سے میری مراد یہ ہے کہ میں اپنے مکان میں واپسی سامنے کے دروازے سے چاہتا ہوں۔"

"اوہ" شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔"میرا خیال ہے میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔"

"شکریہ' شکریہ۔یقیناً آپ سمجھدار خاتون معلوم ہوتی ہیں؟"

"فی الحال کتنی رقم سے آپ کا کام چل جائے گا۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"بس تھوڑی سی۔بہت ہی معمولی سی۔یہ سامنے والے دکاندار نے ابھی تک دکان

ہیں۔بمشکل تمام ہمیں آپ کا پتا معلوم ہو سکا اور میں آپ سے ملاقات کے لیے یہاں آ گئی۔"
شکیلہ نے پروگرام کے مطابق یہ کہانی محمود سانگا کو سنائی لیکن اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔وہ چند لمحات نگاہیں جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"گویا آپ وہ ورثہ میرے نام منتقل کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں نہیں' جنوبی افریقہ کی حکومت آپ کو آپ کا حق دینا چاہتی ہے۔میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ کے پاس لے جاؤں۔آپ ان سے اپنے تمام معاملات طے کر لیں۔"

لیکن افسوس محترمہ مجھے اس دولت سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔آپ کو میرے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہو چکی ہیں ان سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ مجھے اپنے باپ سے بے پناہ نفرت تھی۔میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی۔اس نے دراصل میری ماں سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔وہ عیاش طبع انسان تھا اور میری ماں ساری عمر سلگتی رہی۔میں جن حالات کا شکار ہوں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہو گا۔لیکن آپ یقین کریں اس امارت کی زندگی سے مجھے اپنی یہ مفلوک الحالی پسند ہے۔"

"محمود سانگا بلاشبہ یہ آپ کی سچائی کی دلیل ہے کہ آپ اپنی نفرتوں میں بھی اتنے ہی کھرے ہیں جتنے محبتوں میں ہوں گے۔لیکن میں آپ سے ایک درخواست ضرور کرنا چاہتی ہوں کہ کم از کم ہماری یہ الجھن دور کر دیجیے۔میری نوکری کا بھی سوال ہے۔مجھے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے۔وہ صرف اتنی ہے کہ میں آپ کو مسٹر ریاض بیگ تک پہنچا دوں' اس کے بعد جو معاملات آپ کو طے کرنے ہیں ان سے کر لیں۔اگر آپ اس دولت سے دل چسپی نہیں رکھتے تو یہ الفاظ اگر آپ ان کے سامنے کہہ دیں گے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" شکیلہ کی اس بات پر محمود سانگا گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔مجھے اس میں اعتراض نہ ہو گا۔یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ مجھے دارالحکومت میں آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرنی ہو گی؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے دروازے سے باہر نکلنا پسند کریں گی؟"

"جی؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"مم۔۔۔۔میرا مطلب یہ ہے مس دارالحکومت کہ ہمیں اب بھی کھڑکی کے راستے سے ہی باہر جانا پڑے گا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی مسٹر سانگا۔"

"حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ سامنے کے دروازے سے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ قرض خواہ میری گردن پکڑ لیں اور آپ کا کام جوں کا توں رہ جائے۔جہاں تک اس دولت کا سوال ہے جو میرے مرحوم باپ کے ذریعے مجھ تک منتقل ہونا چاہتی ہے تو مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے لیکن آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ یقیناً میری موجودگی اپنے دفتر میں پسند کریں گے انھیں اس سے جو بھی فائدہ ہو گا' وہ ان کا اپنا مسئلہ ہو گا لیکن مجھے اس سے میری مراد یہ ہے کہ میں اپنے مکان میں واپسی سامنے کے دروازے سے چاہتا ہوں۔"

"اوہ" شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔"میرا خیال ہے میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔"

"شکریہ' شکریہ۔یقیناً آپ سمجھدار خاتون معلوم ہوتی ہیں؟"

"فی الحال کتنی رقم سے آپ کا کام چل جائے گا۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"بس تھوڑی سی۔بہت ہی معمولی سی۔یہ سامنے والے دکاندار نے ابھی تک دکان

بندنہ کی ہوگی۔اب جب ہم اس کے سامنے سے گزریں گے تو اس کے اکیاون روپے اس کے منہ پر ماردیں گے۔'' سانگا نے جواب دیا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''بس اتنی سی بات چلیے۔ہم سامنے کے دروازے ہی سے چلیں گے۔''

''بہت خوب تو کیا مجھے لباس پہننے کی اجازت ہے؟''

''ظاہر ہے۔کیا آپ اسی طرح چل سکیں گے۔''

''نہیں۔نہیں۔میں تو سوچتا ہوں شاید اس طرح بھی باہر نکلنے کے بعد یہ کچھ بدن پر ہے۔وہ بھی نہ رہے۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ سے بولا۔

''اوہ کیوں؟''

''بھئی ہمارے ہاں کے قرض خواہ بڑے قناعت پسند ہیں۔' تہ بنیان بھی ان کے لیے کچھ برا نہ ہوگا۔'' محمود سانگا نے جواب دیا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''چند لمحات کی اجازت؟'' سانگا نے مہذب انداز میں کہا۔

''جی' جی ہاں ضرور ضرور'' شکیلہ بولی۔اور وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔اس کے جانے کے بعد شکیلہ خود بخود مسکرانے لگی تھی۔محمود سانگا کی شخصیت کے بارے میں وہ کسی قدر اندازہ لگا چکی تھی۔ضدی قسم کا انسان تھا۔لیکن انتہائی دل چسپ شخصیت کا مالک اس کے انداز میں پھکڑ پن تھا۔لیکن وہ اپنے باپ کی دولت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔کیونکہ اس سے نفرت کرتا تھا۔

ابراہیم کانگا نے جو کچھ بتایا تھا ممکن ہے اس میں اس نے اپنی شخصیت محفوظ رکھی ہوا ور وہ حقائق نہ بتائے ہوں۔جنھوں نے محمود سانگا کو اسقدر بد دل کر دیا تھا۔ورنہ ایک ایسا مفلوک الحال آدمی جو یہاں سے دارالحکومت تک چلنے کے لیے معاوضہ مانگ سکتا ہے' اتنی بڑی دولت ٹھکرانے کے لیے تیار نہ ہوتا لیکن اس کی شخصیت آہستہ آہستہ شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

بہر طور چند لمحات کے بعد وہ اندر آ گیا۔سادہ سے کپڑے کی ایک پتلون اور قمیض پہنے ہوئے تھا۔بال سنوارے ہوئے تھے۔اس کی شخصیت کسی قدر نکھر آئی تھی۔شکیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں؟'' اُس نے پوچھا۔

''جی۔لیکن مس دارالحکومت' اس وقت کیا ہم دارالحکومت تک سفر طے کر سکیں گے۔''

''آئیے یہاں سے تو باہر چلیں۔اگر ہم دارالحکومت تک کا سفر نہ بھی کریں' رات میں۔تو کیا میں آپ کے ساتھ یہاں اس مکان میں رہوں گی۔''

''اوہو۔نہیں نہیں' یہ کیسے ممکن ہے بہر طور میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شکیلہ پھر مسکرا پڑی۔

''جی نہیں' اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔پلیز آپ کو یہ دیتے ہوئے میں شرمندہ ہوں لیکن یہ رکھ لیں۔'' شکیلہ نے اپنے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''اوہو۔نہیں اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔یہ تو آپ کا فرض تھا۔'' محمود سانگا نے نوٹ شکیلہ کے ہاتھ سے جھپٹ لیے کھڑکی کے راستے جا کر باہر سے تالا کھول دیا۔پھر وہ دونوں دروازے سے باہر نکل آئے۔لیکن ابھی چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ دفعتاً سامنے والے دروازے سے دکاندار کی دھاڑ سنائی دی۔

''پکڑا گیا پکڑا گیا۔'' اور وہ دکان سے کود کر اس طرح محمود سانگا کی طرف لپکا جیسے اسے دبوچ ہی لے گا لیکن محمود سانگا کے ہاتھ میں سو کا نوٹ لہراتا دیکھ کر اس کے قدم رک گئے اور آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

''کک۔۔۔کیا مطلب؟'' اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''تمھارے اکیاون روپے ہیں نا؟'' سانگا نے پوچھا۔

"ہاں ہاں پورے اکیاون۔"

"اور یہ انچاس روپے تیرے میرے حساب میں جمع کر لو۔" اس نے سو کا نوٹ دکاندار کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور شکیلہ کے ساتھ شاہانہ انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

دکاندار اپنی جگہ کھڑا حیرت سے ان دونوں کو جاتا دیکھتا رہا تھا۔ شکیلہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ بہر طور کار کے قریب جا کر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر پہنچ گئی۔ محمود سالنگا کے لیے اس نے دوسری سمت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن وہ متعجب سا کھڑا رہا۔

"آؤ۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ۔۔۔ یہ کار تمھاری ہے؟ سالنگا نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں، ہاں کیوں؟ تمھیں چوری کی لگتی ہے؟"

"نہیں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ تم تو خاصی بڑی آدمی لگتی ہو۔" وہ گھوم کر دوسری سمت آ گیا اور شکیلہ کے برابر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لیکن اگلے لمحے وہ اچک پڑا تھا۔ سیٹ پانی سے بھیگی ہوئی تھی۔

"کیوں کیا ہوا؟" شکیلہ اس کے اچکنے کی وجہ نہیں سمجھ سکی تھی۔

"پپ۔ پتا نہیں بہر طور چلو۔"

"اوہ۔ بھی سیٹ پانی سے بھیگ رہی ہے نا؟" شکیلہ ہنس پڑی۔

"پپ پانی ہے نا۔" اس نے خوف زدہ انداز میں پوچھا اور شکیلہ جھینپ گئی۔

"تم بہت فضول باتیں بھی کر لیتے ہو مسٹر سالنگا۔" اس نے کہا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی وہ ابھی تک اس شخص کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکی تھی نجانے کس قسم کا آدمی تھا۔ ایک طرف تو وہ اتنی بڑی اور نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ اگر وہ مسٹر کالنگا کی دولت قبول کر

لیتا تو بہت کچھ بن سکتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ اس انداز میں زندگی گزارنا ناپسند کرتا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کہاں چلوں؟"

"کک۔ کیا مطلب میں نہیں سمجھا؟"

"ہمیں رات کو سفر نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے رات کو فرید پور ہی میں قیام کرنا ہوگا مجھے کسی عمدہ سے ہوٹل کے بارے میں بتاؤ۔"

"اوہ ہوٹل۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ ظاہر ہے اس وقت رات کی تاریکی میں جب سڑکیں بھی بھیگی ہوئی ہیں، دارالحکومت کا سفر خطرناک ہوگا۔ چلیے چلتی رہیے۔ میں آپ کو ہوٹل لیے چلتا ہوں۔" اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد کار ایک چھوٹے سے خوبصورت ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے میں شکیلہ کو کوئی دقت نہ ہوئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے میں منتقل ہو گئی صاف ستھرا کمرہ تھا جس میں دو بستر موجود تھے۔

اس شخص کے بارے میں شکیلہ کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔ ایک اجنبی کے ساتھ کسی ہوٹل کے کمرے میں تنہا رہنا معیوب سی بات تھی لیکن وہ بہت خود اعتماد تھی۔ ہر طرح کے حالات سے نمٹنا اس کی ہابی تھی۔ اس لیے اس نے اس مسئلے پر زیادہ توجہ نہیں دی۔"

"کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے محمود سالنگا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"چچ۔۔۔ چائے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ میں بھی چائے ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی منگواؤ۔"

"بب۔۔۔ بل ادا کرو گی؟ ارے بل۔۔۔ لاحول۔ بھول ہی گیا۔ کمال ہے دراصل جیب اتنے عرصے سے خالی ہے۔ کہ اب کسی معمولی سے بل کی ادائیگی کا تصور بھی محال

ہوگیا ہے۔ پھر اس نے ویٹر کو بلا کر چائے کے لیے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔ شکیلہ نے ایک کپ اسے دیا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی۔

وہ خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ اس دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی' شکیلہ بھی اب تھکن محسوس کر رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

یہ شخص متضاد کیفیت کا مالک تھا۔ کبھی تو اس کے کھلنڈرے پن پر پیار آنے لگتا تھا اور کبھی اس کی باتوں سے سخت نفرت ہوتی تھی۔ وہ دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ ایک بار اس نے نگاہ اٹھا کر سانگا کی طرف دیکھا۔ وہ چائے پینے کے بعد کروٹ بدل کر سو گیا تھا۔ پھر شکیلہ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ اتنی گہری نیند سوئی کہ دوسری صبح ہی اس کی نیند کھلی۔

روشنی کی کرنیں شیشوں سے جھانک رہی تھیں۔ شاید سورج نکل آیا تھا۔ اس نے آنکھیں مل کر شیشوں سے جھانکتی ہوئی روشنی کو دیکھا اور وقت کا اندازہ کرنے لگی۔ پھر اسے سانگا کا خیال آیا۔ لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا۔

"ارے کہاں مر گئے تم؟" وہ چیخی لیکن کوئی جواب نہ ملا تب وہ باتھ روم میں داخل ہوگئی۔ غسل کرتے وقت بھی وہ سانگا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ محمود سانگا ایک لاابالی' لیکن اچھے کردار کا انسان ہے۔"

باہر نکلی تو اس کی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اور محمود سانگا نہ کمرے میں تھا' نہ اپنی مسہری پر اور نہ ہی غسلخانے میں۔ تو پھر اب وہ کہاں ہوسکتا ہے۔ شکیلہ نے کچھ سوچا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اب اس شخص کے لیے ایک ہی جگہ باقی رہ جاتی تھی جہاں اس کی موجودگی متوقع تھی۔ اور وہ تھی مسہری کے نیچے کی جگہ۔ چنانچہ اس نے سانگا کی مسہری کے نیچے جھانکا تو وہ

اطمینان سے لیٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔

شکیلہ نے اس کی ٹانگ پکڑی اور اسے پوری قوت سے باہر گھسیٹ لیا۔

سانگا کے حلق سے دہشت زدہ آوازیں نکل گئی تھیں۔ پھر اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"خ خدا کی قسم۔ تمہیں خدا کی قسم' اس کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"فضول باتیں مت کرو۔ باہر نکل آؤ۔ صبح ہوگئی ہے۔"

"دیکھو' دیکھو' میں کہتا ہوں اچھا نہیں ہوگا۔"

"پاگل ہوگئے ہو تم' چلو باہر نکلو۔ غسلخانے میں جا کر منہ ہاتھ دھوؤ۔ ناشتا کرنا ہے۔" شکیلہ نے کہا اور سانگا دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر روشنی محسوس کر کے اس نے گہری گہری سانسیں لیں اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"افسوس۔ افسوس۔ کیا تم نے ساری رات مسہری کے نیچے گزاری؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"کاش' کاش میں یہ رات قبر کی تاریکی میں گزار سکتا۔" سانگا جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیوں آخر کیوں؟"

"بس بس مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اچھا جاؤ۔ غسلخانے میں جاؤ۔ حالت درست کرو اور پھر باہر آؤ۔" وہ خاموشی سے غسلخانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ پھر جب وہ غسلخانے سے باہر نکلا تو ناشتا لگا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ ناشتے کی میز پر اس نے شکیلہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ مہینوں کے بعد ناشتا کر رہا ہو۔ شکیلہ خود بھی اس کے ساتھ

معروف تھی' حالانکہ یہ شخص اس کے لیے اجنبی تھا' چند گھنٹوں کی رفاقت اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ لیکن اس کی گفتگو نے شکیلہ کو اس سے اتنا بے تکلف کر دیا تھا کہ اب ذرا بھی اجنبیت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کے دوران اس نے کہا۔

''سانگا بلاشبہ میں تم سے متاثر ہوئی ہوں۔ تم واقعی بہت اچھی شخصیت کے مالک ہو۔ اچھے انسان ہو۔ بعض اوقات انسانی فطرت عجیب عجیب گل کھلاتی ہے۔ اگر تم اپنے باپ کی دولت حاصل کر لو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمھارے اس سے جو اختلاف تھے اس کی موت کے بعد وہ دور ہو گئے ہیں۔''

''مجھے اس کی دولت سے بھی اختلاف ہے۔'' سانگا نے ناشتا کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ سہارے تو درکار ہوتے ہیں۔''

''ہاں' جب کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔''

''تمھاری مرضی۔ لیکن بہر طور مرزا ریاض بیگ کو تمھاری ضرورت ہے۔ اب ہمیں سفر کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔''

''تو میں نے کب انکار کیا ہے۔ اتنا معاوضہ لے کر تو میں جہنم تک سفر کر سکتا ہوں' اس نے جواب دیا اور شکیلہ خاموش ہو گئی۔ بہر طور تھوڑی دیر کے بعد وہ دارالحکومت کا سفر کر رہے تھے۔ محمود سانگا اس کے نزدیک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن شکیلہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بہت سی باتیں کرے۔ نجانے کیوں اس کی شخصیت شکیلہ کی نگاہوں میں بہت زیادہ دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔

بہر طور سانگا پر خاموشی کے دورے پڑے ہوئے تھے۔ سڑکیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس وقت دن کے بارہ بجے تھے جب شکیلہ دارالحکومت میں

داخل ہوئی اس نے سیدھے دفتر کا رخ کیا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ لوگ اس وقت دفتر میں ہوں گے۔

دفتر میں ظفری اور مطلق صاحب نے ان کا استقبال کیا تھا۔ ظفری کی نگاہیں بغور محمود سانگا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شکیلہ نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''مسٹر محمود سانگا۔ اور یہ ظفری اور ہمارے بزرگ مطلق صاحب ہیں۔''

''اور وہ۔۔۔ وہ ایڈووکیٹ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ ایڈووکیٹ کہاں ہیں؟''

''یہ ہمارا سب آفس ہے۔ یہاں سے آپ کو تیار کرنے کے بعد مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرائی جائے گی۔''

''ہوں' لیکن میرے خیال میں لنچ کا وقت قریب ہے' کیوں نہ ہم لنچ کے بعد ان سے ملاقات کریں میں دارالحکومت۔''

''میرا نام دارالحکومت نہیں' شکیلہ ہے۔ اور اب آپ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

''دیکھا' دیکھا گھر میں لاتے ہی آنکھیں بدل لیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس دنیا سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔'' ظفری اور مطلق دل چسپ نگاہوں سے محمود سانگا کو دیکھ رہے تھے۔ تب شکیلہ اس کے بارے میں ان لوگوں کو تفصیلات بتانے لگی اور ظفری بھی مسکرا اٹھا۔

بہر حال سانگا صاحب آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی۔ اور اب تو آپ ایک بہت بڑی دولت کے مالک بننے جا رہے ہیں۔ دولت مندوں سے دوستی ذرا فائدہ مند ہی رہتی ہے۔''

''جس قسم کی دولت آپ مجھ تک منتقل کرنا چاہتے ہیں میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

"یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ظاہر ہے ہم اس سلسلے میں آپ سے اور کچھ نہ کہیں گے لیکن آپ کو سن کر شاید افسوس ہو کہ مرزا ریاض بیگ اچانک دو روز کے دورے پر چلے گئے ہیں۔اس دوران آپ کو ہمارا ہی مہمان بننا ہوگا۔"

"صبح کا ناشتہ' دوپہر کا کھانا' اور شام کا کھانا باقاعدگی سے ملے گا نا؟" سانگا نے پوچھا۔

"یقیناً۔یقیناً۔" ظفری ہنستے ہوئے بولا۔

"تب اگر تم لوگ چاہو تو دو چار مہینے بھی مجھے یہاں رکھ سکتے ہو۔" سانگا نے جواب دیا اور ظفری اس کی دل چسپ شخصیت پر مسکرانے لگا۔کافی دیر تک وہاں بیٹھے گفتگو ہوتی رہی۔ شام کو وہ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ظفری نے سانگا کو اپنے ہاں مہمان بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔تنہائی ملی تو ظفری سے شکیلہ نے پوچھا۔

"یہ دو روز کا پروگرام کیوں بنا لیا گیا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی باتیں ہوئی ہیں شکیلہ۔اس دوران ہمارا وہ جمبو کا للوا تو بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے ہمارے لیے۔اس کی طرف سے کچھ ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ ہمیں ایک دو روز کا وقفہ کرنا ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ابراہیم کانگا کی شخصیت مشکوک ہوگئی ہے۔ٹیٹو کی رپورٹ کے مطابق شراب کے نشے میں ایسی باتیں کر رہا تھا جو ہمارے لیے تشویشناک ہیں۔"

"مثلاً ان کی نوعیت کیا تھی؟"

"اس کا صحیح اندازہ تو ذرا بعد میں ہی ہو سکے گا شکیلہ۔ٹیٹو مصروف ہے ہم نے اسے کچھ خاص ہدایات کی ہیں اگر اس کی طرف سے یہ نئی رپورٹ جلد مل جاتی ہے تو پھر ہم محمود سانگا

کو ریاض بیگ سے جلد ملوا دیں گے۔"

"اوہ۔کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے ابھی کوئی واضح بات نہیں ہے۔ بہت جلد واضح ہو جائے گی۔" ظفری نے جواب دیا اور شکیلہ خاموش ہوگئی تھی۔محمود سانگا واقعی دل چسپ شخصیت کا مالک تھا۔بیگم صاحبہ سے مل کر وہ بہت متاثر ہوا تھا۔اتنی بے تکلفی سے ہر شخص سے ملتا تھا۔کہ اجنبیت کا تصور ہی ختم ہو جاتا تھا۔بہرحال رات کو کافی دیر تک قہقہے اڑتے رہے۔پھر اسے سونے کے لیے اس کا کمرہ دکھایا گیا۔وہ ایک ایک چیز دیکھ کر اچنبے کا اظہار کر رہا تھا۔یوں لگتا تھا۔جیسے ایک طویل عرصے سے اس نے سکون کی زندگی نہ گزاری ہو رات کو کافی دیر تک شکیلہ ظفری سے گفتگو کرتی رہی تھی' پھر دوسرے دن جب وہ دفتر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔انھیں ٹیٹو کا فون موصول ہوا۔ظفری نے ہی یہ فون ریسیو کیا تھا۔تھوڑی دیر تک وہ ٹیٹو کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔

"ٹھیک ہے ٹیٹو تم دفتر پہنچ جاؤ' ہم لوگ تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔" فون بند کر کے ظفری' شکیلہ اور مطلق صاحب سانگا کے ساتھ باہر نکل آئے۔ظفری نے سانگا کو ان لوگوں کے حوالے کر دیا اور ٹیٹو کا انتظار کرنے لگا۔

"پتا نہیں' ٹیٹو نے ظفری کو کیا رپورٹ دی۔شکیلہ کو اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔ لیکن شام کو ظفری نے اسے تفصیلات بتائیں تو وہ دنگ رہ گئی۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے ظفری؟"

"شام کو ساتھ بجے ہم ابراہیم کانگا سے مل رہے ہیں۔آفتاب احمد صاحب کی رپورٹ دے دی گئی ہے۔" ظفری نے پراسرار لہجے میں کہا۔

خوشنما بنگلے کے گیٹ پر ٹیٹو ہی ملا تھا۔ظفری نے راستے میں ایک ٹیلی فون بوتھ سے

ابراہیم سانگا کو فون کیا تھا اور اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ ٹیٹو نے انھیں ایک خوشنما ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ میں اطلاع دیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ظفری کی ہدایت کے مطابق اس نے محمود سانگا کے سامنے کانگا کا نام نہیں لیا تھا۔

وہ لوگ انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیٹو ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا۔ اس پر موسمی کے جوس کا بڑا سا جگ رکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی چند گلاس بھی۔

''آپ لوگ جوس سے شغل کریں۔ باس ابھی آتے ہیں۔'' وہ بولا۔ اور پھر ٹرالی ظفری کے آگے روکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''مسٹر کانگا نے اسے زیادہ لذیذ بنانے کے لیے کسی ایسنس کے کچھ قطرے اس میں ٹپکائے ہیں اس لیے یہ قابل استعمال نہیں ہے۔ لیکن ان کی آمد سے پہلے آدھا جگ خالی ہونا چاہیے۔'' ظفری کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔

ٹیٹو واپس چلا گیا۔ ظفری نے چار گلاسوں کے پیندوں میں تھوڑا تھوڑا جوس ٹپکایا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جگ کا مشروب آدھے کے قریب ایک گملے میں انڈیل دیا۔

''یہ۔ یہ کیا بد ذوقی ہے۔ موسمی کا جوس میں نے پچھلے چار ماہ سے نہیں پیا۔'' محمود سانگا نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

''براہ کرم یہ گلاس اپنے سامنے صرف رکھے رہنے دیں۔ میں آپ کو تفصیل بہت جلد بتا دوں گا۔'' ظفری نے کہا۔

''لیکن جوس۔''

''یہاں سے نکل کر میں جوس کے ایک درجن گلاس آپ کو پیش کروں گا۔'' ظفری بولا۔ شکیلہ اور مطلق صاحب کے چہروں پر سنسنی پھیل گئی تھی ٹیٹو کی سرگوشی انھوں نے بھی محسوس

کی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے تب دروازے کا پردہ سرکا اور ابراہیم کانگا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے مکروہ چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

محمود سانگا کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ اچھل پڑا۔ ''اوہ انکل بولو آپ یہاں؟''

''ہاں میرے بچے۔ تمھاری یادداشت کا تو میں ہمیشہ قائل رہا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے دیکھتے ہی پہچان لو گے۔''

''انکل بولو۔ تو کیا آپ ابراہیم سانگا نہیں ہیں؟'' ظفری نے تعجب سے کہا۔

''سوری دوستو۔ یہ حقیقت ہے کہ میں کانگا نہیں ہوں۔ میں ابراہیم کانگا کا ہیرے کی کانوں کا پارٹنر ہوں۔ اپنے بھتیجے کو یہ اطلاع دیتے ہوئے میں غمزدہ ہوں کہ اس کا باپ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کیوں۔ بھتیجے یہ بات تمھیں معلوم ہے نا کہ تمھارے باپ نے مجھ سے پارٹنر شپ کی تھی۔ ہمارے درمیان جو معاملات چل رہے تھے وہ دیانت دارانہ تھے' لیکن اس نے یہ معاملات دیانت داری سے نہ چلنے دیے اور فراڈ کر کے مجھے جیل بھجوا دیا۔ میں نے پورے سات سال جیل میں کاٹے۔ اگر کانگا مر نہ جاتا تو مار دیا جاتا۔ کیونکہ میں اس کے بعد اس کی دولت میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایسے کاغذات تیار کر لیے جن کے ذریعے ابراہیم کانگا نے اپنا حصہ بھی میرے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لیکن تمھارا کانٹا باقی تھا۔ میں راستے صاف کر کے چلنے کا عادی ہوں۔ دوسری طرف افریقی حکومت تمھاری تلاش میں ہے تاکہ تمھارا ورثہ تمھیں منتقل کر دے۔ یہاں بھی میں نے ان کی کوشش سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس سے قبل کہ حکومت کے نمائندے یہاں پہنچتے میں آ گیا۔ ان شریف لوگوں کی مدد سے بالآخر میں تمھیں پانے میں کامیاب ہو گیا۔ بس ڈیئر میری درخواست ہے کہ اب تم میرا راستہ صاف کر دو۔''

"تمھارا راستہ صاف ہے انکل لوبو۔ مجھے نہ اپنے باپ سے کوئی دل چسپی تھی اور نہ اس کی دولت سے۔" محمود سانگا نے نفرت سے کہا۔

"اوہ۔ لیکن دوسرے لوگ تم میں دل چسپی لے رہے تھے۔ سانگا' وہ تمھیں ضرور مجبور کر دیتے۔"

"میں تمھاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" سانگا بولا۔

"اپنی خدمت تو میں خود کر چکا ہوں میرے بچے۔ لیکن افسوس تمھارے ساتھ یہ شریف آدمی بھی جان سے جا رہے ہیں۔ مجبوری تھی میرے بچو۔ میں بوڑھا اس کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔"

"ہم سمجھے نہیں مسٹر بولو۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" ظفری نے کہا۔

"افسوس بچو' اس جوس میں تم زہر پی چکے ہو۔ تمھاری زندگیاں بھی میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ میں کوئی شہادت اپنے خلاف نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔" لوبو نے کہا۔

ظفری نے قہقہہ لگایا۔ "تمھیں یہ احساس نہیں ڈیئر لوبو کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ تمھاری سوچ بوڑھی ہے اور تم جرم کرنے کی ذرا بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ دیکھو۔ اس ٹیپ ریکارڈر میں تمھارا اقبالِ جرم ریکارڈ ہو چکا ہے۔ کیا میں تمھیں سناؤں؟" ظفری نے اپنے لباس سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ نکال کر لوبو کو دکھایا۔ پھر اسے ریورس کر کے لوبو کی آواز اسے سنانے لگا۔

لوبو کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ "اس کے علاوہ تمھارا فراہم کردہ جوس اس گملے میں موجود ہے اور گلاسیوں کے پیندے میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ اتنا ہی تھا۔"

"کک۔ کیا بکواس ہے؟"

"بوڑھے آدمی' واقعی اگر تم ذہین ہوتے تو کم از کم اپنے اس بنگلے میں ہمارے کسی آدمی کی موجودگی کبھی نہ پسند کرتے۔ لیکن تم نے یہ حماقت کی۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بے وقوفوں کا ادارہ نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود تم زندہ نہ رہو گے۔" لوبو غرایا۔ اس نے پھرتی سے پستول نکال لیا تھا۔

ظفری نے پھر قہقہہ لگایا۔ "بوڑھے بیوقوف پستول خالی ہے۔ تمھاری کھوپڑی کی طرح۔" اس نے کہا اور لوبو نے بے اختیار ٹریگر دبا دیا۔ لیکن پستول سے ٹرچ ٹرچ کی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں۔ دوسرے لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن جس قوت سے وہ باہر کی طرف لپکا تھا اسی رفتار سے اندر آن پڑا۔ دروازے میں ٹیٹو جنگ کا پوز بنائے کھڑا ہوا تھا۔

"میں تمھیں تمھارے عہدے کے بڑھنے کی مبارک باد دیتا ہوں ٹیٹو۔ باندھو اس گدھے کو۔" ظفری نے کہا۔

ٹیٹو کے گھونسے نے لوبو کے حواس چھین لیے تھے۔ اب اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی تھی۔ چنانچہ ٹیٹو نے اسے باندھ دیا۔ پھر ان لوگوں کو پندرہ بیس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔ دروازے کی بیل سنائی دی' اور ایک پولیس آفیسر چند کانسٹبلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

وہاں سے واپسی پر محمود سانگا نے جھک کر غصیلے انداز میں کہا۔

"لڑکی تم شکل سے ہی مجھے فراڈ لگتی تھیں۔ کہاں ہے تمھارا ایڈووکیٹ جس سے ملانے تم مجھے یہاں لائی تھیں۔"

’’اوہ مسٹر سانگا‘ چیف مصروف ہیں۔آپ آرام سے یہاں قیام کریں۔صبح کا ناشتہ‘ دوپہر کا کھانا اور شام۔‘‘

’’لیکن میں فرید پور جانا چاہتا ہوں۔‘‘

’’کیوں‘ یہاں کیا پریشانی ہے؟‘‘

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم پہلے ہی کہہ دیتیں تو کیا حرج تھا۔اس منحوس دکاندار کے پاس میں پورے انچاس روپے چھوڑ آیا ہوں۔‘‘ محمود سانگا نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔ یہ گدھا اسے واقعی پسند آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

وقت بدل چکا تھا ایک زمانہ تھا جب مطلق صاحب مشاعرہ گاہوں کے دروازوں پر کھڑے نظر آتے تھے کہ کوئی شناسا مل جائے تو اندر لے جائے پڑھنے نہ دے تو کم از کم سننے کا موقع ہی مل جائے مشاعروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوششیں انہوں نے نہ جانے کتنے عرصے کی تھیں۔ ان کی گاڑیوں میں دھکے لگائے تھے ان کے گھر کے کام کاج تک کیے تھے لیکن مشاعروں میں وہ مطلق صاحب نے شناسائی کے بھی روادار ہوتے تھے۔ دو چار مشاعروں میں کہیں نہ کہیں سے سفارش کرا کے پڑھنے کی اجازت ملی تھی تو ان شاعروں نے ان کی مٹی پلید کر دی تھی۔ ہوٹنگ کرائی تھی انڈے پھنکوائے تھے اور نہ جانے کیا کیا تھا۔

لیکن وقت بدل چکا تھا سعدی اور ظفری نے اپنے برے حالات میں ان سے شناسائی پیدا کر کے سر چھپانے کا ٹھکانہ بنایا تھا لیکن شاید ان لوگوں میں شریف خون تھا انہوں نے احسانات کا صلہ بھرپور ادا تھا اور اب جب ان کے حالات شاندار ہو گئے تھے تو انہوں نے مطلق صاحب کو نظر انداز نہیں کیا تھا وہ ان کے بزرگ کی مانند زندگی گزار رہے تھے اور نئے شاندار بنگلے میں ان کے ساتھ ہی تھے گھر کے تمام معاملات ان کی نگرانی میں طے پاتے تھے اور کوئی ان سے انحراف کرنے کی مجال نہیں رکھتا تھا غرض مطلق صاحب عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔ شعر و شاعری کے علاوہ اور کوئی شغل نہیں تھا لیکن وہ پیاس ابھی تک باقی تھی جو کبھی نہ بجھی تھی۔ ماضی یاد کرتے تو

شعروسخن کے ٹھیکیداروں کی زیادتیوں سے دل میں گھونسے لگتے تھے۔کتنا برا سلوک کیا تھا ان لوگوں نے ان کے ساتھ بارہا دل میں سوچا کہ ان سے بدلہ لیا جائے۔کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی مضطرب صاحب سے اکثر اشعاری چونچیں رہتی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کو سنتے تھے برداشت کرتے تھے۔

تجویز مضطرب صاحب نے پیش کی تھی اور مطلق صاحب پھڑک اٹھے تھے لیکن اس تجویز کو مضطرب صاحب کی ملکیت کیسے رہنے دے سکتے تھے۔چمک کر بولے۔

اماں مضطرب یہ دلوں میں اتر جانے کا فن تم نے کہاں سے سیکھا؟

خدا کی دین ہے مگر میں سمجھتا ہوں۔مضطرب صاحب نے آداب کرتے ہوئے پوچھا۔

یعنی وہ خیال جو بوقت پیدائش ہمارے ذہن میں ہمارے ساتھ پیدا ہوا تھا تمہارے دل میں کہاں سے اتر گیا؟

کونسا خیال؟

اماں اسی مشاعرے کی بات کر رہا ہوں۔مطلق صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب چونک کر انہیں گھورنے لگے انہیں اپنے تصور پر یہ ڈاکہ زنی برداشت نہ ہو پا رہی تھی لیکن صاحب طرف تھے برداشت کر کے بولے۔

گویا آپ نے بوقت پیدائش یہ سوچا تھا؟

شاید اس سے بھی پہلے۔مطلق صاحب مسکرا کر بولے اور پھر جلدی سے کہنے لگے۔یہ ذہنی ہم آہنگی ہے۔دو دل مل جائیں دو ذہن مل جائیں تو ایسے ہی عجوبے تخلیق ہوتے ہیں۔

مگر بدقسمتی سے یہ میرا خیال نہیں ہے۔

ایں۔کیا مطلب؟مطلق صاحب چونک پڑے۔

میرے پردادا مرحوم نے یہ تجویز میرے دادا کو پیش کی تھی۔دادا صاحب اس کی تکمیل نہ کر سکے تو انہوں نے وصیت میں والد صاحب کو لکھ دیا کہ کبھی حالات سازگار ہوں تو ایسا ایک مشاعرہ ضرور کرائیں مضطرب صاحب جل کر بولے۔

مطلق صاحب پہلے تو کچھ نہ سمجھے لیکن جب بات سمجھ میں آئی تو چونک کر بولے۔

گویا کہ۔۔۔گویا کہ۔

جی ہاں میرے پردادا کی زندگی میں آپ عالم تصور میں بھی نہ تھے جبکہ میرے ذہن میں بشکل وصیت موجود تھی۔

آپ نے اسے اپنی نسلوں کے لئے مخصوص کر لیا ہوگا کیونکہ یہ آپ کے بس کی بات کہاں۔مطلق صاحب بولے۔پھر سنبھل کر کہنے لگے۔لڑنے کی عادت نہیں جاتی تمہاری۔ میاں تجویز پر جھگڑا کیسا۔ایسا کوئی کام اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک اس میں باہمی تعاون نہ ہو بھلا ایک اتنی سی بات پر ہمارے درمیان کیا اختلاف ہو سکتا ہے کہ تجویز کسی کی تھی۔

اس کی ابتدار آپ ہی نے کی تھی مطلق صاحب۔

چلو میاں جانے دو۔بڑے لوگوں کو بڑی باتیں کرنی چاہئیں چھوٹے مسئلوں پر اختلاف کیا معنی رکھتا ہے اب ذرا اس سلسلے کی کاغذی کارروائیاں کر ڈالو بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ آج سے ہم ان کارروائیوں کا آغاز کر ڈالیں۔پہلے یہ سب کچھ کاغذی پیمانے پر ہوگا۔ہم اپنے فنڈز کا جائزہ لیں گے پھر یہ پروگرام سعدی اور ظفری وغیرہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ اس کی اسپانسر شپ اپنے ذمہ لے لیں۔اور اگر ان سے بات نہ بن سکی تو پروگرام ذرا چھوٹے پیمانے پر کر لیا جائے گا۔ہمارے پاس بھی اچھے خاصے پیسے پڑے ہوئے ہیں۔مگر یہ سب کچھ پوری طرح اسٹیمیٹ کرنا ہوگا۔

میں دفتر سے اسٹیشنری اٹھا لاؤں گا اور ہم رات کو سر جوڑ کر بیٹھ جایا کریں گے۔

مضطرب صاحب نے اختلاف ختم کرتے ہوئے کہا۔

دفتر کی اسٹیشنری کی ضرورت نہ پیش آئی بھلا اتنے بڑے کام کی ابتداء ہی غلط انداز میں کیسے کی جاسکتی ہے۔ ایک رجسٹر مطلق صاحب نے منگوالیا اور پھر آدمی رات تک دونوں بیٹھے اس مشاعرے کا پروگرام مرتب کرتے رہے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ شہر کے کسی اچھے ہوٹل، کلب یا آرٹس کونسل وغیرہ میں اس مشاعرے کا بندوبست کیا جائے۔ مشاعرے کو کل پاکستان مشاعرے کا نام دیا جائے۔ اخبارات میں اشتہارات دیئے جائیں کہ وہ شعراء کرام جو پاکستان کے کسی بھی گوشے میں گمنامی کی زندگی گزار رہے ہوں اور ان بڑے شعراء کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں جو کسی چھوٹے شاعر کی دال نہیں گلنے دیتے براہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر بارگاہ سخن کے چیئر مین جناب مطلق صاحب سے یا سیکرٹری جنرل مضطرب صاحب سے رجوع کریں۔ کیونکہ ایک کل پاکستان مشاعرہ منعقد کیا جارہا ہے جس میں انہی شعراء کرام کو دعوت دی جائے گی اور ان کے لئے کرایہ آمدورفت اور طعام وقیام کا معقول انتظام ہوگا۔ فوراً تیاریاں شروع کردیں اور اپنے مکمل کوائف بھیج دیں۔

اشتہار کے مسئلے پر طے کیا گیا تھا کہ پاکستان کے مشہور اخبارات میں مسلسل تین روز تک دیئے جائیں پتہ اسی کوٹھی کا تھا جس کے ایک دور دراز حصے میں بارگاہ سخن کی تختی لگادی گئی تھی۔ یہ ادارہ بہت پہلے مطلق صاحب نے قائم کرلیا تھا۔ اشتہار کا مضمون طے ہوگیا اور یہ بات مضطرب صاحب کے سپرد کردی گئی کہ اخبارات سے ان کے ریٹ لے لیں اس کے بعد اس ہال یا کلب کے سلسلے میں تگ ودو کا مسئلہ پیش آیا تو یہ ذمہ داری مطلق صاحب نے اپنے ذمہ لے لی۔

اخراجات کی بات آئی تو یہ فیصلے کرنے پڑے کہ کونسا شاعر کونسے شہر سے آتا ہے تو اسے آنے جانے کا کرایہ کتنا ادا کرنا ہوگا اور اس کے علاوہ اس کے طعام وقیام پر کیا خرچ آجائے گا۔ اخراجات بہت وسیع تھے لیکن اب حالات ایسے نہیں تھے کہ اس سلسلے میں زیادہ پریشانی اٹھانا پڑتی۔ مضطرب

صاحب نے ایک مجلّے کی پیشکش کردی جو اس سلسلے میں شائع کیا جائے گا اور اس میں تمام شعرا کرام کی غزلیں زیر سرپرستی چیئر مین مطلق صاحب اور جنرل سیکرٹری مضطرب صاحب کے شائع ہوں گی۔ بہر طور یہ کاغذی کارروائیاں پانچ چھ روز میں مکمل ہوگئیں مضطرب صاحب نے اخبارات سے اشتہارات کے ریٹ وغیرہ لے لئے۔ اخراجات کی فہرست بنالی گئی اور اپنے اپنے بجٹ کا اظہار کردیا گیا۔ کافی رقم موجود تھی ان لوگوں کے پاس لیکن جب تجویز سعدی اور ظفری اور شکیلہ کے سامنے پیش کی گئی تو وہ مسکرا اٹھے۔

اتنا بڑا کام کررہے ہیں آپ مضطرب صاحب۔ چنانچہ اس کے تمام اخراجات کی پیش کش ہم کرتے ہیں۔ آپ انتظامات کیجئے۔ بھاگ دوڑ کیجئے۔ اخراجات کی بالکل فکر نہ کیجئے۔

مطلق صاحب اور مضطرب صاحب فرط مسرت سے جھوم اٹھے تھے۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ سعدی اور ظفری بھی ان دنوں فرصت سے ہی تھے کوئی خاص کیس ہاتھ میں نہیں تھا۔ اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں عیش وآرام کی زندگی بسر ہورہی تھی چنانچہ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اس تفریح میں حصہ لے لیں۔ سب کی تجاویز شامل ہوگئیں۔ شکیلہ نے پریس کے لئے پیش کش کردی اور پریس کو باقاعدہ دعوت نامے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں صحافیوں کے لئے کچھ خصوصی اخراجات کا تعین بھی کرلیا گیا۔ اور اس کے بعد جب یہ تمام کارروائی مکمل ہوگئی تو اس عجیب وغریب مشاعرے کے لئے اشتہارات دے دیئے گئے۔ درحقیقت ان اشتہارات نے کھلبلی مچادی تھی۔ کوئی تو ایسا صاحب دل پیدا ہوا کہ جو دنوں میں گھٹی ہوئی غزلوں کو منظر عام پر لائے۔ سینوں کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے شاعروں کے خطوط آنا شروع ہوگئے۔ تعریف وتوصیف کے انبار اور اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے تذکرے تقریباً تمام ہی شاعروں کو دعوت نامے جاری کردیئے گئے تھے۔ ان دعوت ناموں میں خاص طور سے یہ تحریر درج تھی کہ پرانے شعراء کرام کا داخلہ ممنوع ہے اور وہ تشریف لانے کی زحمت نہ کریں۔ ایک بڑے

سے ہال کا بندوبست کرلیا گیا تھا۔ بہترین انتظامات کئے جارہے تھے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ تینوں ہی اس میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ تفریح کا کوئی ذریعہ ہاتھ آئے تو ہاتھ سے چھوڑنا ممکن نہیں تھا اور پھر [illegible]رہ بھی اتنا دلچسپ۔ شعراء کرام کے قیام کے لئے چند ہوٹلوں میں بندوبست کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد وقت مقررہ پر شعرا کی آمد شروع ہوگئی۔

استاد بدول، مرزا کمبخت، استاد دیوانہ، دلدل شکار پوری جاہل پری، اور نجانے کون کون جس نے اشتہار دیکھا خط لکھ مارا اور ان کو باقاعدہ بذریعہ ریل کرایہ آمد و رفت روانہ کردیا گیا۔ کچھ تو وقت سے بہت پہلے ہی آگئے تھے تاکہ سیر و سیاحت کا مزا بھی لیں۔ اور مفت کا قیام و طعام بھی حاصل کریں۔ بہرطور ان بھانت بھانت کے شعراء کے بارے میں خاص شہرت ہوگئی تھی اور اخبارات نے اپنے طور پر بھی اس دلچسپ مشاعرے کے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا۔

جغادری شعراء کے بیانات بھی شائع ہوئے تھے بعض نے برہمی کا اظہار کیا تھا کہ اس طرح شعر و سخن کی حرمت لوٹی جارہی ہے۔ لیکن کام غیر قانونی نہیں تھا اس لئے سرکاری مداخلت نہیں کراسکتے تھے منتظمین بڑی پرجوشی سے اپنے کاموں میں مصروف تھے یہاں تک کہ وہ دن آ گیا جب محفل مشاعرہ منعقد ہونے والی تھی۔ بڑی پروقار محفل تھی۔ شعراء کرام تشریف لانا شروع ہوگئے کرسی صدارت پر جناب مطلق صاحب جلوہ گر ہوئے اور مہمان خصوصی مضطرب صاحب تھے۔ پھولوں کے ہاروں سے ان دونوں کو لاد دیا گیا تھا۔ اخباری فوٹو گرافر دھڑا دھڑ تصاویر بنانے لگے۔ یہ مطلق صاحب کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی جو آج پوری ہورہی تھی اس کے بعد صدر مشاعرہ کی جانب سے سب سے پہلے مرزا کمبخت کو پڑھنے کی دعوت دی گئی اور مرزا کمبخت نے جھوم جھوم کر ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں، ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں مطلع سے پہلے مقطع پڑھنا شروع کیا۔

حاضرین قہقہے لگانے لگے لیکن مطلق و مضطرب بڑے صبر و سکون سے مرزا کمبخت کو سن

رہے تھے پھر دوسرے شعراء کرام بھی گلفشانیاں کرنے لگے۔ ہر غزل کہیں نہ کہیں سے اڑائی گئی تھی ایک شاعر نے غزل پڑھی تو مجمع سے آواز آئی۔

"باہر نکلو جس کی غزل ہے وہ باہر کھڑا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

لیکن شاعر نے جان کی بازی لگادی تھی۔ زندگی میں پہلا موقع ملا تھا کسی مشاعرے میں پڑھنے کا چنانچہ اس موقع پر ہر طرح کی قربانی دی جاسکتی تھی۔ استاد بیگانہ بیچارے تو تلے تھے۔ انہوں نے مقطع پڑھا۔

تر دیا ہے دم حالات نے بیدانہ ہمیں

تو محفل زعفران زار ہوگئی۔ بار بار استاد سے مقطع پڑھایا گیا اور استاد نے بغیر کسی جھجک کے۔ تر دیا ہے دم حالات نے بیدانہ ہمیں۔ پڑھا۔

مشاعرہ کیا تھا قہقہوں کا طوفان تھا۔ غالباً داد قہقہوں کی شکل ہی میں مل رہی تھی۔ پریس فوٹو گرافر، رپورٹر ہنس ہنس کر بے حال ہوئے جارہے تھے۔ نہایت کامیاب مشاعرہ گیا اور تقریباً صبح کو ساڑھے چار بجے تک یہ محفل مشاعرہ جاری رہی سننے والے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے تھے اور یہی اس محفل کی کامیابی تھی۔ اس دور میں ثقیل اشعار بدہضمی پیدا کردیتے ہیں۔ ہنسنے ہنسانے کا کوئی موقع لوگ ہاتھ سے چھوڑنا پسند نہیں کرتے جو شریک ہوئے تھے وہ خوش تھے اور جنہوں نے اس مشاعرے کی روداد سنی وہ کف افسوس ملتے رہ گئے کہ کاش وہ بھی اس میں شریک ہوتے مطلق صاحب نے تین اور مضطرب صاحب نے دو غزلیں پڑھی تھیں کیونکہ وہ صدر اور مہمان خصوصی تھے اور پھر اخراجات بھی انہوں نے ہی برداشت کئے تھے بہرطور پریس نے بھی اس کل پاکستان مشاعرے کی بڑی عمدہ کوریج کی تھی اور اس طرح مطلق صاحب نے پرانے شعراء سے اپنا سارا بدلہ چکالیا تھا۔ پرانے شعراء بھی مشاعرے پر تنقید کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ ان کی توہین کی گئی تھی۔

سعدی، ظفری اور شکیلہ نے اس مشاعرے سے پورا پورا لطف اٹھایا تھا اور کافی دن کی ہنگامہ خیزیوں کے بعد بہرطور پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں آج کل کچھ زیادہ ہی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ویسے سعدی، ظفری اور شکیلہ اب اس مسئلے میں بہت زیادہ پریشان بھی نہیں رہتے تھے کیونکہ بہت سے ایسے معاملات تھے جن سے ان کی مستقل آمدنی کی سبیل پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کام بھی جاری رہنا چاہئے تھا۔ چنانچہ انتظار ضرور کیا جاتا تھا اور پھر انتظار کی کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اسکا طریقہ کار ذرا مختلف تھا لیکن بہرطور۔ ایک دعوت نامہ ان لوگوں کو بذریعہ ڈاک موصول ہوا تھا جس میں ایک تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی انہیں۔ تقریب ایک جوڑے کی شادی کی سالگرہ کی تھی اور صاحب تقریب شہر کی معزز ہستیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس دعوت نامے پر خصوصاً غور کیا گیا کیونکہ یہ بالکل اجنبی لوگوں کی جانب سے تھا۔ تبصرے ہوئے شکیلہ نے کہا۔

"چونکہ اب ہم لوگ عوامی حلقوں میں نامانوس نہیں رہے ہیں اور معززین میں تصور کئے جاتے ہیں اسلئے کوئی بھی پروقار تقریب ہمارے بغیر مکمل نہیں ہوتی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر غور کیا جائے۔"

سعدی کہنے لگا۔

"اس کے باوجود ہمیں اس تقریب میں شرکت ضرور کرنی چاہئے کیونکہ ہمیں خاص طور سے یاد کرنے والا بے مقصد ہی ہماری جانب رجوع نہیں ہوا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اگر ہم عوامی حلقوں میں مقبول بھی ہو گئے ہیں تو بہرطور اس ذاتی تقریب میں ہماری شرکت کیا معنی رکھتی ہے اور ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟" ظفری کا نقطہ نظر تھا۔

لیکن اس سلسلے میں ووٹنگ ہوئی اور چونکہ سعدی اور شکیلہ اس تقریب کے حق میں تھے

اس لئے ظفری بھی خاموش ہو گیا۔

تقریب شہر کے ایک فیشن ایبل علاقے میں ایک خوبصورت کوٹھی میں تھی۔ تیاریاں کرنے کے بعد تینوں ہی ساتھ پہنچے تھے استقبال کرنے والا ایک تقریباً پچاس سالہ شخص تھا جو چہرے اور لباس وغیرہ سے خاصا پروقار نظر آتا تھا۔ کوٹھی کے حسین لان پر تقریب منعقد کی گئی تھی۔ استقبال کرنے والے کو جب سعدی، ظفری اور شکیلہ نے اپنے نام بتائے اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا حوالہ دیا تو اس نے کچھ زیادہ ہی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"میرا نام محمود رانا ہے۔"

بڑی مسرت ہوئی آپ سے ملاقات کر کے رانا صاحب لیکن میرا خیال ہے یہ ہماری پہلی ہی ملاقات ہے یا اس سے پہلے کہیں تعارف ہو چکا ہے۔

میں آپ کو جانتا ہوں۔ یقیناً آپ لوگ مجھے نہیں جانتے براہ کرم تشریف رکھئے۔

مسز رانا کہاں ہیں؟ شکیلہ نے سوال کیا۔

وہ سبز ساڑھی میں ملبوس۔ میں ابھی ان سے آپ کی ملاقات کراؤں گا۔ لیکن ایک درخواست وقت سے پہلے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ صرف میرے دوستوں کی حیثیت سے ان سے ملیں۔ براہ کرم اپنا مکمل تعارف نہ کرائیں یہ آپ کے پیشے سے متعلق بات ہے۔

بہت بہتر آپ مطمئن رہیں رانا صاحب۔ سعدی نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئے۔

شکیلہ آہستہ سے بولی۔

کیوں ظفری ہم دونوں کا خیال ہی درست تھا نا۔ ہماری یہ شرکت سو فیصدی کاروباری ہے۔

ظفری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تقریب میں شامل ہونے والے مہمان معزز تھے اور

بہت سی صورتیں جانی پہچانی بھی لیکن ان میں ایسے لوگ نہیں تھے جو سعدی یا ظفری وغیرہ سے براہ راست شناسا ہوتے کافی دیر تک مہمان آتے رہے اور اس کے بعد شادی کی رسم سالگرہ منائی گئی مسز رانا ایک خوبصورت عورت تھیں اور خوش مزاج بھی معلوم ہوتی تھیں۔ سعدی، ظفری، اور شکیلہ سے براہ راست اس کا تعارف نہیں ہو سکا اور محمود رانا نے جب یہ کہا تھا کہ یہ لوگ اپنی اصل حیثیت سے بیگم رانا سے متعارف نہ ہوں اس وقت سے شکیلہ نے بھی ان خاتون سے رسمی ملاقات کرنے کا فیصلہ بھی ترک کر دیا تھا۔ سالگرہ کا کیک کٹا۔ تالیاں بجیں اور اس کے ساتھ مہمان ایک دوسرے میں گم ہو گئے کسی نے خاص طور سے ان لوگوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد محمود رانا ہی ان کے قریب آ گیا اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔

معاف کیجئے گا آپ لوگ، یہاں آپ کے زیادہ شناسا نہیں ہیں میں دراصل آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے آپ کی زیارت بھی ضروری سمجھتا تھا۔ آج آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میری ایک الجھن ہے جس کے لئے میں آپ کا سہارا لینا چاہتا ہوں ۔اور میرا خیال ہے اس تعارف کے بعد مجھے آپ کے دفتر پہنچنے میں کوئی جھجک نہیں ہو گی۔

آپ تعارف کے بغیر بھی تشریف لا سکتے تھے بہر طور جیسا آپ نے مناسب سمجھا ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سعدی نے کہا۔

کل کوئی وقت مل سکے گا آپ کے پاس؟

آپ کی پسند کے مطابق۔

گیارہ بجے حاضر ہو جاؤں؟

ضرور تشریف لائیے۔

آپ لوگ یہاں اپنے آپ کو اجنبی تصور نہ کریں۔ ابھی تک دردانہ سے آپ کا تعارف نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے یہ اچھا ہی ہے اگر وہ خود آپ کی جانب متوجہ ہو جاتی تو میں مجبور

اس سے آپ کا تعارف کرا دیتا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔

قطعی نہیں رانا صاحب میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو اجازت دیجئے۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کھانا کھا کر جائیے۔ میری مجبوری کو معاف کیجئے گا۔ کل جب آپ میری الجھن جان لیں گے تو آج کے اس رویئے کو قابل اعتراض تصور نہ کریں گے۔

ٹھیک ہے آپ مطمئن رہیں۔

کھانے سے فراغت حاصل ہوئی۔ تقریب میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی کہ اس پر کوئی تبصرہ کیا جا سکتا۔ تینوں واپس چلے گئے۔ شکیلہ نے راستے میں ہی پیش گوئی کر دی تھی کہ رانا محمود صاحب کا جو بھی مسئلہ ہے اپنی بیوی سے متعلق ہے۔ بہر طور دوسرے دن گیارہ بجے مضطرب صاحب نے کسی محمود رانا کے آنے کی اطلاع دی یہ لوگ اسی کا انتظار ہی کر رہے تھے محمود رانا شناسائی کے انداز میں مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ظفری اور سعدی سے ہاتھ ملایا اور ان کی پیشکش پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرا خیال ہے میں اپنا مسئلہ بغیر کسی خاص تمہید کے آپکے سامنے پیش کر دوں تا کہ آپ کا وقت بھی ضائع نہ ہو اور میں تو ایک بڑی محتاط زندگی گزار رہا ہوں اسلئے غیر محتاط انداز میں کہیں زیادہ وقت بھی نہیں گزار سکتا۔

بہتر یہی ہے رانا صاحب۔

اس سے پہلے ایک دو سوالات ضرور کروں گا مثلاً یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ...."

جی یہ ادارہ خدمت ہے اور ہر پریشان حال انسان کی مدد کرتا ہے اور اس کے لئے معقول معاوضہ لیتا ہے۔

کیا میں اس بات کا اطمینان رکھوں کہ میری ہر بات صیغہ راز میں رہے گی۔

یہ ہمارے زریں اصولوں میں سے ایک ہے۔ ظفری نے جواب دیا۔

بے حد شکریہ بس اس سے زیادہ میں کچھ جاننا بھی نہیں چاہتا۔ دراصل مجھے اپنی زندگی کا خطرہ ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا اس کے لئے میں وقت کا تعین نہیں کر سکتا لیکن میری تقدیر میں یہی ہے محترم یہ بات کہنے کی نہیں ہے کہ ہر شخص جینا چاہتا ہے اپنے دشمنوں سے بچنے کا خواہشمند ہوتا ہے لیکن مجھ جیسے بدقسمت لوگ جنہیں وقت سے پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ لوگ ان کی زندگی کے گاہک ہیں کم ہوتے ہیں۔ میں انہی میں سے ایک ہوں۔

سعدی اور ظفری دلچسپی سے محمود رانا کو دیکھ رہے تھے پھر سعدی نے کہا۔

اور یقیناً آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کے وہ دشمن کون ہیں یا پھر آپ کو خود بھی ان کے بارے میں نہیں معلوم۔

نہیں میں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں۔

تو آپ نے ان سے بچنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔

میں جرم کی دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں نے ساری زندگی محنت اور دیانت سے کاروبار کرنے میں بسر کی ہے چنانچہ میں اپنے آپ کو اس سلسلے میں بالکل معذور پاتا ہوں اور پھر دشمن میری شہ رگ کے قریب ہے۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ میں اسے اپنا دشمن ثابت کر سکوں بس کچھ ایسے حالات ہیں جناب کہ میں شاید اپنے آپ کو بھی مطمئن نہیں کر سکتا۔

آپ فکر نہ کریں اور مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا وہ دشمن کون ہے۔

میری بیوی دردانہ محمود۔

اوہ اس لئے آپ نے ہمیں ان سے نہیں متعارف کرایا۔

ہاں یہی وجہ تھی۔

لیکن آپ کی بیوی آپ کو کیوں قتل کرنا چاہتی ہے۔

معاف کیجئے گا میں اپنے آپ کو آپ کے سامنے برہنہ کر رہا ہوں لیکن بعض اوقات

مجبوریاں اپنے آپ کو اتنا ہی پست کر دیتی ہیں۔ وہ مجھے سہیل عادل کی وجہ سے قتل کرنا چاہتی ہے شاید گہرے نیلے سوٹ میں ملبوس آپ نے اس قد آور شخص کو دیکھا ہوگا جو زیادہ تر تقریب میں میری بیوی کے ساتھ ہی رہا بلکہ جس وقت ہم اپنی شادی کی سالگرہ کا کیک کاٹ رہے تھے وہ میری بیوی سے اتنا قریب تھا جتنا میں خود بھی نہیں تھا۔

اوہ افسوس ہم نے غور نہیں کیا آپ اگر تھوڑا سا اشارہ کر دیتے تو ہم اسے نگاہ میں رکھتے۔

کوئی حرج نہیں ہے عادل انڈسٹریز کے سہیل عادل کے بارے میں آپ جب اور جہاں سے چاہیں معلومات حاصل کر سکتے ہیں وہ کاروبار کی دنیا میں نیا آ رہا ہے لیکن بڑے اعلیٰ پیمانے پر ترقی کرتا جا رہا ہے اور جانتے ہیں یہ ترقی کس طرح ہو رہی ہے۔ میری دولت سے میرے پیسے سے میں آپ کو مزید تفصیل بتا دوں۔ میں مالی طور پر بالکل کمزور تھا اور میرے پاس اپنے کاروبار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میری اور دردانہ کی شادی ایک اخباری اشتہار کے ذریعے ہوئی اور دردانہ کے والد نے انٹرویو لینے کے بعد بخوشی مجھے اپنا داماد بنانا پسند کیا۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا کاروبار دردانہ کے نام منتقل کر دیا تھا میری ذمہ داری تھی کہ میں اس کاروبار کو بڑھاؤں چڑھاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ دردانہ نے مجھے اپنے پارٹنر کی حیثیت سے کاروبار میں جگہ دیدی تھی اور میں نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر کے اس کاروبار کو چار چاند لگا دیئے یوں سمجھ لیجئے کہ وہ موجودہ کاروبار سے دو فیصد بھی نہیں تھا۔ میں نے دولت کے انبار لگا دیئے لیکن پھر ہماری زندگی میں سہیل عادل آ گیا۔ دردانہ کا کہیں دور کا رشتہ دار تھا۔ وہ دردانہ سے ملا دو ماہ تک ہمارے ہاں رہا پھر اپنا بنگلہ وغیرہ خرید لیا اور اس کے بعد اپنے کاروبار کا آغاز کر دیا لیکن آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں کہ میرے بینک بیلنس میں کمی ہوتی چلی گئی۔ لاکھوں روپے میرے بینک بیلنس سے نکالے جاتے رہے اور مجھے ان کی خبر بھی نہ ہوئی میں نے صورتحال سے واقف ہونے کے بعد بینکوں سے

رجوع کیا چیک میرے لکھے ہوئے نہیں ہوتے تھے لیکن ان پر دستخط میرے ہی ہوتے تھے اور بینک نے یہ بھی بتایا کہ اتنی بڑی بڑی رقومات کے چیک کیش کرتے ہوئے بینک نے ٹیلیفون پر مجھ سے رابطے قائم کئے تھے اور میں نے یہ چیک کنفرم کئے تھے اب بتایئے ان حالات میں میں یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہوں کہ یہ رقومات میں نے بینکوں سے نہیں نکالیں کیا آپ اس بات پر یقین کر سکتے ہیں یہ رقومات کروڑوں تک پہنچ جاتی ہیں؟ کروڑوں روپے کی یہ رقم پراسرار طریقے سے خورد برد کردی گئی اور سہیل عادل کا کاروبار بڑھتا چلا گیا۔ گو اب بھی میرا کاروبار ٹھیک ہے لیکن میں مالی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہوں اور میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ میں اپنے اس کاروبار کو جاری رکھ سکوں میں بہت پریشان ہوں اور اپنے طور پر میں نے ہر ممکن کوشش کرلی لیکن وہی بات ہے کہ کس طرح اس صورتحال سے نمٹنے کی کوشش کروں دردانہ سے اس سلسلے میں میرا اختلاف رہنے لگا لیکن وہ مجھے خاطر میں نہیں لاتی اور سہیل عادل کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرتی ہے پھر میں نے ان لوگوں کی ایک اسکیم سنی۔ یہ مجھے قتل کردینا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں منصوبہ بندیاں کررہے ہیں میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے قتل کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کریں گے؟ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اب میری زندگی طویل نہیں ہے۔“

”تو آپ پولیس سے اس سلسلے میں مدد کیوں نہیں لیتے۔“ سعدی بولا۔

”کس بنیاد پر؟ کیا کہوں پولیس سے؟ اپنی بیوی پر الزام لگاؤں؟ سہیل عادل پر الزام لگاؤں؟ کیا کروں؟ کیا ثبوت پیش کروں پولیس کو؟ اور کیا کرسکے گی پولیس اس سلسلے میں؟ آپ لوگ خود اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”تو پھر آپ ہم سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟“

”میں جانتا ہوں کہ اگر آپ لوگ میری حفاظت کے لئے کمربستہ ہوجائیں تو زیادہ سے زیادہ کیا کرسکتے ہیں۔ باڈی گارڈ لگادیں گے میرے ساتھ اور کوئی ایسا بندوبست کریں گے

لیکن میری ذہنی حالت جو کچھ ہے اس کے تحت اس دنیا میں کوئی میری مدد نہیں کرسکتا انسان سے اس کی زندگی کا سہارا چھن جائے۔ زندگی کا ساتھی ہی برگشتہ ہوجائے تو اس کی اپنی کیا کیفیت ہوگی۔ آپ کو خود اندازہ ہے۔“

”یقیناً آپ درست کہتے ہیں لیکن اب وہ ذریعہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے جس سے ہم آپ کی مدد کرسکتے ہیں۔“

”آپ میری صرف ایک مدد کریں اگر میں ہلاک ہوجاؤں مجھے قتل کردیا جائے تو آپ ان دونوں کو منظر عام پر لے آئیں یہ ثابت کریں کہ میرے قاتل یہی دونوں ہیں۔ ان کے علاوہ مجھے کوئی اور قتل نہیں کرسکتا۔“

”ہوں! اس کے لئے ہمیں آپ کا یہ بیان ریکارڈ کرنا پڑے گا۔“ سعدی نے کہا۔

”میں اس کے لئے تیار ہوں اور اس کے علاوہ میں آپ کو تحریری طور پر بھی یہ لکھ کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ اگر میں ہلاک ہوجاؤں تو آپ ان دونوں کو قانون کے حوالے کردیں۔“

ظفری نے شکیلہ کو اشارہ کیا اور شکیلہ اندر جاکر ایک نفیس قسم کا ٹیپ ریکارڈر اٹھالائی۔ ٹیپ ریکارڈر پر محمود رانا نے تحریری طور پر بھی یہ تفصیلات لکھ کر دیدیں اور اس کے بعد سکون کی سانس لی پھر وہ کہنے لگا۔

”اس سلسلے میں آپ کی خدمات کا کیا معاوضہ پیش کرنا ہوگا مجھے؟“

”ویسے تو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہم یہ کام بلا معاوضہ بھی آپ کے لئے کرسکتے ہیں بلکہ یہ کوشش بھی کرسکتے ہیں کہ آپکی زندگی کو تحفظ دیا جائے ہمیں سوچنے کا موقع دیجئے ہم اس کا بندوبست بھی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اگر کاروباری نقطۂ نظر سے آپ ہمارا معاوضہ پوچھتے ہیں تو ذمہ داری ہم پچاس ہزار روپے کے عوض پوری کرسکتے ہیں۔“

محمود رانا نے جیب سے چیک بک نکالی اور پچاس ہزار روپے کا چیک کاٹ کر ظفری کے حوالے کر دیا۔ ظفری نے شکریہ کے ساتھ چیک قبول کر لیا۔

ٹھیک ہے محمود رانا صاحب آپ کی زندگی کو اس طرح ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ عارضی طور پر جس طرح آپ اپنا تحفظ کر رہے ہیں اسی طرح جاری رکھیں اب آپ ہمارے کلائنٹ بن چکے ہیں سب سے پہلے ہم کل آپ کا میڈیکل چیک اپ کرائیں گے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ آپ کو سلو پائزن وغیرہ تو نہیں دیا جا رہا اور اس کے بعد آپ کے تحفظ کے لئے معقول بندوبست کر دیا جائے گا۔ باقی رہی یہ آپکی تحریر اور آپکی آواز کا ریکارڈ تو میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ آپ کی زندگی کا مکمل تحفظ کیا جائے گا۔

بہر طور میں نے اب اپنے آپکو آپ کے سپرد کر دیا ہے آپ کل کس وقت میرا چیک اپ کرانا چاہتے ہیں۔

"مجھے بھی شبہ ہے لیکن بہر طور میں وقت نکال لوں گا۔"

"تو پھر کل ٹھیک گیارہ بجے آپ یہیں پہنچ جایئے میں آپ کو خود ساتھ لیکر جاؤں گا۔" ظفری نے کہا۔

محمود رانا نے شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس نے اجازت طلب کر لی۔ محمود رانا کے جانے کے بعد سعدی، ظفری اور شکیلہ اس مسئلے پر غور کرتے رہے تھے۔ شکیلہ نے کہا۔

"اس سلسلے میں چند اہم پوائنٹ ذہن میں آتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ چیک کون لکھتا تھا اور دستخط کس طرح کرائے جاتے تھے ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ یہ بات تو بتا سکتے ہیں کہ یہ دستخط محمود رانا کے ہیں یا نہیں۔ بینک اتنی بڑی بڑی رقومات صحیح طور پر تصدیق کئے بغیر کیسے دے سکتا ہے اس کے علاوہ اتنی عمر ہونے کے بعد دردانہ کو سہیل عادل کی کیا سوجھی۔؟"

"خیر خواتین کا تو مسئلہ ہی مختلف ہے وہ اپنی صحیح عمر تسلیم کب کرتی ہیں؟" ظفری نے

کہا۔

"اس گفتگو میں اس احمقانہ بات کی گنجائش کہاں سے نکل آئی؟" شکیلہ نے کہا۔ "سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کی زندگی کے تحفظ کے لئے کیا کریں؟ اگر ٹیٹو کو اس کی مستقل نگرانی کے لئے معمور کر دیا جائے تو کیا ٹیٹو یہ کام بآسانی انجام دے سکتا ہے۔"

"لیکن اس سے اس بات کا اظہار بھی ہو جائے گا کہ محمود رانا نے کسی کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کل محمود رانا کا میڈیکل چیک اپ کرانے کے بعد اس سے اس سلسلے میں بھی تمام سوالات کر لئے جائیں گے۔" سعدی بولا اور ان لوگوں کے درمیان یہ بات طے ہو گئی۔

پچاس ہزار روپے کا چیک بینک میں پہنچا دیا گیا تھا۔ دوسری صبح جبکہ سعدی اور ظفری سو کر بھی نہ اٹھے تھے شکیلہ چونکہ صبح خیزی کی عادی تھی اس لئے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر چائے پی رہی تھی اور سامنے ہی اخبار رکھا ہوا تھا کہ دفعتاً چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ منہ میں بھری ہوئی چائے باہر نکلتے نکلتے بچی تھی اس نے پیالی رکھدی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس خبر کو دیکھنے لگی جسکے ساتھ محمود رانا کی تصویر بھی چھپی تھی۔ عنوان تھا مقبول تاجر اور صنعتکار محمود رانا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ شکیلہ نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے پوری خبر پڑھ ڈالی۔ تفصیل یوں تھی کہ رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کچھ مسلح افراد محمود رانا تاجر اور صنعتکار کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے مسز رانا اس وقت گہری نیند سو رہی تھیں مسلح افراد نے محمود رانا کے پاس پہنچ کر تجوریوں کی چابی مانگی اور محمود رانا کے جدوجہد کرنے پر ان پر فائرنگ شروع کر دی گئی ایک گولی محمود رانا کی پیشانی پر اور دوسری دل کے مقام پر لگی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے فائرنگ کی آواز سن کر ملازم جاگ اٹھے اور انہوں نے ڈاکوؤں کو فرار ہوتے ہوئے دیکھا پولیس واردات کے ٹھیک آدھے

گھنٹے بعد موقع واردات پر پہنچ گئی تھی۔ تفتیش جاری ہے۔"

شکیلہ سناٹے میں آ گئی تھی محمود رانا کا خوف اس حد تک درست تھا اور اس کی زندگی اتنی مختصر تھی یہ کسی نے نہیں سوچا تھا۔ بہر طور اس کے بعد شکیلہ نے سعدی اور ظفری کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا تھا اور سعدی اور ظفری بھی دنگ رہ گئے بے چارے محمود رانا کا خدشہ اس قدر جلد عملی شکل اختیار کر لے گا اس کے بارے میں ان لوگوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ سعدی غسل خانے میں چلا گیا اور ظفری کسی قدر افسردہ سا شکیلہ کے سامنے بیٹھا اس مسئلے پر گفتگو کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ ہلکے پھلکے ناشتے سے فارغ ہوئے اور وقت سے کافی پہلے اپنے دفتر پہنچ گئے اس مسئلے پر ان کو غور کرنا تھا۔ ان کا کلائنٹ ہلاک ہو چکا تھا اور وہ اب اس مسئلے میں کارروائی کرنے کے اخلاقی طور پر پابند تھے۔ ظفری نے کہا۔ "یار سعدی ہم نے اتنی سنجیدگی سے اس بات کا نوٹس نہیں لیا جتنی سنجیدگی سے لینا چاہیے تھا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر اب کیا کیا جائے۔"

"چلو میرا خیال ہے ہم لوگ چلتے تو ہیں ذرا صورتحال کا اندازہ ہو جائے گا۔"

تیار ہونے کے بعد تینوں محمود رانا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ کوٹھی پر بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ مسز رانا پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ پتا چلا کہ محمود رانا کی لاش پولیس کی تحویل میں ہے اور اس وقت پولیس اسپتال میں ہے چنانچہ یہ لوگ پولیس اسپتال پہنچ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے گئی ہوئی تھی۔ دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے لاش ورثاء کے حوالے کی گئی۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ ساتھ ساتھ ہی تھے انہوں نے کوٹھی میں سہیل عادل کو بھی دیکھا وہ افسردہ نظر آ رہا تھا۔ مسز رانا اب سنبھل چکی تھیں۔ محمود رانا کے دوست اور عزیز و اقارب تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے لاش کی آخری رسومات کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ سعدی نے لاش کا چہرہ دیکھا اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ بیچارے محمود رانا کو آج وہ میڈیکل چیک اپ کے لئے لے جانے والے تھے۔ لیکن

انہیں اطلاع دینے کے بعد وہ چند گھنٹے بھی زندہ نہ رہ سکا۔ کاش اس کے تحفظ کا بندوبست اس وقت کر لیا جاتا۔ وہاں سے واپسی پر سعدی نے کہا۔

"اب یہ ہم پر کاروباری فرض ہی نہیں بلکہ اخلاقی فرض بھی عائد ہو گیا ہے کہ ہم مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اس سلسلے میں میں تم دونوں کو دعوت دیتا ہوں کہ کوئی ٹھوس طریقہ کار اختیار کرو۔ پولیس ظاہر ہے مسز رانا اور سہیل عادل پر کوئی شک نہیں کر سکتی اس کی تفتیش کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں اس کا ہمیں اندازہ لگانا ہوگا اور اس کے بعد اپنے طور پر عمل کرنا ہوگا۔"

ظفری اور شکیلہ نے اس بات سے اتفاق کیا۔

محمود رانا بے چارہ قتل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ اس کے تحفظ کا بندوبست کرتے بیگم محمود رانا اور سہیل عادل اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کیس ان کے سپرد تھا اور ان کی ذمہ داری ہو گئی تھی کہ اسکا تحفظ کریں لیکن سبھی کو افسوس تھا کہ کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ سب کچھ ہو گیا جس کی توقع محمود رانا کو تھی۔ ایک مجرمانہ سا احساس ان تینوں کے ذہن پر طاری تھا۔ بہر طور پولیس کی کارروائیوں کا جائزہ لیا جا رہا تھا اخبارات میں دو تین دن تک محمود رانا کے قتل کا تذکرہ رہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی پولیس کے ذرائع سے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ پولیس صرف ان راستوں پر سوچ رہی ہے کہ چند افراد ڈاکہ زنی کی نیت سے محمود رانا کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر محمود رانا کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔ ظاہر ہے بیگم رانا اور بیگم سہیل عادل نے بڑی ذہانت سے یہ منصوبہ بنایا تھا۔

اس وقت بھی سعدی ظفری اور شکیلہ اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ظفری کہنے لگا۔ کیا خیال ہے ہم اپنی یہ معلومات پولیس کو فراہم کر دیں اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔"

شکیلہ کہنے لگی۔ "کیا اس سے پہلے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم بیگم رانا اور سہیل عادل سے رابطہ قائم کریں؟ یہ تفصیل اگر پولیس کے ہاتھ لگ جائے تو ظاہر ہے فوری طور پر کارروائی ہوگی اور

اس کے بعد پولیس کے اوران دونوں کے درمیان معاملہ پہنچ جائے گا کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ بیگم رانا سے ملاقات کرلی جائے اوراپنے طور پر بھی صورتحال کا اندازہ لگایا جائے۔،،

سعدی نے اس سے اتفاق کیا تھا چنانچہ اس شام یہ تینوں مسز رانا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔

کوٹھی کے بیرونی لان پر مسز رانا سہیل عادل کے ساتھ بیٹھی نظر آئی تھیں اس کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات ضرور تھے لیکن وہ بہت زیادہ متاثر معلوم نہیں ہوتی تھی ان لوگوں کو دیکھ کرانہوں نے استقبالیہ انداز میں گردن ہلائی۔ ظاہر ہے ان دنوں تعزیت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ان دونوں نے انہیں بھی انہی لوگوں میں سمجھا ہوگا۔ سلام دعا کے بعد انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی گئی۔

ظفری نے مسز رانا سے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔،،بہت افسوس ہے مسز رانا کو محمودرانا اس طرح اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔،،

مسز رانا نے کوئی جواب نہیں دیا تو ظفری کہنے لگا۔ آپ کا کیا خیال ہے بیگم صاحبہ کیا یہ صرف ایک اتفاقی حادثہ ہے یا کوئی جانا بوجھا منصوبہ؟،،

دونوں ہی چونک کر ظفری کو دیکھنے لگے تھے۔ سہیل عادل نے کہا۔،،کیا مطلب ہے آپ کا۔،،

میری مراد یہ ہے کہ مسٹر محمودرانا ایک بڑے کاروباری تھے اوراس بات کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں کہ کوئی ڈرامہ رچا کرانہیں زندگی سے محروم کردیا گیا۔

،،ڈرامہ رچانے والے کون ہوسکتے ہیں؟،، سہیل عادل نے تیز لہجے میں پوچھا۔

،،کوئی بھی ہوسکتے ہیں ان کے ایسے دشمن جو کسی وجہ سے انہیں راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔،،

،،پہلے تو آپ لوگ اپنا تعارف کرایئے میرا خیال ہے ہماری ملاقات اس سے قبل کبھی

نہیں ہوئی۔ نہ ہی ہم نے آپ کو محمودرانا کی تدفین میں دیکھا تھا۔،،

،،میرا نام ظفری ہے یہ میرے ساتھی سعدی ہیں اور یہ ہم دونوں کی ساتھی مس شگفتہ ہم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے پرائیوٹ جاسوسی کا ایک ادارہ کھولا ہے اورطویل عرصے سے ہم لوگوں کیلئے کام کررہے ہیں مسٹر محمودرانا نے قتل سے صرف ایک دن قبل ہم لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا اوراپنا ایک مسئلہ ہمارے سامنے رکھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ چندروز کے اندراندرانہیں قتل کردیا جائے گا۔ وہ اپنے قاتلوں کی نشاندھی بھی کرگئے تھے ہم بدقسمتی سے ان کے لئے کوئی صحیح بندوبست نہ کرسکے اوراس ملاقات کے دوسرے ہی دن انہیں قتل کردیا گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ پولیس کسی نہ کسی طرح صحیح راستوں تک پہنچ جائے گی لیکن پولیس اصل قاتلوں کا سراغ نہ لگاسکی اوراسے صرف ایک ڈاکہ زنی کی واردات قراردے کرچھوڑدیا گیا۔ چونکہ مسٹر محمودرانا نے یہ کیس مکمل طور پر ہمارے سپرد کردیا تھا اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ ہم پولیس کو اصل قاتلوں سے روشناس کرادیں اس سلسلے میں ہم آپ سے مشورہ کرنے حاضر ہوئے ہیں۔

دونوں کے چہروں پر بے چینی کے آثار پیدا ہوگئے سہیل عادل نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔،،وہ اپنے قاتلوں کی نشاندھی کرگئے تھے؟،،

ہاں ظرف نے پتھریلے لہجے میں جواب دیا۔

،،گویا اصل واقعہ وہ نہیں تھا جو سب لوگوں کے سامنے آیا؟،،

،،جی نہیں۔،،

،،براہ کرم کیا آپ بتانا پسند کریں گے انہوں نے کن لوگوں کو اپنا قاتل تصور کیا ہے؟ کیا یہ بات آپ ہمیں بتائیں گے۔،،

مسٹر سہیل عادل یہی بتانے کے لئے اس وقت آپ کے پاس آنا پڑا ویسے اصولاً ہمیں پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا لیکن صورتحال کو صحیح طور پر جاننے کے لئے ہم آپ کے پاس

پہنچے۔''

''آپ کیا چاہتے ہے مسٹر ظفری؟'' سہیل عادل کس قدر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''مسٹر محمود رانا کا خیال تھا کہ معاف کیجئے مسز محمود اور مسٹر سہیل عادل آپ دونوں انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔''

''کیا بکواس ہے؟'' سہیل عادل غرا کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم؟'' مسز رانا بھی آپ سے تم پر اتر آئیں۔''

ظفری نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جی ہاں انہوں نے ہم سے یہی کہا تھا کہ مسٹر سہیل عادل اور مسز رانا ان کے خلاف سازش کر رہی ہیں اور یقیناً یہ ان کے قتل کی سازش ہے میں آپ لوگوں سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیوں انہیں قتل کیا؟ اور اس کا پس منظر کیا تھا؟''

مسٹر ظفری کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اپنے پیروں سے چل کر واپس چلے جائیں؟ آپ سے گھٹیا اور چھچھورے لوگ اس قسم کی حرکتیں اکثر کرتے ہیں لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کو یہاں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اگر اسی طرح لوگ بلیک میل ہونے لگیں تو جینا دوبھر ہو جائے آپ براہ کرم فوراً یہاں سے نکل جایئے ورنہ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔''

''مسز رانا بھی کھڑی ہو گئی تھیں انہوں نے تلخ لہجے میں کہا۔'' کتنے بے غیرت اور کتنے بے حس ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کو غمزدہ ہونے کے باوجود دکھ دینے آ جاتے ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا یہ پسند کریں گے آپ لوگ کہ ہم اس جگہ آپ کو پکڑ لیں اور پولیس کو اطلاع دے دیں۔''

''یقیناً پسند کریں گے مسز رانا کیونکہ بہر طور پولیس کو اس مسئلے میں شریک تو ہونا ہی ہے آپ کی طرف سے آغاز ہو جائے۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تمہارے یہ الفاظ ہمیں مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔''

''نہیں ہم تین افراد آپ کے سامنے ہیں ذرا آپ ہمیں یہ بتا دیجئے مسٹر سہیل عادل کہ ہم میں سے کون چہرے سے سب سے زیادہ بیوقوف نظر آ رہا ہے چند بیوقوف لوگ ہی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ بغیر کسی ثبوت کے کسی پر الزام لگا دیں اگر آپ ہمیں یہی سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے اس کے بعد کے معاملات آپ کے اور پولیس کے درمیان طے ہوں گے اور اگر اس سلسلے میں آپ ہماری کوئی راہنمائی کر سکتے ہیں تو ہم آپکے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہیں۔''

''کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس الزام کا؟''

''ثبوت ہم نے مہیا نہیں کیا بلکہ مسٹر محمود رانا خود ہمیں اس خدشے کے بارے میں بتا کر گئے ہیں اگر آپ کو یہ تفصیل جاننے سے دلچسپی ہے تو یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ ہے آپ تشریف لے آیئے ہم آپ کو ان ثبوتوں کے بارے میں تفصیلات بتا دیں گے لیکن اس کے لئے آپ کو صرف چوبیس گھنٹے کا وقت دیا جاتا ہے۔ پچیسویں گھنٹے میں یہ ثبوت پولیس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔''

ظفری نے سعدی اور شکیلہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔

اس کے بعد وہ تیزی سے واپس پلٹے اور مسز رانا یا سہیل عادل نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ راستے میں ظفری کہنے لگا۔'' کیا خیال ہے اب اس بارے میں؟''

''چوبیس گھنٹے کا وقت دیا ہے تم نے انتظار کئے لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد انسپکٹر فولاد زندہ باد۔''

انسپکٹر فولاد سے ان کی تازہ تازہ دوستی ہوئی تھی پیدائشی پولیس والا تھا اور اپنی الگ منطق

رکھتا تھا۔ نام تو رحیم الدین تھا لیکن اپنے فولادی بدن اور فولادی اصولوں کے تحت انسپکٹر فولاد کے نام سے مشہور ہو گیا تھا اس کا مقولہ تھا کہ جرم کو صرف تشدد کے ذریعے ہی اگلوایا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں وہ بڑی کامیابی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں بیٹھ کر وہ سہیل عادل اور مسز محمود رانا کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ بہت ہی پختہ کار تھے یہ لوگ محمود رانا کی موت کے بعد کس سکون سے دونوں یکجا ہو گئے تھے۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مضطرب صاحب نے ایک ٹیلیگرام موصول کیا۔ بیگم جہاں آرا ہدایت پور کا ٹیلیگرام تھا وہ سات بجے کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہی تھیں اور انہوں نے ان لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ انہیں ائیر پورٹ پر ریسیو کر لیا جائے۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور' سے بہت اچھے تعلقات رہے تھے اور در حقیقت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو یہ شکل دینے میں انہی کا سب سے بڑا تعاون تھا انہوں نے اپنے تعلقات کی بنیاد پر سعدی ظفری اور شکیلہ کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائی تھیں یہ دفتر بھی انہی کا عطیہ تھا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے شناساؤں کے بہت سے کیس ان لوگوں کو دلوائے تھے جس کے نتیجے میں ان کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی چنانچہ یہ بیگم صاحبہ کے ممنون تھے اور اب جب بھی بیگم صاحبہ یہاں آتیں تو انہی کے ساتھ قیام کرتیں تھیں۔ یہی کیفیت ان کی بیٹی ثمن آراء کی تھی۔ ثمن آرا ان لوگوں سے بالکل اپنائیت کے ساتھ پیش آتی تھی۔ بہر طور مضطرب صاحب نے یہ ٹیلیگرام ظفری کو دیا اور وہ لوگ بیگم صاحبہ کی آمد کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مضطرب صاحب نے ایک اور بیگم صاحبہ کی اطلاع دی جنھوں نے اپنا نام مسز محمود رانا بتایا تھا۔ ان تینوں کے چہرے معنی خیز انداز میں چمکنے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد بیگم رانا اندر داخل ہو گئیں کل کی نسبت ان کا چہرہ آج زیادہ اترا ہوا تھا آنکھوں میں ایک عجیب سا خوف نظر آ رہا تھا اور اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے تینوں ہی نے نرم انداز میں اسکا استقبال کیا۔ بیگم محمود رانا ایک کرسی پر بیٹھ گئی اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے

کس سے بات کرنی چاہیئے۔"

"جس سے آپ کا دل چاہے۔ ہم تینوں اس ادارے کے پروپرائیٹر ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"ایک سوال کروں تم لوگوں سے؟ کیا پرائیوٹ جاسوسی کا یہ ادارہ فراڈ نہیں ہے کیا تم لوگ بلیک میلر نہیں ہو؟ تمہیں کس کی پشت پناہی حاصل ہے۔"

"جس کی بھی حاصل ہے بیگم صاحبہ ظاہر ہے آپ کو تو نہیں بتائی جا سکتی جہاں تک آپ کے ان الفاظ کا تعلق ہے کہ یہ ادارہ فراڈ اور ہم لوگ بلیک میلر ہیں تو اس کا جواب آپ کو بہت جلد دیدیا جائے گا اس وقت جب آپ پولیس کی تحویل میں ہوں گی آپ پولیس سے یہ بات کہہ سکتی ہیں کہ چند بلیک میلروں نے آپ کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔"

"میں بے حد پریشان ہوں۔ تم نے کل سے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ پہلے میں تم سے صاف الفاظ میں یہ بات کہہ دوں کہ جہاں تک بات محمود رانا کی ہے میں نے ہمیشہ اس سے نفرت کی ہے کبھی بھی اسے ایک اچھے شوہر کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکی لیکن قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب اگر میں کر سکتی تو بہت پہلے کر چکی ہوتی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی لیکن تمہارے الفاظ نے مجھے شدید الجھنوں کا شکار کر دیا ہے۔ میں اس وقت سے پہلے تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی جب تک کہ تم وہ ثبوت میرے سامنے نہیں لے آؤ گے جنکا کل تم تذکرہ کر کے آئے ہو۔ محمود رانا کو یہ شبہ کیسے ہوا کہ میں اسے قتل کر دوں گی؟ براہ کرم مجھے اس بارے میں بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تعجب ہے بیگم صاحبہ بلیک میلر اور کسی فراڈ ادارے کے سلسلے میں آپ کو سب سے پہلے پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہئیے تھا یہاں آپ تشریف لاتیں تو پولیس کے ساتھ لاتیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا۔"

"مجھ سے بیکار باتیں مت کرو۔ میں اس ثبوت کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"گویا آپ کو اس بات کا شبہ ہے کہ آپ کے خلاف کسی قسم کے ثبوت مہیا کئے جا سکتے ہیں؟"

"چرب زبانی کرنے کے بجائے اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو بہتر ہوگا وہ ثبوت کیا ہیں آخر؟"

محمود رانا کی تحریر جس میں انہوں نے اس بات کا یقین ظاہر کیا ہے کہ جلد یا بدیر آپ اور مسٹر سہیل عادل انہیں قتل کر دیں گے یہی بیان انہوں نے اپنی آواز میں ریکارڈ بھی کرایا ہے میں آپ کو کیسٹ سنوا سکتا ہوں۔ سعدی نے شکیلہ کو اشارہ کیا۔ اور شکیلہ ٹیپ ریکارڈر اٹھا لائی اور اس کے بعد ٹیپ ریکارڈر پر محمود رانا کی آواز ابھرنے لگی۔

مسز رانا کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا وہ دہشت زدہ انداز میں محمود رانا کا بیان سن رہی تھی اور اب اس کے چہرے سے جیسے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا گیا ہو۔ کیسٹ بند ہو گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کی صورتیں دیکھتی رہی پھر اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ "پانی براہ کرم ایک گلاس پانی۔"

ٹیٹو نے سعدی کے طلب کرنے پر فوراً ہی پانی کا گلاس پیش کر دیا تھا۔ مسز محمود رانا ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی پھر اس نے کہا۔ "یہ آواز سو فیصدی محمود رانا کی ہے لیکن.... لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ آہ! میں ایسا تو نہیں کر سکتی تھی۔ میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔"

"اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم بلاوجہ ہی آپ تک نہیں پہنچے مسٹر محمود رانا نے انہی الفاظ کی ایک تحریر بھی ہمیں لکھ کر دی ہے۔ آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم نے آپ کو بلیک میل کرنے کی خاطر نہیں بلکہ محمود رانا کی خواہش کے مطابق مجرم گردانا ہے اصولاً ہمیں یہ چیزیں پولیس کے حوالے کر دینی چاہیے تھیں لیکن ہم آپ کا بھی موقف جاننا چاہتے تھے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس تحریر اور اس کیسٹ کی قیمت تمہیں ادا کر دوں۔"

"اگر آپ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں بیگم صاحبہ تو آپ ضرور ایسا کیجئے۔"

"نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم اطمینان سے یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کر دو۔ پولیس ہمیں گرفتار کرے گی تفتیش کرے گی۔ اور اس کے بعد صحیح صورتحال اس کے علم میں آ جائے گی میں صرف ایک شبے کی بنیاد پر یہاں آئی ہوں ورنہ میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتی مجھے تمہارے ان الفاظ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ سہیل عادل تو اس جرم کا مرتکب نہیں ہوا ہے میں .... میں بس یہ جاننا چاہتی ہوں اور انتہائی سوچ بچار کے بعد میں نے تم سے ملاقات کرنا ضروری سمجھی۔ میں مجرم نہیں ہوں میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ نفرت کر سکتی تھی۔ محمود رانا سے نفرت کرتی رہی لیکن اس کے قتل کا تصور بھی میں کبھی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتی بس میں اس لئے تمہارے پاس آئی تھی کہ بلاشبہ تمہارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ تم اگر چاہو تو انہیں پولیس کے حوالے کر دو۔ میں خوشی سے گرفتار ہونے کے لئے تیار ہوں۔" مسز رانا اٹھ گئیں۔ اور اس کے بعد وہ ان سے کچھ کہے سنے بغیر واپس چلی گئیں۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے اور پھر شکیلہ نے کہا۔

"یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ عورت اس قتل میں ملوث نہیں ہے۔"

"اس لئے کہ عورت ہے۔"

"نہیں میں فضول باتوں میں نہیں جاتی ظاہر ہے مجھے ایک برے شوہر کا تجربہ نہیں ہے اور میں یہ بات نہیں کہہ سکتی کہ برے شوہر سے کتنے عرصے نباہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد اس کے قتل کے لئے کیا منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔ میں صرف اس کے تاثرات اور اس کے انداز سے اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ قاتل سہیل عادل ہو سکتا ہے لیکن مسز رانا نہیں۔" شکیلہ کی اس بات پر کسی

نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہوئی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد انہیں سہیل عادل کی آمد کی اطلاع ملی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئے دوسرا فریق بھی آ گیا تھا سہیل عادل کا استقبال سرد مہری سے کیا گیا اس کی کیفیت بھی مسز رانا سے مختلف نہیں تھی وہ ان تینوں کی صورت دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"ہوں! بلیک میلنگ کا یہ ادارہ کیا سرکاری سرپرستی میں چل رہا ہے۔"

"نہیں ابھی تک پرائیوٹ ہے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اسے رجسٹرڈ کرا لیا جائے۔"

"تم لوگ بہت ڈھیٹ اور بے شرم معلوم ہوتے ہو۔ میں صرف اس لئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تمہاری وہ بکواس سن سکوں جو تم کل کر کے آئے تھے۔ مجھے بتاؤ کہ اس سلسلے میں تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"آپ کے اس رویئے پر تو ہمیں ان ثبوتوں کے بارے میں عدالت ہی میں بتانا چاہیے مسٹر سہیل عادل لیکن بہرطور ہم نرم دل ہیں اور آپ کے ان تصورات کی تردید بھی چاہتے ہیں چنانچہ آپ بھی سن لیجئے۔ ظفری ذرا انہیں بھی سنا دو۔"

ظفری نے ٹیپ ریکارڈ سامنے کیا۔ کیسٹ ریوائنڈ کیا اور پھر محمود رانا کی آواز ابھرنے لگی سہیل عادل کی کیفیت بھی مسز رانا سے مختلف نہیں ہوئی تھی اسکا بدن پتھرا سا گیا تھا۔ ظفری نے اسے بتایا کہ انہی الفاظ کی ایک تحریر بھی محمود رانا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کے پاس موجود ہے سہیل عادل کے کس بل نکل گئے تھے بمشکل تمام اس نے آہستہ سے کہا۔

"آہ! اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ اسے سو فیصدی غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ نہ میں کر سکتا ہوں اور دردانہ ہم لوگ تو سینوں پر غموں کے پہاڑ اٹھانا جانتے ہیں ہم تو غموں کی تاریکیوں میں جینا جانتے ہیں۔ ہم کسی کی زندگی کیسے لے سکتے تھے۔ وہ مر گیا مرتے مرتے بھی ہمیں داغ دے گیا۔ لیکن ٹھیک ہے تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا تھا تو جو تقدیر کا فیصلہ۔ ویسے ہی ہم کون سے جی رہے ہیں۔ مرجائیں تو اچھا ہے سنو تم لوگ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ یہ بیان اور یہ تحریر پولیس کو دے دو ہم اپنے آپ کو تقدیر کے فیصلے پر چھوڑ دیں گے۔" سہیل عادل کے انداز میں ایسی رقت تھی کہ وہ تینوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

پھر ظفری نے کہا۔ "مسٹر سہیل عادل یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے ہم نے آپ سے ملاقات کرنا ضروری سمجھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم نے بذات خود اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی محمود رانا ہمارے پاس آئے اور انہوں نے اس سلسلے میں ہمارا سہارا لینا چاہا جیسا کہ آپ نے ____ ان کی تحریر سے اندازہ لگا لیا ہوگا اور پھر دوسرے ہی دن انہیں قتل کر دیا گیا ہمیں اصولاً تو یہ کرنی چاہیے تھی کہ ہم پولیس سے رابطہ قائم کر کے یہ چیزیں پولیس کے حوالے کرتے اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے لیکن انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر ہم نے آپ سے ملاقات کر لینا بھی ضروری سمجھا آپ نے ابتک جو رویہ ہمارے ساتھ اختیار کیا اس کو ذرا ذہن میں دوہرا لیجئے اس کے بعد آپ ہمارے بارے میں بھی فیصلہ کر سکتے ہیں؟"

سہیل عادل کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"قصور نہ میرا ہے اور نہ دردانہ کا یہ الفاظ کچھ اجنبی لوگوں کی زبانی سن کر ہم پر جو کیفیت طاری ہو سکتی تھی وہ غیر فطری تو نہیں تھی۔ ہم یہ بھی تو سوچ سکتے ہیں کہ تم لوگ ہمیں بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"تو پھر آپ اب اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لیجئے مسٹر سہیل عادل کہ ہم اس تحریر اور اس کیسٹ کی کوئی قیمت آپ سے نہیں چاہتے سوائے اسکے کہ اگر آپ کر سکتے ہیں تو صحیح سمت ہماری رہنمائی کر دیجئے اور اگر آپ خود کو مجرم نہیں سمجھتے تو پھر یہ بتائیے کہ اصل مجرم کون ہو سکتا ہے؟ ورنہ دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کر دی جائیں اب کم از کم آپ کو یہ اطمینان تو ہو گیا ہوگا کہ ہم آپ کو بلیک میل نہیں کرنا

چاہتے۔"

سہیل عادل کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "میں کچھ وقت لے سکتا ہوں آپ کا؟"

"ہاں ہاں بالکل ہمارے پاس وقت ہے۔" ظفری نے جواب دیا

"میں بالکل یہ بات نہیں بتا سکتا کہ محمود رانا کے قاتل کون تھے یہ حادثہ اتفاقیہ ہے یا کوئی جانا بوجھا منصوبہ براہ کرم یہ چیزیں پولیس کی تحویل میں دینے کے بجائے پہلے اپنے طور پر تفتیش کر لو اگر اس تفتیش کا کوئی معاوضہ ہو سکتا ہے تو وہ میں تمہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہوں میں یہ چیزیں تم سے کسی بڑی سے بڑی رقم کے عوض واپس نہیں مانگنا چاہتا بس اتنا کرم کرو کہ اگر اپنے وسائل سے کام لے کر یہ حقیقت معلوم کر سکتے ہو تو کر لو کہ محمود رانا کے قاتل کون تھے کیونکہ میں یا دردانہ اس قتل کا تصور بھی نہیں کر سکتے میں تمہیں اپنے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں۔ دردانہ سے میری دور کی رشتہ داری ہے وہ میری کزن ہے میرے والد احمد عادل خاندانی دولت مند انسان تھے اور دولت مند کا جو گھمنڈ انسان کے وجود میں ہو سکتا ہے وہ ان میں تھا دردانہ کے والد سے میرے والد کی گہری دوستی تھی لیکن ایک کاروباری مسئلے پر اس دوستی میں رخنہ پڑ گیا اور میرے والد دردانہ کے والد سے سخت نفرت کرنے لگے بچپن ہی سے ہمارے ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے گنجائش تھی اور عمر کی اس منزل میں جب ہم لوگ داخل ہوئے جہاں دلوں کی کیفیتوں کو سمجھا جا سکتا ہے تو ہم دونوں نے اپنے طور پر طے کر لیا کہ ہم آپس میں شادی کریں گے۔ لیکن بزرگوں کی نفرت ہماری محبت کے درمیان رکاوٹ بن گئی والد صاحب کی افریقہ میں تانبے کی کانیں تھیں وہ اپنا مقامی کاروبار سمیٹ کر افریقہ چلے گئے میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا ہمارے درمیان دوری ہو گئی اور اس کے بعد جب ہم نے اپنے طور پر کوشش کیں تو دونوں بزرگوں کی نفرت ہمیں تباہی کے غاروں میں دھکیلنے کا باعث بن گئی ہم نے احتجاج کیا لیکن اسے رد کر دیا گیا اور میں شدید بیمار ہو گیا تین سال

تک میں ذہنی مریض رہا اور اس کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو مجھے پتا چلا کہ دردانہ کی شادی کر دی گئی ہے میں غم و اندوہ میں ڈوبا زندگی گزارنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھ میں یہ جرات نہیں تھی کہ میں دردانہ کو زبردستی حاصل کر لیتا اب میرے لئے زندگی میں تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا اس طرح کافی وقت گزر گیا میں نے احتجاجاً اپنے والد صاحب کے مجبور کرنے کے باوجود شادی نہیں کی تھی اور ساری زندگی اس طرح گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر والد صاحب پر فالج کا حملہ ہوا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ مجھے میری مرضی سے روکنے والا اس دنیا سے جا چکا تھا لیکن میری دنیا میں اب کوئی روشنی نہیں تھی بہت عرصے تک بھٹکتا رہا اور پھر جب دل وہاں نہ لگا تو یہیں چلا آیا۔ دل نہ مانا تو دردانہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو علم ہوا کہ دردانہ کے والد کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ محمود رانا کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں تو پتہ چلا کہ وہ ایک بالکل قلاش نوجوان تھا اور دردانہ کے والد صاحب کی ایک فرم میں منیجر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ دردانہ کے والد صاحب نے اسے مراعات دیں اور اس کے بعد دردانہ سے اس کی شادی کر دی یہ سب کچھ میری ضد میں ہوا تھا۔ کافی دنوں تک میں دردانہ سے دور رہا اور جب مجھے یہ احساس ہوا کہ دردانہ بھی میری طرح مظلوم ہے تو میں اس سے ملا۔ دردانہ نے اپنے دل کا حال مجھ پر کھول دیا اس نے بتایا کہ محمود رانا نے اس سے صرف اس لئے شادی کی ہے کہ وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے اور یہ ساری دولت اب اس کے تصرف میں ہے لیکن دردانہ کو دل سے یہ شادی قبول نہ تھی وہ محمود رانا سے نفرت کرتی تھی اور اس نے محمود رانا کی کوششوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ دردانہ کے والد نے محمود رانا کو بہت کچھ دیا تھا لیکن دردانہ اس پر کڑی نگاہ رکھتی تھی اور محمود رانا ہر معاملے میں دردانہ کا دست نگر تھا اس کے بڑے بڑے اکاؤنٹس تھے لیکن دردانہ کی اجازت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا دونوں کے درمیان یہ نفرت شدید تھی لیکن دردانہ نے کبھی بھول کر بھی یہ نہ کہا کہ وہ محمود رانا کو راستے سے ہٹا دے گی۔ ہمارے درمیان اب صرف دوستوں کا رشتہ ہے۔ اس رشتے کو محمود رانا

چھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا اور اس نے بار بار ہم لوگوں پر رکیک جملے کسے وہ ہمیں ایک دوسرے
میں ملوث سمجھتا تھا میں نے کئی بار دردانہ سے کہا کہ میں اس کی ازدواجی زندگی کو متاثر کرنا نہیں چاہتا
لیکن دردانہ نے مجھے جواب دیا کہ جو کچھ نہ ہو سکا وہ اس کے بس میں نہیں تھا لیکن اب جو کچھ ہوگا وہ
اس کے بس میں ہے اگر میں نے اس وقت بھی بزدلی کا ثبوت دیا تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے
گی اس کا اپنا ذہن اور دل صاف ہے تو دنیا جو چاہے سمجھ سکتی ہے محمود رانا اگرچہ ہماری طرف سے
کسی غلط فہمی کا شکار تھا تو یہ صرف اس کا اندرونی خوف تھا اس کی اپنی برائی تھی اس میں ہمارا کوئی
قصور نہیں ہم سچے اور اچھے دوستوں کی طرح جی رہے ہیں۔ محمود رانا کی موت کا مجھے بھی افسوس ہے
لیکن میں کبھی بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں دردانہ کو بیوہ بنانے کا باعث بنوں گا نہ ہی
دردانہ کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے تم لوگ یقین کرو تمہاری اس تفصیل کے بعد میرا ذہن بھی
بھٹک گیا ہے میں سوچنے لگا تھا کہ کیا دردانہ اتنی گہری سوچ سکتی ہے کہ راستے صاف کرنے کے لئے
اپنے شوہر کو ہی درمیان سے ہٹا دے دوستو! تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا
لیکن میری تم سے درخواست ہے کہ جلد بازی سے کام نہ لینا اگر تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ ملوث نہیں ہے
تو اس سلسلے میں تھوڑی سی تحقیقات کر لو یقیناً تمہارے پاس اس کے وسائل ہوں گے اور تمہاری یہ
تحقیقات ثابت کرے کہ میں یا دردانہ مجرم ہیں تو تم یقین کرو پھر ہم تم سے کوئی رعایت طلب نہیں
کریں گے کم از کم میں اور جہاں تک رہا اس بیان اور دستاویزات سے کوئی فائدہ اٹھانا تو میں
پھانسی کے پھندے تک پہنچ جاؤں گا لیکن تمہیں ان کا معاوضہ ایک پیسہ نہیں ادا کروں گا۔ بس مجھے
یہی کہنا تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

سعدی اور ظفری نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور سہیل عادل کمرے سے باہر نکل
گیا وہ تینوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے تھے تھوڑی دیر بعد شکیلہ نے گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر ہمیں اداکاری کے ایوارڈ دینے کا کوئی موقع ملے تو میں اس سلسلے میں صف اول کی
اداکارہ اس عورت کو قرار دوں گا جس کا نام دردانہ ہے اور صف اول کا اداکار اس شخص کو اور اگر ہم
انہیں اداکار تسلیم نہیں کرتے تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کہیں اتفاقات کے مارے دو انسان ہماری
حماقتوں کی بھینٹ تو نہیں چڑھنے جا رہے؟ ان پر غور ضرور کر لیا جائے سعدی اور مسٹر ظفری۔"

ظفری اور سعدی کچھ بول نہیں پائے تھے ان کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں
بہر طور اس بارے میں کوئی صحیح فیصلہ اس وقت نہیں ہو سکا سوائے اس کے کہ ابھی پولیس کو ان
معاملات کی ہوا نہ لگنے دی جائے اور اس سلسلے میں مزید کچھ معلومات حاصل کر لی جائیں۔ شام کو
بیگم جہاں آرا ہدایت پور کو لینے ائیر پورٹ جانا تھا۔ ٹیٹو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی شکیلہ
اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی اور سعدی اور ظفری کار کے عقبی حصے میں۔ ائیر پورٹ پر ہمیشہ کی
مانند بھیڑ بھاڑ تھی۔ مشرقِ وسطیٰ جانے اور آنے والوں کا ہجوم۔ ٹرمینل نمبر 2 پر ضرورت سے زیادہ
ہی رش تھا۔ یہ سب بھی ایک گوشے میں کھڑے ہوئے ان ہنگامہ خیزیوں کا جائزہ لے رہے تھے
وقت سے کچھ پہلے پہنچ گئے تھے اور فلائٹ آنے میں ابھی بیس پچیس منٹ باقی تھے شکیلہ ایک
ریلنگ سے ٹیک لگائے ہوئے تھی سعدی اور ظفری اس موضوع پر باتیں کر رہے تھے کہ دفعتاً ٹیٹو
ہنس پڑا شکیلہ اسکی ہنسی کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مس شکیلہ آپ نے کبھی ڈیڑھ مونچھ دیکھی ہے؟"

"کیا؟"

"ڈیڑھ مونچھ بالکل ڈیڑھ مونچھ۔" بلکہ ہم اسے ڈیڑھ نہیں کہہ سکتے ایک مونچھ سیدھی
اور ایک..... وہ ادھر دیکھئے۔" ٹیٹو نے قریب ہی کھڑے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
جو شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ ہاتھ میں بریف کیس اور آنکھوں پر بہت قیمتی عینک لگی
ہوئی تھی۔ اسکا چہرہ کلین شیو تھا لیکن مونچھیں بڑی اور گھنی تھیں جو اس کے اس چہرے پر بے حد دلکش
لگ رہی تھیں لیکن شکیلہ اسے دیکھ کر چونک پڑی کیونکہ اس شخص کی ایک طرف کی مونچھ بالکل نیچے

لٹک گئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ وہ نقلی مونچھ ہے۔ دفعتاً ہی شکیلہ کا دل دھڑک اٹھا۔ نقلی مونچھ ہٹ جانے سے جو تھوڑی سی شکل واضح ہوئی تھی وہ شکیلہ کے لئے دھماکہ خیز تھی اس نے بے اختیار پلٹ کر ظفری کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔

"ظفری اس ڈیڑھ مونچھے کو دیکھو۔ وہ جو سامنے....."

ظفری کی نگاہیں بھی اس طرف اٹھ گئی تھیں اور سعدی بھی ادھر ہی دیکھنے لگا تھا پھر ان دونوں کی کیفیت بھی ان دونوں سے مختلف نہیں ہوئی تھی دونوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور پھر بے اختیار اس شخص کی جانب لپکے وہ سامنے کی سمت دیکھ رہا تھا لیکن دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ سعدی اور ظفری کو دیکھ کر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ٹرمنل سے باہر جانے والے حصے کی جانب بھاگا سعدی نے زور سے آواز لگائی۔ "مارشل لینا۔"

یہ ٹیٹو کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا اس کے ساتھ ہی وہ اس شخص کے پیچھے دوڑنے لگے تھے لوگوں میں کسی قدر افراتفری پھیل گئی ان دنوں ایسے واقعات کی بھرمار تھی سعدی اور ظفری اس شخص کا پیچھا کر رہے تھے لیکن وہ پارکنگ لاٹ میں جا گھسا اور پھر گاڑیوں کے عقب سے نکلتا ہوا دوسرے راستے کی طرف بھاگنے لگا۔ ٹیٹو نے گاڑیوں پر لمبی لمبی چھانگیں لگائیں وہ بہت زیادہ پھرتیلا اور چاق و چوبند نوجوان تھا۔ جسمانی ورزش نے اسے فولاد بنا دیا تھا۔ دوڑنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا چنانچہ کئی جگہ اس نے لمبی لمبی گاڑیاں پھلانگیں سعدی اور ظفری تو کافی پیچھے رہ گئے تھے لیکن ٹیٹو دوڑنے والے کے قریب پہنچتا جا رہا تھا۔ دوڑنے والا بھی جان توڑ کر بھاگ رہا تھا وہ ایئرپورٹ سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑ رہا تھا ٹیٹو اس کے قریب پہنچا اور پھر اس سے کوئی پچاس گز آگے نکل کر رک گیا۔ دوڑنے والے نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ٹیٹو بولا۔

"اب بولو بیٹا مجھ سے تیز دوڑ سکو گے۔"

دوڑنے والے نے راستہ کاٹا اور ٹیٹو کو جھکائی دے کر پھر دوڑنے لگا لیکن ٹیٹو اس سے

باقاعدہ مقابلہ کرنے کے موڈ میں تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر اسے پیچھے چھوڑ کر اس سے آگے نکل گیا اور اس کے سامنے رک کر بولا۔ "اب بولو۔"

سعدی اور ظفری کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ زور زور سے چیخ رہے تھے۔ شکیلہ کا آس پاس کہیں پتہ نہیں تھا وہ بے چاری بھلا اس دوڑ کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی لیکن چند ہی لمحات کے بعد وہ کار لے کر ان کے عقب میں دوڑ پڑی اور پھر ایئرپورٹ جانے والے راستے کے انتہائی اختتام پر جہاں پولیس چوکی بنی ہوئی تھی۔

ٹیٹو نے ایک بار پھر دوڑنے والے کو جا پکڑا۔ وہ بھی بدحواس ہی ہو گیا تھا اور نہ کہیں اِدھر اُدھر دوڑنے کی کوشش کرتا سیدھی ہی دوڑے جا رہا تھا اور اتنی لمبی دوڑ سے اس کا سانس پھول گیا تھا پولیس کے چند افراد اس ہنگامے کو دیکھ کر آگے بڑھ آئے اتنی دیر میں شکیلہ کی کار بھی سعدی اور ظفری کے قریب سے گزری تو اس نے عقبی دروازے کھول دیئے اور وہ دونوں بدحواسی کے عالم میں کار میں گھس گئے کار عین اس جگہ جا کر رکی جہاں پولیس والے ٹیٹو سے صورت حال دریافت کر رہے تھے اور ٹیٹو کہہ رہا تھا۔

"آٹھ سو میٹر کی دوڑ میں اول آیا تھا میں اپنے بچپن میں اور یہ بھائی مجھ سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

سعدی اور ظفری کو دیکھ کر بریف کیس والے شخص نے ایک بار پھر دوڑنے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور چند ہی لمحوں بعد سعدی اور ظفری اس کے قریب پہنچ گئے سعدی نے پولیس سارجنٹ سے کہا۔

"سارجنٹ یہ قاتل ہے۔ مجرم ہے۔ دیکھو اس کی ایک مونچھ اکھڑ گئی ہے۔ تم دوسری بھی اکھاڑ کر دیکھ سکتے ہو۔" سعدی نے خود ہی آگے بڑھ کر اس شخص کی مونچھ اکھاڑ دی اور نقلی مونچھوں کے نیچے محمود رانا کا چہرہ نمایاں ہو گیا۔

پولیس سارجنٹ ان دونوں سے تفصیلات معلوم کر رہا تھا۔ دو سپاہیوں نے محمود رانا کو بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا اور ٹیٹو ان سب کے پیچھے مستعد کھڑا تھا۔

"یہ ایک خطرناک مجرم ہے سارجنٹ۔ براہ کرم آپ اسے ہمارے ساتھ پولیس ہیڈکوارٹر لے چلئے۔ تمام صورتحال آپ کے سامنے آجائے گی۔"

سارجنٹ نے ان لوگوں سے تعاون کیا۔ سعدی نے شکیلہ اور ٹیٹو کو ائیر پورٹ بھیج دیا تاکہ بیگم جہاں آرا ہدایت پور کو خوش آمدید کہہ سکیں اور پولیس سارجنٹ نے ان کے لئے پولیس وین کا انتظام کر دیا۔ چنانچہ محمود رانا کو اپنی تحویل میں لے کر وہ پولیس ہیڈکوارٹر روانہ ہو گئے۔ ان کی ذہنی کیفیت بھی درست نہیں تھی ایسی انہونی بات تھی کہ خود انہیں یقین نہیں آ رہا تھا اگر محمود رانا بدحواس ہو کر دوڑ نہ پڑتا تو شاید وہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کر پاتے۔

ایک اعلیٰ پولیس افسر نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ اور محمود رانا سے اس کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ رانا نے اس دوران خود کو سنبھال لیا تھا۔ "یہ لوگ مجھے پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ میرا نام عبدالجلیل ہے اور میں ایک معزز آدمی ہوں میری مونچھیں ایسی ہی شاندار تھیں شیو بناتے ہوئے خراب ہو گئیں اور مجھے اپنا چہرہ برا لگنے لگا چنانچہ میں نے نقلی مونچھیں لگائیں تاکہ لوگ میرا مذاق نہ اڑائیں۔

پولیس افسر کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ طرح دیوانہ وار دوڑ کیوں پڑا تھا اس نے بتایا کہ وہ انہیں پاگل سمجھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس سوال پر کہ وہ ائیر پورٹ کیوں گیا تھا اس نے کہا اس کا ایک دوست آنے والا تھا جسے ریسیو کرنے کے لئے وہ گیا تھا۔

یہ تمام باتیں اس نے ذہنی انتشار کے عالم میں کہی تھیں کیونکہ اس کی جیبوں کی تلاشی لینے پر کینیڈا کا پاسپورٹ ویزا اور کینیڈا کا ٹکٹ برآمد ہوا جو اسی وقت کی فلائٹ کا تھا۔ ان چیزوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتا سکا تھا۔

"جرم کرنے کے لئے بڑے پختہ ذہن کی ضرورت ہوتی ہے محمود رانا صاحب آپ تو

اپنے چہرے پر صحیح طور سے مونچھیں بھی نہ فٹ کر سکے۔" سعدی نے کہا۔

"حرام خور۔ میں نے تمہیں پچاس ہزار۔" رانا کہتے کہتے رک گیا۔ بہرحال وہ مشکوک تھا اسے لاک اپ کر دیا گیا اور پھر ہر مرض کی دوا انسپکٹر فولاد کو طلب کر لیا گیا بند کمرے میں انسپکٹر فولاد اور محمود رانا کے درمیان کچھ خفیہ مذاکرات ہوئے اور تھوڑی دیر بعد انسپکٹر فولاد نے پوری کہانی انہیں سنا دی۔"

"وہ کینیڈا جا رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی بیوی سہیل عادل نامی کسی شخص سے تعلقات رکھتی ہے۔ وہ ان دونوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اس نے بینک سے بڑی بڑی رقمیں نکال کر یہ دولت کینیڈا منتقل کر دی اور پھر اپنے قتل کے الزام میں ان دونوں کو ملوث کر کے گمنام طور پر یہاں سے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ پروگرام اس نے اپنے ایک ہمشکل کو دیکھ کر بنایا تھا جس کا نام عبدالجلیل تھا۔ عبدالجلیل سے اس نے ہمشکلی کی بنا پر دوستی گانٹھی ان دونوں میں صرف مونچھوں کا فرق تھا۔ چنانچہ اس نے عبدالجلیل کو قتل کر کے اس کی مونچھیں صاف کر دیں اور اپنی جگہ اسے دیدی۔ اور خود نقلی مونچھوں کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی لیکن مونچھوں ہی نے اسے مروا دیا وہ محمود رانا ہی ہے عبدالجلیل کا قاتل۔"

محمود رانا کے بیگ میں رقومات کی تفصیل کے کاغذات وغیرہ بھی مل گئے تھے۔

بہرحال اس سلسلے میں سعدی اور ظفری نے اپنے بیانات قلمبند کرائے اور آواز وغیرہ کا ٹیپ پیش کرنے کا وعدہ کر کے پولیس افسروں سے اجازت طلب کر لی۔ باہر نکل کر ظفری بولا۔

"کیا خیال ہے۔ اب پہلے بیگم جہاں آرا کی خدمت میں حاضری دی جائے یا ان دونوں خوش نصیبوں کو یہ خوشخبری سنائی جائے۔"

"میرے خیال میں پہلے ہم سہیل عادل اور دردانہ کو یہ خبر سنا دیں اور اب بیگم صاحبہ سے تو اب معذرت طلب کرنی ہی پڑے گی۔" سعدی نے کہا۔ اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

زاوی چین لکھتا تھا۔ دفتر کے معاملات پر سکون تھے۔ کوئی کیس بھی ابھی تک نہیں ملا تھا لیکن جیب میں پیسے موجود تھے اس لیے اضطراب بھی نہیں تھا۔ جن حالات میں گزارنے کی عادت تھی وہ تو ایسے تھے کہ آسمان کی چھت اور زمین کا بستر بھی ہو تو کام چل جائے۔ نانبائی کی دکان کی دو روٹیاں اور نہاری مل جائے تو عیاشی کہلائے۔ ایرانی کے ہوٹل کی ایک چائے۔ واہ واہ۔

چہ جائیکہ صورت حال یہ تھی کہ بیگم مطلق صاحبہ کے ہاتھوں کے پکے ہوئے کھانے۔ کبھی ماش کی دال کبھی آلو کا شاہی بھرتا۔ کبھی قورمہ۔ کبھی پائے کبھی مسالے والی بریانی۔ سونے کے لیے عمدہ بستر ہر طرح کا آرام اور جیب میں ہزاروں روپے۔

بھلا پھر فکر کس بات کی۔ البتہ ایک فکر ضرور تھی۔ کوئی کیس ملنا چاہیے۔ آمدنی جاری رہنی چاہیے۔ پورا مستقبل پڑا ہے۔ یہ چند ہزار روپے کب تک ساتھ دیں گے۔ چنانچہ دفتر میں میٹنگیں ہوتی رہتی تھیں اور غور کیا جاتا رہتا تھا کہ کیا کیا جائے۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کارکردگی کے لیے ایک لائحہ عمل بنا لیا گیا تھا۔ اور یہ بات متفقہ طور پر طے کر لی گئی تھی کہ کوئی ایسا کیس کبھی نہیں لیا جائے گا جو قابل دست اندازی پولیس ہو کسی کو کوئی ایسا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا جو مالی یا جسمانی نقصان کا باعث ہو۔ ہاں اگر آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کسی دولت مند کو کوئی مشکل درپیش ہو تو دوسری بات ہے۔ اور ایسا ہی کیس لیا جا سکتا ہے۔

اخبار میں اشتہار بدستور جاری تھا۔ اور ہر دوسرے تیسرے دن یہ دلچسپ اشتہار اخبار

میں نمایاں نظر آتا تھا لیکن ابھی تک کوئی ضرورت مندان تک نہیں پہنچا تھا۔

اس شام جب تینوں گھر میں داخل ہوئے تو ماحول کچھ سوگوار سا تھا۔ بیگم صاحبہ کی مسکراہٹ میں اداسی تھی اور مطلق صاحب بھی بجھے بجھے سے تھے۔

"خیریت۔؟" تینوں کے منہ سے بیک وقت کورس کے انداز میں نکلا اور مطلق صاحب ہنسنے لگے۔

"باہر۔ سے طے کر کے آئے تھے تم لوگ۔ بہت چالاک ہو۔" انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات۔۔۔۔؟" اس بار بھی تینوں ہی ایک ساتھ بول پڑے تھے اور پھر جب انھیں احساس ہوا کہ دوسرا جملہ بھی یکساں نوعیت کا ہے تو وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے۔

"ہاں ہاں فرمائیے آج آپ کورس میں ہی گفتگو کر رہے ہیں۔" مطلق صاحب نے کہا اور سعدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"دیکھو بھئی تم لوگ مجھے اپنا نمائندہ بنا لو۔ میں گفتگو کیے لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ظفری اور شکیلہ نے گردن ہلا کر کہا۔

"جناب مطلق صاحب کیا مسئلہ ہے آپ اور چچی جان اداس کیوں ہیں؟"

"ارے بھائی اندر تو چلو۔ دروازے پر ہی سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آؤ منہ ہاتھ دھوؤ چہرے سے تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ کوئی خاص بات ہوگی تو بتا دی جائے گی تسمیں لیکن چائے کی میز پر۔" مطلق صاحب نے کہا۔ وہ اپنے انداز میں شگفتگی پیدا کر رہے تھے۔ لیکن فطرت میں فریب نہیں تھا۔ اس لیے اس کوشش میں کامیاب نظر نہیں آ رہے تھے۔

بہر صورت سعدی، ظفری اور شکیلہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ منہ ہاتھ دھو کر گھر میں پہننے والے کپڑے پہنے اور چائے کی میز پر آ گئے۔ بیگم صاحبہ نے چائے لگا دی تھی۔ وہ خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

"جی مطلق صاحب چائے کی میز پر آپ کے انکشاف کی بات ہم نے منظور کر لی تھی لیکن چائے اس وقت شروع ہوگی جب آپ ہمیں اس بدلے ہوئے ماحول کے بارے میں بتا دیں گے۔" سعدی نے کہا اور مطلق صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں، انسان بعض اوقات بڑی معمولی معمولی باتوں سے متاثر ہو جاتا ہے۔ دراصل مجھے نوٹس مل گیا ہے۔"

"کیسا نوٹس؟" سعدی نے چونک کر پوچھا۔

"مدت ملازمت پوری ہو چکی ہے اور پتا نہیں کیوں میں خود بھی اپنے آپ کو اس کام کے لیے اب موزوں نہیں پا رہا۔ دفتر میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ یہ غلطیاں نہ ہونے پائیں۔ لیکن دماغ بھی کافی کمزور ہو گیا ہے اور پھر شعرا اور شاعری کا اتنا غلبہ رہنے لگا ہے اب کہ مجھے کسی حکیم سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ اشعار ذہن میں آتے ہیں اور رجسٹروں میں لکھ جاتا ہوں۔ کئی بار مینجر صاحب نے بلا کر جھاڑ پلائی ہے۔ اور بھی بہت سی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ غلطیاں نہ ہوتیں تو ممکن تھا کہ مدت ملازمت میں کچھ توسیع کر دی جاتی۔ پہلے دو تین بار وارننگ مل چکی تھی اور اب انھوں نے مدت ملازمت پوری ہونے سے فائدہ اٹھایا اور میرے ریٹائرمنٹ کا نوٹس جاری کر دیا گیا۔ مجھے تو کوئی خاص فکر نہیں ہے لیکن ان بیگم صاحبہ کا خیال ہے کہ ہماری مشکلات کا دور شروع ہو چکا ہے۔ یعنی اگر تنخواہ نہیں ملے گی اور فنڈ کی رقم بیٹھے بیٹھے کھاتے رہیں گے تو وہ بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ہم دونوں فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے بھئی سعدی میاں ذرا سمجھاؤ ان محترمہ کو فنڈ کی رقم دو چار سو تو نہیں ہوگی۔ اتنی ضرور ہوگی کہ ہم اس سے کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جتنی رقم مجھے ملے گی اس میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جا سکتا جو ہمیں فوری طور پر کوئی بہتر منافع دے سکے لیکن میاں کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا اور پھر یہ مکان ہے اگر ہم اس کی دوسری منزل بنالیں تو وہ کرائے پر چڑھ سکتی ہے۔ دو افراد نہ اولاد نہ دوسرا کنبہ کیا مشکل پیش آئے گی ہمیں۔ مگر صاحب کیا کریں ہر چند کہ ان سے بہت سے اختلافات رہتے ہیں۔ لیکن ان کی اداسی ہمیں بھی اداس کر دیتی ہے۔ چنانچہ اگر تھوڑی بہت تبدیلی تم محسوس کر رہے ہو۔ تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔" مطلق صاحب نے کہا۔

بیگم صاحبہ اس دوران چائے بناتی رہی تھیں۔ انھوں نے چائے کی پیالیاں ان تینوں کے سامنے سرکا دیں۔ ایک پلیٹ میں گرم جلیبیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بڑی چاہ سے یہ پلیٹ ان لوگوں کی جانب بڑھائی۔ لیکن سعدی اپنی کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے غصیلے انداز میں ظفری اور شکیلہ سے کہا۔

"اٹھو تم لوگ اپنے بستر باندھو اور چلو یہاں سے۔" مطلق صاحب اور ان کی بیگم ان الفاظ پر ششدر رہ گئے تھے۔

"سعدی سعدی میاں کیا ہوا تمھیں بیٹے؟" مطلق صاحب شدید حیرت کے عالم میں بولے۔

"مطلق صاحب بھلا اب اس گھر میں رہنے سے کیا فائدہ جہاں دو کنگال انسان رہتے ہوں۔ ایک بزرگ اور ایک خاتون۔ ہمیں آپ سے کیا لینا ہے۔ یہاں رہنے میں تو صرف ایک ہی فائدہ تھا۔ عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی تھیں۔ مفت کا مکان ملا ہوا تھا۔ بس یہی دلچسپی تھی ہمیں آپ لوگوں سے، اب جبکہ آپ اپنی ملازمت سے ریٹائر ہو گئے ہیں تو اب ہمیں یہاں رہنے سے کیا فائدہ۔ آپ لوگ خود اپنے مسائل میں گرفتار ہو جائیں گے تو ہمیں کیا کھلائیں گے۔" سعدی نے کہا۔ مطلق صاحب کرسی کی پشت سے ٹک گئے تھے۔ ان کے چہرے پر پیلاہٹ صاف محسوس ہوتی تھی۔ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں بھی لرزش پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے بے بسی کی نگاہوں سے شکیلہ اور ظفری کی جانب دیکھا۔ ظفری اور شکیلہ بھی حیرت سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ سعدی جو کچھ کہہ رہا تھا اس نے ان کا دماغ بھی ماؤف کر دیا تھا۔ یہ سعدی کے الفاظ تو نہیں ہو سکتے تھے۔ بمشکل تمام مطلق صاحب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"سعدی بیٹے یہ تم کیا کہہ رہے ہو، ایسا ممکن نہیں ہے میں جب تک زندہ ہوں تمھیں

یہاں پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"رہنے دیجیے مطلق صاحب اب آپ کہاں سے ہمیں کھلائیں گے اور کیوں کھلائیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں آپ پر بار کیوں بنے رہیں۔ ہمارے پریشانی کے لمحات تھے آپ کی وجہ سے گزر گئے۔ اب ہم لوگ اچھی خاصی حیثیت کے مالک ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ اب کیوں رہیں۔ ہم کوئی اور مکان لے لیں گے۔ اب تو ہم اس کا کرایہ بھی دے سکتے ہیں۔" سعدی نے کہا اور ظفری چیخ پڑا۔

"سعدی سعدی! یہ کیا بکواس شروع کردی تم نے' کیا بک رہے ہو تم۔ غور کر رہے ہو اس بات پر؟"

"تم نے بھی غور کیا ہے ظفری کہ مطلق صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم کون لگتے ہیں ان کے بتاؤ کیا ہیں ہم لوگ۔ سڑکوں پر پریشان حال اور آوارہ پھرتے ہوئے دو نوجوان اور ایک لڑکی جنھیں ان لوگوں نے ترس کھا کر اپنے گھر رکھ لیا۔ ان کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تاکہ ان کی عاقبت سنور جائے اور یہ اپنے اللہ کے سامنے کہہ سکیں گے کہ انھوں نے زمین پر بے سہارا انسانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ ہم لوگ ان کے لیے بے سہارا انسانوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ظفری اور جہاں محبتوں کو اس پیمانے پر تولا جائے وہاں رہنا بیکار ہے سمجھے تم۔ میں تمھیں مجبور نہیں کروں گا لیکن میں یہاں سے فوراً جا رہا ہوں۔" سعدی نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ ایک بار پھر حیران رہ گئے تھے۔ اور مطلق صاحب پر بھی حیرت کا دوسرا حملہ ہو رہا تھا۔ انھوں نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سعدی بیٹے سعدی میاں جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو تمھارے یہ الفاظ تمھارے پہلے الفاظ کی نفی کر رہے ہیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا بیٹے۔"

"مطلق صاحب کیا آپ نے ہمیں اتنا ہی خود غرض کمینہ انسان پایا کہ آپ ہمیں اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے۔" سعدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں بیٹا میں نے تو تمھیں اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے۔ ہمارے اپنے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی یہ خدا کی مرضی تھی لیکن تم تینوں کے مل جانے کے بعد میرے دل کی تمام حسرتیں پوری ہوگئی تھیں۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اب تمھارے ساتھ ہی زندگی گزرے گی اور میرا گھر بھی ایک بھرا پڑا گھر کہلائے گا۔ یہاں نہیں رہوں گا جہاں بھی رہوں گا اب زندگی کے آخری سانس تک تمھارے ساتھ رہوں گا۔ یہ احساس تو میرے لیے باعث تقویت تھا۔"

مطلق صاحب کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

"مگر آپ کے الفاظ میرا مطلب ہے پہلے الفاظ ان الفاظ کی نفی کرتے ہیں مطلق صاحب' آپ ریٹائر ہو چکے ہیں' آپ کو فنڈ ملے گا تو آپ اس سے کاروبار کریں گے' اس عمر میں الجھنیں اٹھائیں گے پریشانیاں اٹھائیں گے۔ اگر ہم دونوں آپ کے بیٹے میں اس طرح ہیں جس طرح آپ فرماتے ہیں تو کیا آپ کو یا چچی جان کو کوئی فکر کرنی چاہیے تھی۔ جن والدین کے دو جوان بیٹے ہوں انھیں مستقبل کے لیے پریشان ہونا چاہیے؟ میں شکیلہ کی بات نہیں کرتا کیوں کہ وہ لڑکی ہے لیکن مطلق صاحب ہمارے سینوں میں بھی ہمارے ماں اور باپ زندہ ہو چکے ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ کو اسی طرح چاہتے ہیں جس طرح دو انتہائی محبت کرنے والے بیٹے اپنی ماں اور اپنے باپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے حکم کے خلاف اپنے جسم کو ایک ہلکی سی جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ اور اس کے باوجود آپ پریشانیوں کا شکار ہیں۔ کیا یہ ہمارے منہ پر تھپڑ نہیں ہے۔ مطلق صاحب جس انداز میں ہمیں اس گھر میں سہارا ملا ہے کیا اس کے بعد اس کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ آپ اور ہم خود کو الگ الگ سمجھیں۔" سعدی نے کہا اور بیگم صاحبہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"ارے ارے بھئی یہ کیا ڈرامہ شروع ہوگیا۔ کچھ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ ہاں ہاں واقعی مگر یار بیگم تم بھی تو احمق ہو۔ بالکل۔ یہ بات تو میرے ذہن میں ہی نہ آئی تھی۔ بھئی ماں ہونے کی وجہ سے تم پر بھی فرض لازم ہوتا تھا کہ مجھے اس نکتے سے آگاہ کرتیں۔ درحقیقت والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولادیں ہی تو ان کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ لاحول ولا قوت کس احمقانہ حرکت کا شکار

ہو گئے ہم لوگ۔ ارے بھئی ہمارے تو دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ کیا بوڑھے والدین کا سہارا بیٹے نہیں ہوتے۔

''لعنت ہے اس نوکری پر' اور ریٹائرمنٹ مل گیا تو بڑا ہی اچھا ہوا۔ اب گھر بیٹھے عیش سے کھائیں گے۔ میں نئی غزلیں کہوں گا اور تم ہی ان کی سامع ہوگی۔ غلطی ہوگئی بجو اب تم ہمیں کبھی اداس نہیں دیکھو گے اور سعدی یار تم تو بڑے ہی تلخ انسان ہو۔ ایسی ایسی باتیں کہہ گئے کہ کلیجہ چیر کر رکھ دیا۔'' مطلق صاحب نے سعدی کی طرف رخ کر کے کہا۔

''آپ نے بھی ہمیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا تھا مطلق صاحب' آخر آپ نے یہ بات سوچی ہی کیوں کیا یہ بہتر تھی؟''

''ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ بھئی معافی چاہتا ہوں اور سنو آج مرغ مسلم پکوایا ہے اپنے ریٹائرمنٹ کی خوشی میں' خود ہی لیتا ہوا آیا تھا۔ بیگم نے جب چولہے پر رکھ دیا تو پھر میں نے انھیں یہ خبر سنائی۔''

''ارے دیکھو تو سہی بیگم جل تو نہیں گیا۔ خراب نہیں ہونا چاہیے۔'' مطلق صاحب کی زندہ دلی پھر ابھر آئی تھی۔

اس رات قہقہے ابھرتے رہے۔ سعدی اور ظفری شکیلہ اور بیگم صاحبہ اور مطلق صاحب خاصی رات گئے تک ہنگامہ خیزیاں کرتے رہے تھے۔ دوسرے دن دفتر پھر لگ گیا دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک مطلق صاحب کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ طے یہ کر لیا گیا تھا کہ آئندہ جو بھی کمائی ہوگی بیگم صاحبہ کے قدموں میں رکھ دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ سارے اخراجات اٹھائیں۔ اس وقت بھی کافی رقم موجود تھی جس میں سے ایک حصہ فوری طور پر بیگم صاحبہ کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا اور یہ سب مطمئن ہو گئے۔

درحقیقت تینوں کے دل میں مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کے لیے محبت کے جذبات موجود تھے۔

''مضطرب صاحب' بھائی مضطرب صاحب۔'' سعدی نے آواز لگائی اور مضطرب صاحب ایک شعر گنگناتے ہوئے اندر تشریف لے آئے۔''

''عرض کیا ہے۔''

''کچھ نہیں عرض کیا۔ کافی پلوائیے۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔'' سعدی بولا۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی اور سب چونک پڑے۔

''اپنے ہی دروازے پر ہے؟'' ظفری نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''اپنے ہی دروازے پر ہے کافی ملتوی کر دیجیے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' مضطرب صاحب نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ مستعد ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ دفعتاً دروازہ زور سے کھلا اور سفید سوٹ میں ملبوس ایک شخص اندر گھس آیا۔ اس کا قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ بدن اس قد کی مناسبت سے بہت بھاری تھا۔ سر پر سفید ہی رنگ کا ہیلمٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی ہیئت عجیب لگ رہی تھی۔ مضطرب صاحب اس کے کوٹ کا نچلا حصہ پکڑے ہوئے گھسیٹتے چلے آرہے تھے۔ غالباً وہ اس ٹھنگنے کو روکنے میں ناکام رہے تھے۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو کر ان تینوں کو گھورنے لگا' ہیلمٹ کے نیچے سرخ سرخ آنکھیں کافی خطرناک لگ رہی تھیں' پھر وہ مضطرب صاحب کی طرف پلٹا۔

''کوٹ چھوڑتے ہو یا نہیں؟'' اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔ اور مضطرب صاحب نے جلدی سے کوٹ چھوڑ دیا۔

''میاں تم اس طرح باؤلے بیل کی طرح اندر کیوں گھس آئے۔ آخر یہ دفتر ہے اس کے کچھ اصول ہیں۔ کمال کی بات ہے۔'' مضطرب صاحب بولے۔

''اچھی طرح جانتا ہوں' بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس دفتر کو خدا غارت کرے تم لوگوں کو۔'' موٹے آدمی نے بوڑھی عورتوں کی طرح ہیلمٹ پیٹتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ سر پیٹنا چاہتا تھا لیکن چونکہ سر پر ہیلمٹ منڈھا ہوا تھا اس لیے اس نے ہیلمٹ ہی پیٹنے پر اکتفا کی اور پھر رک

گیا۔ سعدی ظفری اور شکیلہ متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"غارت ہو جاؤ تم لوگ روئے زمین پر تمھارا وجود نہ رہے۔ کیڑے پڑیں تمھارے جسموں میں اور تم سڑکوں پر گھسٹتے پھرو۔" اس نے کہا۔

"سبحان اللہ۔ سبحان اللہ یہ آپ اپنی غزل سنا رہے ہیں۔" ظفری نے جھومتے ہوئے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"اڑا لو میرا مذاق اڑا لو ایک دن ایسا آئے گا کہ دنیا تمھارا مذاق اڑائے گی۔ جیلوں میں ٹھنسے ہو گے تم لوگ کوڑے پڑ رہے ہوں گے تمھاری پشت پر۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں گی یہ موٹی موٹی۔" اس نے دونوں انگلیوں کے اشارے سے بیڑیوں کا سائز بتایا۔

"بہتر ہے محترم جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا لیکن آپ تشریف تو رکھیے۔" سعدی سنبھل کر بولا۔

"لعنت ہے تشریف رکھنے والے پر۔" موٹے آدمی نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لعنت ہے مصرعہ ثانی ہے مگر چھوٹا ہے۔" ظفری بدستور پُرمذاق انداز میں بولا۔

"ظفری خاموش ہو جاؤ پلیز۔ محترم آپ یہ ہیلمٹ تو اتاریئے سر سے اطمینان سے بیٹھیے سر کو ہوا لگے گی تو شاید غصہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ ہیلمٹ میں پھنسا ہوا ہے۔" سعدی نے کہا اور موٹا آدمی دونوں ہاتھ میز پر مار کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار خبردار۔ بے وقوف سمجھتے ہو۔ مجھے۔ ارے واہ بالکل ہی احمق سمجھا ہے۔ ہیلمٹ اتاروں تاکہ تم میری کھوپڑی کو فٹ بال بنا لو۔ سب سمجھتا ہوں۔ اچھی طرح۔"

"جی؟" سعدی نے آنکھیں بھینچ کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں اتاروں گا بالکل نہیں اتاروں گا اب دیکھوں گا کہ تم لوگ کیسے میرے سر پر چپتیں مارتے ہو۔"

"اللہ اکبر کہاں سے تشریف لائے ہیں محترم۔ نمبر کیا تھا آپ کا۔" سعدی نے سوال کیا۔

"کیسا نمبر کہاں کا نمبر؟"

"پاگل خانے کی بات کر رہے ہیں۔" عقب سے مضطرب صاحب کی آواز سنائی دی۔ اور موٹا آدمی جھلا کر مضطرب صاحب کی طرف گھوم گیا۔

"ابے تو باہر جائے گا یا نہیں۔ مسلسل میرا مذاق اڑائے جا رہا ہے۔ کوٹ کیوں پکڑا تھا تو نے بول کوٹ کیوں پکڑا تھا۔" وہ مضطرب صاحب کی طرف پلٹا اور مضطرب صاحب بوکھلائے ہوئے سے باہر نکل گئے۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اندر آنے والا کوئی مہذب پاگل ہی ہو سکتا ہے۔

"ہاں ہاں تشریف رکھیے اور اگر ہیلمٹ اتار لیں تو۔"

"دیکھو ہیلمٹ کی بات نہیں کرنا اچھا نہیں ہوگا۔ خون خرابہ ہو جائے گا۔ ذرا حالت تو دیکھو میرے سر کی۔ کم بختو تم نے میرا بھیجہ ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں دیکھوں آپ کے سر کی حالت کیا ہو گیا ہے آپ کے سر کو۔" اس نے نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"دیکھو بیٹھ جاؤ۔ دیکھو اچھا نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں بیٹھ جاؤ۔" موٹا آدمی شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ اور شکیلہ بھی ٹھنڈی سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اچھی بات ہے آپ تشریف رکھیے اور بتایئے کہ آپ کو کیا تکلیف ہے۔"

"تم لوگوں کی وجہ سے میری کوئی حیثیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ سڑکوں پر لڑکے ہنستے ہیں جب میرے سر پر چپتیں ماری جاتی ہیں۔ لعنت ہو تم پر خدا تمھیں غارت کر دے یا مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔" موٹے آدمی نے دونوں ہاتھ چھت کی طرف کر کے کہا۔

"کون چپتیں مارتا ہے آپ کے سر پر؟" سعدی نے پوچھا۔

"تم لوگوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ یقیناً تم اسی کے آدمی ہو گے۔ اس کم بخت

بلیک میلر کے جس نے میرا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

"بلیک میلر؟"

"دیکھو بولو مت اچھا نہیں ہوگا۔ میں تمہاری مطلوبہ رقم لے آیا ہوں خدا کے واسطے میری جان بخشی کر دو۔ تمھیں اللہ کا واسطہ۔" موٹے آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکال لیا اور اس میں سے سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں نکال کر میز پر دے ماریں۔ "یہ پچاس ہزار ہیں پورے پچاس ہزار نقلی نہیں ہیں۔ دیکھ لو اپنی بھینس جیسی آنکھوں سے اور گن لو انھیں۔" اس نے بدستور غصیلے انداز میں کہا۔

تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ مضطرب صاحب دروازے میں تھوڑی سی دراز کر کے اندر جھانک رہے تھے۔ نوٹ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ سعدی نے ہاتھ بڑھا کر تمام گڈیاں جمع کیں اور پھر سوالیہ انداز میں نو وارد کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"میں چاہتا ہوں یا تم۔ تم جو چاہتے ہو وہ کہو یہ بتاؤ کہ اس کے بعد میری جان چھوٹ جائے گی یا نہیں؟" اس نے بدستور غصیلے انداز میں پوچھا۔

"محترم آپ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ جو کچھ آپ نے اب تک کہا ہے اس میں عقل کی ایک بات بھی شامل نہیں ہے۔ اگر آپ یہ ہیلمٹ اتار دیں تو شاید سوچ سمجھ کر بات کریں دیکھیے نا ہیلمٹ میں کافی گرمی ہوتی ہے اور اب تو آپ موٹر سائیکل بھی نہیں چلا رہے۔"

"کیا کہا موٹر سائیکل۔ میں موٹر سائیکل چلاتا ہوں۔ دماغ میرا خراب ہے یا تمھارا۔ لیموزین کار ہے میرے پاس۔ سمجھے بالکل نئے ماڈل کی۔" موٹے آدمی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"لیموزین؟" شکیلہ متحیرانہ انداز میں بولی۔

"جھانک کر دیکھ لو فٹ پاتھ کے پاس کھڑی ہے۔ کیا سمجھتی ہو تم مجھے اچکا ہوں میں کوئی؟" موٹا آدمی چڑچڑی عورتوں کے انداز میں بولا۔

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ آپ تو شکل وصورت سے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن آپ یہ ہیلمٹ پہن کر کار کیوں چلاتے ہیں۔" شکیلہ نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تم لوگ اپنی حماقتوں سے باز آ جاؤ۔ خدا کی پناہ سر چکرا کر رہ گیا ہے۔ مسلسل درد رہتا ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہم لوگ ہی آپ کے سر پر چپتیں مارتے ہیں؟"

"تم نہیں مارتے ہو گے تو تمھارے اور کارکن ہوں گے۔ کم بختوں نے مٹی پلید کر کے رکھ دی ہے۔ بہرصورت میں یہ رقم لے کر آیا ہوں۔ تم اس کو وصول کر لو۔ خود رکھو یا اس موذی کو پہنچا دو جو مجھے فون پر بور کرتا رہتا ہے۔ بس اب میری جان چھوٹ جانی چاہیے۔ اس سے کہہ دینا کہ اس کے علاوہ ایک پائی نہ دے سکوں گا۔"

"مگر آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے؟" موٹے آدمی نے سوال کیا۔

"وہی ہے وہی ہے مگر ہمارا ان معاملات سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہو یا نہ ہو۔ یہ تم جانو۔ اس بدنصیب نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں یہ رقم تم تک پہنچا دوں اور میں یہ دے کر جا رہا ہوں۔ اب تم جانو اور تمھارا کام بس میں چلتا ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

"ارے ارے سنیے تو سہی۔ سنیے تو سہی۔" سعدی نے اپنی کرسی کھسکائی اور کھڑا ہو گیا۔

"لعنت ہے سننے والے پر اور لعنت ہے تم سنانے والوں پر۔ بس اب میں ایک لمحے یہاں نہیں رکوں گا۔" اس نے کہا اور طوفان کی طرح دروازے کی جانب بڑھا۔ مضطرب صاحب نے دروازے سے دور چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ کسی ارنے بھینسے کی طرح دروازے سے نکل گیا اور اس کے باہر نکلتے ہی مضطرب صاحب غڑاپ سے اندر داخل ہو گئے۔

"کک کتنے ہیں۔" انھوں نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"پاگل ہو گئے ہیں آپ۔ ہم لوگ تو خود مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔ آخر یہ کون تھا اور یہاں کیسے گھس آیا؟" سعدی نے کہا لیکن مضطرب صاحب کی نگاہ نوٹوں کی ان گڈیوں پر جمی ہوئی تھی جو میز پر رکھی تھیں۔

"کافی معلوم ہوتے ہیں۔ سوسو کے نوٹ ہیں نا سارے کے سارے؟" انھوں نے سوال کیا۔

"مضطرب صاحب کیا کہا تھا میں نے آپ سے؟" سعدی بولا۔

"اوہ" مضطرب صاحب سعدی کے لہجے پر چونک پڑے۔

"کافی لے کر آیئے' جایئے جلدی۔"

"اوہ ہاں ہاں ابھی لایا' ابھی جاتا ہوں۔" مضطرب صاحب مرے مرے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

"پورے پچاس ہزار ہیں بلا شک وشبہ اور نوٹ بھی اصلی ہی لگتے ہیں۔ مگر یہ قصہ کیا ہے۔ ڈی ڈی ٹی کے حوالے سے یہ رقم ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ اور کسی موذی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ موذی کون ہے آخر۔ اور اس رقم کا معاملہ کیا ہے۔" سعدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور شکیلہ نے بیزاری کے عالم میں ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو" وہ آہستہ سے بولی۔

"کہاں سے بول رہی ہیں آپ؟" ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔"

"گڈ۔" اسی آواز نے کہا۔ "رقم مل گئی آپ کو؟" سوال کیا گیا اور شکیلہ چونک پڑی۔

"کیسی رقم۔" اس نے تحیر آمیز لہجے میں کہا اور سعدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"غالباً تم سعدی بول رہے ہو؟" سوال کیا گیا اور سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "جی ہاں بول تو سعدی ہی رہا ہوں لیکن آپ کو نہیں پہچان سکا۔" اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"مجھے پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے مسٹر سعدی۔ میں آپ لوگوں سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ ڈی ڈی ٹی کے اغراض ومقاصد میری سمجھ میں اچھی طرح آ گئے ہیں اور تم لوگ میرا اعتماد دیکھو کہ میں نے اتنا بڑا کام تمھاری وساطت سے کر لیا اور تمھیں اس سلسلے میں اطلاع بھی نہیں دی۔"

"کون صاحب ہیں آپ اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ کی یہ فضول باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر اس نے کہا۔ "وہ موٹا آدمی تمھیں پچاس ہزار روپے دے گیا ہے؟"

"کون موٹا آدمی؟"

"فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ میری معلومات محدود نہیں ہیں۔ کام کی باتیں کرو۔ میں تمھارے لیے ہر طرح ایک منافع بخش آدمی ثابت ہوں گا۔"

"جی فرمایئے کیا کام کی باتیں کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

"ان پچاس ہزار روپوں میں سے بیس پرسنٹ یعنی دس ہزار روپے تمھارے باقی چالیس ہزار روپے ایک پیکٹ میں پیک کرو اور اچھی طرح مضبوطی سے انھیں باندھ کر آج شام ٹھیک ساڑھے سات بجے نیشنل پارک کے مشرقی گوشے میں جو ایک کوڑے کا ڈرم رکھا ہوا ہے اس میں ڈال دو۔ میں انھیں حاصل کر لوں گا۔ بیس پرسنٹ کمیشن تمھارا اور سنو آئندہ بھی تمھارے حوالے سے ایسے کام کرتا رہوں گا۔"

"سنو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو جب تک تم ہمیں یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ پچاس ہزار روپے کس

مقصد کے لیے حاصل کیے گئے ہیں اور کیا چکر ہے؟ ہم تمھارے لیے کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

"دیکھو سعدی میں نے کتنے اعتماد سے یہ کام تمھارے حوالے سے کر دیا ہے۔ ڈی ڈی ٹی جیسے اداروں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ تم کس قسم کے کام کر سکتے ہو۔ اگر میں نے تم سے پوچھے بغیر یہ سب کچھ کر لیا تو تمھارا کیا خیال ہے غلط کیا؟"

"بالکل غلط" سعدی نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ہمیں اس رقم کے حصول کی وجہ نہیں معلوم، جہاں تک اندازہ ہوتا ہے تم کوئی بلیک میلر ہو اور تم نے یہ رقم بلیک میلنگ کے ذریعے حاصل کی ہے۔ لیکن بلیک میلنگ کے کسی اور معاملے میں ہمارے ادارے کو ملوث کرنا ایک احمقانہ کوشش ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے۔ ہم اتنی آسانی سے تمھارے فریب میں آ جائیں گے۔"

"بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو سعدی۔ اس دفتر میں بیٹھ کر کیا قوم کی فلاح کے لیے کچھ کر رہے ہو۔ کس قسم کی امداد کرتے ہو تم لوگوں کی۔ کیا اصول ہیں تمھارے اپنے ادارے کے؟"

"یہ سب کچھ تمھیں اس وقت بتایا جا سکتا ہے جب تم ہمارے پاس آؤ۔ ہم سے ملو اور اپنی کوئی مشکل بیان کرو اس طرح دس ہزار روپے کا لالچ دے کر تم ہمیں کسی غیر قانونی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"تب تم گدھے ہی معلوم ہوتے ہو۔ جتنے قانونی کام ہیں ان کے نتیجے میں انسان کو چھ سو سات سو یا آٹھ سو روپے تنخواہ ہی مل سکتی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تم نے یہ ادارہ بنایا ہے۔ یہ جرأت کی ہے تو اس سے کچھ کماؤ اور حماقت کی باتیں چھوڑ دو۔ شام کو یہ رقم نیشنل پارک میں پہنچ جانی چاہیے۔"

"ہرگز نہیں۔ تم ہم سے اس احمقانہ کام کی توقع نہ رکھو۔ یہ رقم اس کے مالک کو واپس لوٹا

دی جائے گی۔ ہمیں اس میں سے کوئی کمیشن نہیں چاہیے۔ شکریہ۔" سعدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ ظفری اور شکیلہ مطمئن انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ سعدی نے سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا اور ظفری گردن ہلا کر بولا۔

"بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلیک میلنگ کیس ہے۔"

"اور اس کم بخت نے اس بے چارے کی کھوپڑی پر چپتیں مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اتنا پاگل کر دیا ہے اسے کہ وہ ہیلمٹ پہنے پھرتا ہے۔" سعدی بولا اور شکیلہ پھر ہنس پڑی۔

"وہ آدمی بھی تو بڑا عجیب تھا۔"

"ہاں شکیلہ، انسان پر جب برا وقت آتا ہے تو وہ اتنا ہی عجیب ہو جاتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔" سعدی نے کہا۔ شکیلہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر سعدی یہ معاملہ کچھ بہتر نظر نہیں آتا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم نے اس بلیک میلر کی بات نہیں مانی۔ اب وہ ہمارا دشمن ہو جائے گا۔"

"تو پھر؟" سعدی نے سوال کیا۔

"میرا مقصد ہے اس قسم کے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ ویسے بھی تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ڈی ڈی ٹی کے مقاصد میں کم از کم یہ بات شامل نہیں ہے کہ وہ بلیک میلر کی معاونت کرے۔ ہمیں ایسے دس ہزار ہرگز نہ قبول ہوں گے لیکن میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ بلیک میلر کی وجہ سے کسی الجھن کے شکار نہ ہو جائیں۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" سعدی نے کہا اور نوٹ احتیاط سے ایک رومال میں باندھ لیے۔

"ان نوٹوں کو میرے خیال میں گھر پر محفوظ کر دیا جائے اور اس شخص کا پتہ لگایا جائے۔

کاش ہم اس کی لیموزین کا نمبر ہی دیکھ سکتے۔" سعدی نے کہا اور ٹھوڑی کھجانے لگا۔ اسی وقت مضطرب صاحب کافی کی ٹرے لیے اندر داخل ہو گئے تھے۔ انھوں نے ٹرے میز پر رکھی اور کافی بنانے لگے لیکن چور نگاہوں سے وہ میز کے کونوں کھدروں کو تلاش کر رہے تھے۔ ریک میں جھانک رہے تھے۔ غالباً نوٹوں کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتے تھے۔" تب سعدی نے نرم لہجے میں انھیں بتایا کہ صورتحال کیا تھی۔ اس نے یہ بھی کہا ہم اس قسم کی رقم کبھی قبول نہیں کریں گے اور مضطرب صاحب بھی ان کے ہم خیال ہو گئے۔

پورا دن اسی شخص کے بارے میں گفتگو کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ شام کو تینوں گھر پہنچے تو گھر کی فضا پہلے کے مانند پائی بلکہ بیگم صاحبہ اور مطلق صاحب پہلے سے بھی کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ مطلق صاحب بات بات پر شعر سناتے رہے اور پھر انھوں نے مضطرب کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"ارے بھئی وہ شاعر اعظم کہاں ہیں۔ اس دن کے بعد سے تو اس نے اس طرف کا رخ ہی نہیں کیا۔"

"ناراض ہیں آپ سے' غزل کا معاملہ تھا۔ میرا خیال ہے پہلے تین معاملات پر تنازعہ چلتا تھا۔ یعنی زن' زر اور زمین اور اب یہ معاملات چار ہو گئے ہیں یعنی زن' زر اور زمین اور غزل۔" سعدی نے کہا اور مطلق صاحب ہنس پڑے۔

"اچھی دریافت ہے تمھاری لیکن بھئی مضطرب صاحب کو بلا کر لاؤ کل کو۔ صلح کر لیں گے ان سے بھی۔ کم از کم اپنا ہم خیال آدمی ہے۔ بس ذرا جذباتی ہو گئے تھے۔ اس دن ہم دونوں نے ایک ہی بحر میں غزل کہی تھی' الفاظ مختلف تھے۔ خیالات مختلف نہ رہ سکے۔" رات کے کھانے کے بعد سعدی نے دو ہزار روپے بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کر دیے۔"

"یہ پہلے مہینے کی تنخواہ ہے۔"

"کیا مطلب۔" بیگم صاحبہ چونک پڑیں۔

"مگر یہ بے موقع تنخواہ کہاں سے آ گئی اور پھر تم لوگ میرا مطلب ہے تم لوگوں کی آمدنی کیا ہے۔ تم نے تو کبھی اس بارے میں بتایا ہی نہیں' جہاں تک رہا مسئلہ دو ہزار کا تو میرے لیے یہ زیادہ ہیں۔ مجھے کٹ کٹا کر تیرہ چودہ سو روپے مل جاتے تھے اور ان میں اللہ کے فضل سے اچھی خاصی گزر ہو رہی تھی دو ہزار نہیں لیں گے میاں' دینا ہو تو وہی تنخواہ دے دینا جو مجھے ملتی تھی۔" مطلق صاحب بولے۔

"جی نہیں مطلق صاحب۔ ہزار قبول کرنے ہوں گے آپ کو' دراصل ہماری فضول خرچیاں بھی تو بڑھ گئی ہیں اور پھر آپ یقین فرمائیں۔ یہ دو ہزار ہمارے لیے تکلیف دہ نہیں ہوں گے۔ اگر ہوتے تو آپ کو نہ دیتے۔ البتہ ایک بات کی درخواست کی جاتی ہے آپ سے چچی جان کہ جس وقت بھی گھر کے معاملات میں کوئی ضرورت پیش آئے۔ آپ تردد نہ کریں گی۔"

"اب تردد کیا کروں گی جب سب کچھ ہو ہی گیا ہے۔ تو پھر اب تو اپنی ضرورت تم ہی لوگوں سے کہنا پڑے گی۔" بیگم صاحبہ نے پیسے رکھ لیے۔ سعدی وہ پچاس ہزار روپے گھر لے آیا تھا۔ کسی کو بتائے بغیر اس نے یہ رقم محفوظ کر دی اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ ظفری کی ذمہ داری لگا دی گئی تھی کہ وہ موٹر سائیکل پر شہر گردی کرے اور اس موٹے آدمی کو تلاش کرے طے یہ کر لیا گیا تھا کہ پٹرول کی رقم نکال کر بقیہ رقم اس کے حوالے کر دی جائے۔ ظفری نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور دوسرے ہی دن اس کی ڈیوٹی شروع ہو گئی۔ کاروں کی جانچ پڑتال کی جانے لگی تھی لیکن اتفاق کی بات تھی کہ شہر میں ایک بھی لیموزین نظر نہ آئی۔ پانچ یا چھ دن گزر چکے تھے۔ یہ لوگ اس شخص کی تلاش میں ناکام تھے کہ ساتویں دن وہ پھر آ گیا۔ مضطرب صاحب نے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو وہ چیختے ہوئے اندر گھس آئے۔

"آ گیا' آ گیا' وہ آ گیا۔" تینوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ "کون آ گیا۔ کیا ہو گیا آپ کو مضطرب صاحب۔ کیا کوئی شعر دماغ میں اٹک گیا ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ارے نہیں وہی پچاس ہزار روپے والا آ گیا۔ اسی انداز میں طوفان کی طرح گھسا چلا

آ رہا ہے۔"

"آپ نیچے جائیں اور اس کی لیموزین کار کا نمبر نوٹ کرلائیں۔ اس کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔" سعدی نے انھیں ہدایت کی۔ اس کے بعد تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اس بار پھر موٹا آدمی اسی طرح غراتا ہوا اندر آیا تھا۔ ہیلمٹ اب بھی اس کے سر پر تھا لیکن شکل پر بدستور بارہ بج رہے تھے۔

"لعنت ہو تم پر لعنت ہوارے تمھارا ستیاناس کس دن فنا ہو گے تم لوگ۔" وہ کراہتا ہوا بولا اور سعدی ہنس پڑا۔

"تشریف لائیے۔ تشریف لائیے۔ بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ ہم آپ کا کئی دنوں سے انتظار کررہے تھے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو دیکھو۔ میں زیادہ اچھا آدمی نہیں ہوں۔ شریف آدمی ضرور ہوں لیکن اگر بدمعاشی پر اتر آیا تو تم لوگوں کیلئے مصیبت بن جاؤں گا۔ ارے خدا کے بندو انسان بنو۔ خدا کے واسطے انسان بنو تم سوچو کیا ملتا ہے تمھیں ان باتوں سے یہ دیکھو۔ یہ دیکھو۔ یہ میری پیٹھ پر جو کوڑا بہہ رہا ہے۔ یہ تمہاری شرافت اور انسانیت کی نشانی ہے۔" وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا اور سعدی' ظفری اور شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کی پشت پر غلیظ نشانات نظر آ رہے تھے۔ غالباً کوئی انڈا پھوٹا تھا۔ یقیناً کوئی گندہ انڈا۔

"یہ یہ کیا ہے؟" سعدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"تخم ہے۔ سمجھے اور کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے ناچتے ہوئے کہا اور شکیلہ کو پھر ہنسی آ گئی۔

"دیکھیے محترم۔ آپ پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر یہاں آئے ہیں۔"

"جی نہیں' جی نہیں کوئی غلط فہمی نہیں۔ یہ مزید پچاس ہزار روپے قبول فرمایئے اور اس کے بعد مجھے موقع دیجیے کہ میں خودکشی کرلوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور جیب سے لفافہ نکال کر سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں پھر ان کے سامنے ڈال دیں۔ سعدی ایک گہری سانس لے

کر رہ گیا تھا۔

"تفصیل بتایئے۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا تفصیل بتاؤں بدبختو۔ بالآخر میں ایک دن کسی چھوٹی سی قبر میں سوؤں گا' اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔"

"خیر چھوٹی سی قبر تو آپ کے لیے قطعی ناکافی ہوگی۔ میرا خیال ہے جو قبر آپ کے لیے بنائی جائے گی وہ پانچ فٹ لمبی ہوگی اور تین فٹ چوڑی۔ عام قبروں میں نیا اضافہ ہوگا۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مذاق مت اڑاؤ۔ میرا مذاق مت اڑاؤ۔ باز آ جاؤ۔ خدا سے ڈرو۔ خدا سے ڈرو۔"

"آپ کبھی پرسکون ہو کر بات ہی نہیں کرتے محترم۔ نہ آپ نے اپنا تعارف کرایا نہ ہمیں اپنے بارے میں بتایا۔ بس غصے میں آتے ہیں اور یہ نوٹ پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ محترم ہمیں ان نوٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کسی بدبخت نے آپ کو ہماری طرف سے بدظن کرنے کے لیے یہ جال پھیلایا ہے۔ آپ یقین فرمایئے ہمارا کسی بلیک میلر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ جو پچاس ہزار روپے دے گئے تھے وہ آج تک محفوظ ہیں ہمارے پاس آپ کی امانت کے طور پر۔ آپ کے جانے کے بعد ہمیں ایک ٹیلی فون ملا تھا جس میں ہمیں پیش کش کی گئی تھی کہ ہم دس ہزار روپے ان پچاس ہزار روپوں میں سے قبول کرلیں اور چالیس ہزار روپے نیشنل پارک کے ایک کوڑے دان میں پھینک دیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ پیش کش بھی کی گئی تھی کہ وہ شخص آئندہ بھی ہم سے کام لیتا رہے گا۔ مگر ہم نے اسے ڈانٹ دیا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ لوگوں کی مدد کرنے کا ارادہ ہے کسی جرم کی اعانت کرنے کا نہیں۔ اگر آپ کسی ایسے مجرم سے خوفزدہ ہیں' پریشان ہیں جو آپ کو مختلف طریقوں سے پریشان کرتا ہے تو آپ ہماری خدمات حاصل کیجیے۔ ہم اس مجرم کو تلاش کر کے آپ کے تعاون سے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس کے نتیجے میں آپ ہمیں ہمارا معاوضہ ادا کر دیجیے۔ جو یقینی طور پر ایک لاکھ روپے نہیں ہوگا۔ مقصد اس بات کا یہ ہے کہ آپ یہ نہ تصور فرمایئے

کہ ہم اس طرح آپ کو اپنا گاہک بنا کر لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس بلیک میلر کو تلاش کرنے کا معاوضہ صرف پندرہ ہزار روپے ہوگا۔ پچاس ہزار روپے آپ کے موجود ہیں اور یہ رقم جو آپ لے کر آئے ہیں اسے یہاں سے اٹھا لیجیے۔" موٹے آدمی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ بے یقینی کے انداز میں ان تینوں کی صورتیں دیکھتا رہا۔ اور پھر ہیلمٹ سر سے اتار کر میز پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"کیا تم لوگ سچ کہہ رہے ہو۔" اس نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"بالکل سچ۔ قطعاً سچ۔ ہم آپ کو جو کچھ بتا چکے ہیں اس میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ جس طرح چاہیں اپنی تسلی کر لیں۔"

"تب تو پھر مجھے ہی غلط فہمی ہوئی۔ لیکن اس ذلیل انسان نے تمھارا ہی پتہ مجھے بتایا تھا۔ تم خود دیکھ لو یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے اور جب مجھے یہ رقم تمھاری ہی معرفت پہنچانی تھی تو پھر میں تمھاری طرف سے غلط فہمی کا شکار کیوں نہ ہوتا۔"

"یقیناً آپ کی غلط فہمی بجا ہے۔ ہمیں اس کا پورا پورا اعتراف ہے۔ بہرصورت اب تو صورتحال آپ کو معلوم ہوگئی ہے۔ ہم نے اس بلیک میلر سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ رقم ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ اگر آپ کل زحمت فرمائیں تو آپ کو مل جائے گی۔ یہ گڈیاں آپ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھیے اور ہمیں بتائیے کہ کیا آپ ہماری امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"خدا کے واسطے، خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ میں اس بدبخت کے چنگل میں پھنسا ہوں۔ بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔ کیا بتاؤں تمھیں بس کیا بتاؤں۔" اس شخص نے کہا اور سعدی اسے ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"بلیک میلنگ کب سے کی جا رہی ہے۔"

"میں نے یہ پہلی ہی قسط ادا کی ہے۔ میرا مطلب ہے پچاس ہزار۔ اس دوران وہ مجھے طرح طرح سے پریشان کرتا رہا ہے۔ بھری پری سڑکوں پر میرے سر پر تھپڑ مارے جاتے ہیں۔ اور

جب سے میں نے ہیلمٹ پہننا شروع کیا ہے تو ان تھپڑوں کی جگہ گندے انڈوں نے لے لی ہے۔ ابھی پچھلی ہی رات میں ایک پارٹی میں شریک تھا۔ اچھا خاصا دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انڈا میرے سر پر آ کر لگا اور میرا پورا چہرہ اس کی غلاظت میں ڈوب گیا۔ دوستوں کے مذاق کا نشانہ بنا لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے وہ انڈا مارا تھا۔ پھر آج صبح کو دفتر جا رہا تھا کہ راستے میں پھر ایک انڈا میرے سر پر پڑا اور اب تھوڑی دیر پہلے اس طرف آ رہا تھا کہ کسی نے تاک کر یہ انڈا میری پشت پر مارا اور میرا تمام کوٹ خراب ہو کر رہ گیا۔ میں ایک باعزت آدمی ہوں۔ اس قسم کی حرکات برداشت نہیں کر سکتا۔" موٹے آدمی نے کہا۔

"بس اسی بنیاد پر وہ آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ صرف اس طرح کے انڈے اور تھپڑ مار مار کر آپ کو اتنی بھاری رقم ادا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا اور سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اس کا مطلب ہے بلیک میلنگ کی وجہ کچھ اور ہے؟"

"ہاں۔" اس نے بدستور مردہ سی آواز میں کہا۔

"اگر آپ اپنا تعارف کرا دیتے تو بہتر ہوتا۔"

"میں کوئی بہت زیادہ معروف آدمی نہیں ہوں۔ یہاں میرا کوئی کاروبار نہیں ہے۔ بس اس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا کہ مجھے سیٹھ کونڈا والا کہا جاتا ہے۔ میرے اپنے مسائل ہیں۔ ان کی وجہ سے میں اپنا پورا تعارف نہیں کرا سکتا۔ مجھے اس کے لیے معاف کر دینا۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ کونڈا والا۔ کوئی حرج نہیں ہے، ہمیں اس سے زیادہ معلومات کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب آپ ہمیں اس بلیک میلر کے بارے میں بتائیے؟"

"وہ شخص انتہائی شاطر ہے، بہت بڑا بدمعاش ہے، وہ کھلم کھلا لوگوں کو لوٹتا ہے۔ بلیک میل کرتا ہے اور ان سے رقومات وصول کرتا ہے۔ پولیس کے اعلیٰ عہدے داروں سے اس کے تعلقات ہیں۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بظاہر وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ لیکن

میں اس کے ٹھکانے سے واقف ہوں۔ میں سیدھا سادا شریف آدمی ہوں۔ یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ پولیس کو اس کی طرف متوجہ کروں۔ پولیس خود میری جان کی گاہک ہو جائے گی۔ بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں۔''

''جس وجہ سے وہ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے وہ کیا ہے؟''

''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا' اس کے پاس میرے کچھ کاغذات ہیں۔ سرخ رنگ کا ایک فائل ہے جس پر سیٹھ کونڈا والا لکھا ہوا ہے۔ اگر یہ فائل مجھے مل جائے تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ تم یقین کرو میں اسی کی وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں ورنہ کبھی کا افریقہ چلا جاتا۔''

''افریقہ؟'' سعدی نے سوال کیا اور کونڈا والا کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔

''سوری سوری۔'' بس منہ سے یہ لفظ نکل گیا۔'' براہ کرم تم اس سلسلے میں مجھ سے اور کچھ مت پوچھو۔ اگر تم وہ فائل حاصل کرلائے تو میں تمہیں پندرہ کے بجائے پچیس ہزار روپے نقد ادا کروں گا۔ تم یقین کرو میں اس کے لیے سخت پریشان ہوں۔ یہ رقم پچاس ہزار روپے بھی ہو سکتی ہے۔'' کونڈا والا نے کہا اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

''نہیں پچیس ہزار ہی ٹھیک ہے۔ ہم آپ کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔''

''کیا تم میری مدد کرنے پر آمادہ ہو؟''

''ہاں یقیناً لیکن ابھی آپ نے ایک بات اور بھی کہی تھی کہ آپ اتفاقیہ طور پر اس کی رہائش گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔''

''ہاں میں اسے ایک عمارت میں گھستے دیکھ چکا ہوں' ایک بار نہیں کئی بار۔ میں نے اس عمارت کی نگرانی بھی کی ہے۔ دو ایک بار میں نے اسے اس عمارت سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ یقیناً یہ وہی بلیک میلر ہے مگر وہ بہت چالاک ہے۔ تم لوگ سوچ لو کیا تم اس کے قبضے سے وہ

فائل نکال کر لا سکتے ہو۔''

''اس کی کوشش کی جائے گی مسٹر کونڈا والا' آپ کو صرف یہ زحمت کرنی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کی رہائش گاہ دکھا دیں۔ ویسے بڑی تعجب کی بات ہے کہ آپ اس کی شخصیت اور اس کی رہائش گاہ سے واقف ہونے کے باوجود اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ پولیس کے تمام ہی افراد تو غلط نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی تو آپ کی مدد پر آمادہ ہو جاتا۔''

''بھائی میں مقامی آدمی نہیں ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ کچھ الجھنوں کا شکار ہو کر یہاں آیا ہوں۔ میری یہاں آمد کی وجہ وہ فائل ہی ہے۔ اگر وہ فائل مجھے مل جائے تو یوں سمجھ لو کہ میرا سارا مسئلہ حل ہو جائے اور میں خاموشی سے افریقہ چلا جاؤں۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ یہاں کے بارے میں میری معلومات کچھ نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے کسی سے تعلقات ہیں' اس کے علاوہ اس فائل کی وجہ سے میں منظر عام پر بھی نہیں آنا چاہتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ بلیک میلنگ کی وجہ کچھ نہ کچھ تو ہوگی ہی' وہ معاملہ اگر میں پولیس کے پاس لے جاتا ہوں تو میرے لیے تکلیف کا باعث بن جائے گا۔''

''ہوں اس کا مقصد ہے فائل کے کاغذات میں بھی کسی غیر قانونی کام کا تذکرہ ہے۔''

''ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ کسی کے لیے نقصان دہ ہو۔ میرا کچھ ذاتی سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے مجھے کچھ دوستوں میں شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور کاروبار میں بہت بڑا گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا۔ تم یقین کرو کہ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ اگر میں مجرم ہوتا تو اس سے نمٹنے کے بجائے پچاس ہزار روپے ادا کرنے نہ آ جاتا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی میں جرائم پیشہ آدمی نہیں ہوں۔ بس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔''

یہ دلیل بھی قابل غور تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے اس کی اس بات سے اتفاق کیا۔ اور پھر یہ بات طے ہو گئی کہ سیٹھ کونڈا والا دوسرے دن آئے گا۔ ظفری کو اس کی رہائش گاہ دکھائے گا اور اس کے بعد یہ لوگ وہ فائل حاصل کر کے کسی نہ کسی طرح سیٹھ کونڈا والا کو پہنچا دیں گے۔ اس سلسلے میں پچیس ہزار روپے معاوضہ طے ہو گیا تھا۔ سعدی نے فطری ایمان داری سے کام لیتے

ہوئے سیٹھ کونڈا والا سے درخواست کی تھی کہ کل جب وہ آئے تو اپنی رقم ان سے وصول کر لے۔

سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار کے نوٹ سمیٹ کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے ان کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اور اس بار جب وہ گیا تو بڑا پرسکون تھا۔ مضطرب صاحب اس وقت بھی دروازے پر موجود نہ تھے۔ ہاں جب وہ چلا گیا تو وہ اندر آ گئے اور معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

''بن گیا کام۔''

''کیا مطلب۔''

''میرا مطلب ہے کوئی کام کی بات ہوئی۔ ویسے میں اسکی کار کا نمبر لے آیا ہوں کار کا نمبر ہے 7777 یعنی سات ہزار سات سو ستتر۔ ویسے اس پر کار کرائے پر دینے والی ایک کمپنی کا مونوگرام بھی بنا ہوا ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اس کا مقصد ہے کار کرائے کی ہے۔''

''ہوں' مضطرب صاب آپ تو واقعی کام کے آدمی ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ آپ کی ذہانت ہے۔''

''پیسوں کا کیا معاملہ ہے۔'' مضطرب صاحب نے پوچھا۔

''اس کے پچاس ہزار روپے کی رقم اس کو واپس کر دی جائے گی۔ البتہ اس کا کیس حل گیا ہے جس کا معاوضہ ہمیں پچیس ہزار روپے ملے گا۔''

''پچیس ہزار۔'' مضطرب صاحب پھر خوش ہو گئے۔

''جی ہاں پچیس ہزار۔'' سعدی نے جواب دیا۔

''چائے لاؤں۔'' مضطرب صاحب نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا اور سعدی ہنسنے لگا۔ ''لے آیئے۔ لے آیئے۔''

''سیٹھ کونڈا والا کے جانے کے بعد یہ لوگ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جو معاملات سامنے آئے تھے کچھ غیر حقیقی تھے۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ بلیک میلر نے اپنے شکار کو ان کے ذریعہ

حلال کرنے کی کوشش کی تھی۔ پچاس ہزار روپے کی رقم ان کے پاس محفوظ تھی۔ بلیک میلر ان سے بات کر چکا تھا اور انھوں نے اس کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک خاموشی سی تھی۔ بلیک میلر کی جانب سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی تھی اور سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار روپے لے کر پھر آ گیا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے الجھن کا باعث تھی اور وہ اس کی گہرائی کا جائزہ لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ ممکن ہے وہ ان سے پھر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سنائی دینے والی آواز وہی تھی جو اس سے قبل وہ سن چکا تھا۔

''کون بول رہا ہے۔ سعدی؟'' بڑی بے تکلفی کے انداز میں پوچھا گیا۔

''جی ہاں سعدی ہی عرض کر رہا ہے۔'' سعدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میرا شکار آج پھر تمھارے پاس آیا تھا سعدی۔ کیا تم نے اس سے وہ پچاس ہزار روپے وصول کیے؟'' سوال کیا گیا۔

''دیکھو دوست۔ تم پہلے بھی یہ فضول باتیں کر چکے ہو۔ اور آج پھر وہی رٹ لگائے ہوئے ہو۔ مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے کہ جب پہلی بار میں نے تم سے تعاون نہیں کیا تو دوبارہ اس شخص کو یہاں کیوں بھیج دیا؟''

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر اس نے کہا۔

''صرف اس لیے کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ۔ پچاس ہزار روپے کی رقم پہلے تمھارے پاس پہنچ چکی ہے' اگر تم اپنے حالات درست کرنا چاہتے ہو تو میں وہ رقم تمھارے پاس چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ دوسرے پچاس ہزار جو سیٹھ کونڈا والا تمھارے پاس لے کر آیا تھا اگر تم نے حاصل کر لیے ہیں تو دس ہزار اس میں سے اپنا کمیشن کاٹو اور چالیس ہزار روپے جس طرح میں نے تمھیں پہلے بتایا تھا کہ اسی طرح میرے حوالے کر دو۔ ساٹھ ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی سعدی۔ تم چھ ماہ تک کوشش کرو تب کہیں جا کر اتنی رقم کما سکتے ہو۔ اور پھر جو ادارہ تم نے کھولا ہے وہ اچھی

ہوئے سیٹھ کونڈا والا سے درخواست کی تھی کہ کل جب وہ آئے تو اپنی رقم ان سے وصول کر لے۔

سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار کے نوٹ سمیٹ کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے ان کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اور اس بار جب وہ گیا تو بڑا پرسکون تھا۔ مضطرب صاحب اس وقت بھی دروازے پر موجود نہ تھے۔ ہاں جب وہ چلا گیا تو وہ اندر آ گئے اور معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

"بن گیا کام۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب ہے کوئی کام کی بات ہوئی۔ ویسے میں اسکی کار کا نمبر لے آیا ہوں کار کا نمبر ہے 7777 یعنی سات ہزار سات سو ستتر۔ ویسے اس پر کار کرائے پر دینے والی ایک کمپنی کا مونوگرام بھی بنا ہوا ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اس کا مقصد ہے کار کرائے کی ہے۔"

"ہوں' مضطرب صاب آپ تو واقعی کام کے آدمی ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ آپ کی ذہانت ہے۔"

"پیسوں کا کیا معاملہ ہے۔" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"اس کے پچاس ہزار روپے کی رقم اس کو واپس کر دی جائے گی۔ البتہ اس کا کیس حل گیا ہے جس کا معاوضہ ہمیں پچیس ہزار روپے ملے گا۔"

"پچیس ہزار۔" مضطرب صاحب پھر خوش ہو گئے۔

"جی ہاں پچیس ہزار۔" سعدی نے جواب دیا۔

"چائے لاؤں۔" مضطرب صاحب نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا اور سعدی چہنے لگا۔ "لے آیئے۔ لے آیئے۔"

"سیٹھ کونڈا والا کے جانے کے بعد یہ لوگ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جو معاملات سامنے آئے تھے کچھ غیر حقیقی تھے۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ بلیک میلر نے اپنے شکار کو ان کے ذریعہ

حلال کرنے کی کوشش کی تھی۔ پچاس ہزار روپے کی رقم ان کے پاس محفوظ تھی۔ بلیک میلر ان سے بات کر چکا تھا اور انھوں نے اس کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک خاموشی سی تھی۔ بلیک میلر کی جانب سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی تھی اور سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار روپے لے کر پھر آ گیا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے الجھن کا باعث تھی اور وہ اس کی گہرائی کا جائزہ لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ ممکن ہے وہ ان سے پھر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سنائی دینے والی آواز وہی تھی جو اس سے قبل وہ سن چکا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔ سعدی؟" بڑی بے تکلفی کے انداز میں پوچھا گیا۔

"جی ہاں سعدی ہی عرض کر رہا ہے۔" سعدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میرا شکار آج پھر تمھارے پاس آیا تھا سعدی۔ کیا تم نے اس سے وہ پچاس ہزار روپے وصول کیے؟" سوال کیا گیا۔

"دیکھو دوست۔ تم پہلے بھی یہ فضول باتیں کر چکے ہو۔ اور آج پھر وہی رٹ لگائے ہوئے ہو۔ مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے کہ جب پہلی بار میں نے تم سے تعاون نہیں کیا تو دوبارہ اس شخص کو یہاں کیوں بھیج دیا؟"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر اس نے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ۔ پچاس ہزار روپے کی رقم پہلے تمھارے پاس پہنچ چکی ہے' اگر تم اپنے حالات درست کرنا چاہتے ہو تو میں وہ رقم تمھارے پاس چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ دوسرے پچاس ہزار جو سیٹھ کونڈا والا تمھارے پاس لے کر آیا تھا اگر تم نے حاصل کر لیے ہیں تو دس ہزار اس میں سے اپنا کمیشن کاٹو اور چالیس ہزار روپے جس طرح میں نے تمھیں پہلے بتایا تھا کہ اسی طرح میرے حوالے کر دو۔ ساٹھ ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی سعدی۔ تم چھ ماہ تک کوشش کرو تب کہیں جا کر اتنی رقم کما سکتے ہو۔ اور پھر جو ادارہ تم نے کھولا ہے وہ اچھی

طرح میرے علم میں ہے۔ ظاہر ہے وہاں بیٹھ کر تم قوم کی فلاح کے لیے کام نہیں کرو گے۔ تمھیں ایسے ہی کیس ملیں گے جن میں کسی کا مفاد اور کسی کو گھاٹا ہو گا۔ چنانچہ اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو کیا حرج ہے۔ میں تمھیں اپنے شکار دوں گا۔ تمھارا کام صرف اتنا ہو گا کہ ان سے رقومات وصول کرو اور اپنا کمیشن کاٹ کر مجھ تک پہنچا دو۔ اس کے علاوہ بھی جو کچھ تم کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہو گا یعنی میں صرف تمھیں اپنا محکوم بنا کر نہ رکھوں گا۔ بلکہ ہم لوگ مل کر نئے نئے شکار پھانسنے کی کوشش کریں گے۔ سمجھو سعدی' اس سے بہتر پیش کش کوئی نہیں ہو سکتی۔ تمھارا مستقبل بن جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ جان من سیٹھ کونڈا والا کو اس کی پہلی رقم بھی واپس کر دی گئی ہے اور وہ رقم بھی جو وہ ساتھ لے کر آیا تھا۔ تم یہ رقم اس سے کسی اور طریقے سے وصول کر سکتے ہو۔ ہم ذرا شریف لوگ ہیں۔ اس قسم کی بدمعاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ تم فون کرنے کی حماقت نہیں کرو گے۔" سعدی نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ ظفری اور شکیلہ مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ سعدی نے سوالیہ انداز میں انھیں دیکھا اور انھوں نے اس کی تائید میں گردن ہلا دی۔ چند ساعت خاموشی رہی پھر سعدی نے کہا۔

"مجھے اس ٹیلی فون کا انتظار تھا۔ وہ کوئی ٹھنڈی طبیعت کا آدمی ہے۔ اور باقاعدہ ہمیں اپنے شکنجہ میں کسنا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے سوال کیا۔

"شکیلہ' ساٹھ ہزار روپے کی رقم کوئی بلاوجہ ہی کسی پر خرچ نہیں کر دیتا۔ اس نے ہمیں یہ ساٹھ ہزار کا لالچ دے کر ہمارے ہاتھ خریدنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ہمارے ہاتھ باندھ دینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے بلیک میلر بن کر ہم اس کے لیے جو کچھ کریں گے وہ غیر قانونی ہو گا اور اگر وہ ہمارے خلاف ہو جائے تو سیٹھ کونڈا والا ہی عدالت میں کھڑے ہو کر بآسانی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ہم بلیک میلر کے آلۂ کار تھے اور بلیک میلنگ کی رقم وصول کرتے تھے۔ کیا خیال ہے تمھارا۔ کیا وہ ہمیں یہ

دھمکی نہیں دے سکتا۔ دراصل شکیلہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ابھی اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ یہ ادارہ درحقیقت کوئی رفاہی ادارہ نہیں ہے۔ لیکن ہم کوئی ایسی جعل سازی نہیں چاہتے جس سے کسی کو براہ راست نقصان پہنچے اور پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن سیٹھ کونڈا والا کے سلسلے میں کیا کرو گے۔"

"وہ ایک ٹھیک کام ہے' اگر سیٹھ کونڈا والا ہمیں تمام تر معلومات فراہم کر دیتا ہے' تو ہم کوشش کریں گے کہ اس کا فائل حاصل کر لیں گے' اگر اس طرح ہمیں پچیس ہزار روپے مل جاتے ہیں تو زندہ باد۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" سعدی نے جواب دیا اور شکیلہ اور ظفری اس سے مکمل طور پر متفق ہو گئے۔

دوسرے دن تقریباً گیارہ بجے سیٹھ کونڈا والا وعدے کے مطابق پہنچ گیا۔ وہ مطمئن اور مسرور نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر وہی حماقت پھیلی ہوئی تھی جسے دیکھ کر خواہ مخواہ ہنسی آنے لگتی تھی۔ ان تینوں نے پرتپاک انداز میں اس کا استقبال کیا۔ پچاس ہزار روپے کی وہ رقم جو سعدی کے پاس محفوظ تھی سعدی لے آیا تھا۔ سب سے پہلے یہ نوٹ سیٹھ کونڈا والا کو پیش کر دیے گئے۔

"آپ انھیں اچھی طرح سنبھال لیں' جانچ پڑتال کر لیں۔ رقم پوری کی پوری ہے۔ اس کے بعد دوسری گفتگو ہو گی۔" سعدی نے کہا اور سیٹھ کونڈا والا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے اعتماد ہے' آپ لوگ درحقیقت اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کاش آپ میرا یہ کام کر دیں۔ میں نا صرف یہ کہ اس کا معاوضہ آپ کو دوں گا بلکہ تازندگی آپکا احسان مند رہوں گا۔"

"ہم لوگ یہاں بیٹھے ہی اس لیے ہیں سیٹھ کونڈا والا کہ آپ جیسے لوگوں کی مدد کریں۔ آپ کیا پینا پسند کریں گے۔ چائے منگوائی جائے یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟"

"نہیں بہت بہت شکریہ' آپ حسب وعدہ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں؟"

"جی ہاں' یقیناً۔ میرے ساتھی مسٹر ظفری آپ کی گاڑی کا موٹر سائیکل پر تعاقب کریں

گے۔ مطلوبہ جگہ پہنچ کر آپ گاڑی روک دیں۔ مسٹر ظفری آپ کے نزدیک پہنچ جائیں گے۔ آپ انہیں اشارے سے اس عمارت کے بارے میں بتا دیں اور پھر سیدھے نکل جائیں۔ بس صرف اتنا ہی کافی ہوگا۔ اس کے بعد ہم کوشش کریں گے کہ آپ کا کام کرسکیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ تو پھر چلا جائے۔" سیٹھ کونڈا والا نے پوچھا۔ اور سعدی نے کھڑے ہو کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ظفری سیٹھ کونڈا والا کے ساتھ ہی نیچے اتر گیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اور ظفری موٹر سائیکل پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ شہر کے ایک پر رونق علاقے سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے جہاں درمیانہ طبقے کے خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے۔ یہ بنگلے نئی آبادی میں شمار ہوتے تھے۔ ایک بنگلے کے سامنے جہاں پیتل کی پلیٹ پر الیس کے افضال لکھا ہوا تھا۔ کونڈا والا گاڑی نے گاڑی روک دی۔ ظفری جو اس سے دو سو قدم پیچھے چل رہا تھا موٹر سائیکل کی رفتار سست کر کے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ رکا اور کونڈا والا نے سامنے پلیٹ کی جانب متوجہ کیا۔

"وہ عمارت ہے جس پر الیس کے افضال لکھا ہوا ہے۔" ظفری نے سوال کیا۔

"ہاں وہی عمارت ہے' کیا میں جاؤں۔"

"ٹھیک ہے' آپ جاسکتے ہیں سیٹھ کونڈا والا۔" ظفری نے جواب دیا اور کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ ظفری اسی جگہ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ لگا کر اس کے پلگ کھولنے لگا تھا۔ اس دوران اس کی نگاہیں بنگلے کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نئی آبادی ہونے کی وجہ سے اس طرح زیادہ رونق نہیں تھی۔ نئی آبادی ہونے کی وجہ سے اس طرف زیادہ رونق نہیں تھی۔ درمیانے طبقے کی آبادی تھی جن میں بنک آفیسر اور کمپنیوں کے ایسے ملازم شامل تھے جن کی آمدنی بس مناسب ہی ہوتی ہے۔ اور وہ اس آمدنی میں چھوٹے موٹے بنگلے ہی بنا سکتے ہیں۔ آبادی زیادہ نہیں تھی بہت سی جگہوں پر ابھی تعمیرات ہو رہی تھیں۔ ظفری نے موٹر سائیکل کے پلگ صاف کر کے دوبارہ لگائے اور پھر موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے گھوم گیا۔ اس نے بنگلے کے گرد ایک چکر لگایا۔ بنگلے

میں زیادہ افراد نہیں معلوم ہوتے تھے۔ خاموش خاموش ویران سا۔ دوسرا بنگلہ بھی اس بنگلے سے تقریباً نصف فرلانگ دور تھا۔ گویا اس بنگلے میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے اور بظاہر کوئی کوشش مشکل نہیں تھی۔ ظفری ذہن ہی ذہن میں پلاننگ کرتا ہوا واپس پلٹ پڑا اور پھر اس نے دفتر آ کر سعدی کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

"کیا خیال ہے ظفری۔ کیا کہتے ہو ان معاملات میں تم۔" سعدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہے۔ دراصل سیٹھ کونڈا والا خود جس ہیئت کا انسان ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بذات خود کسی کے خلاف کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے ہی افراد اپنے مددگار تلاش کرتے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ اسطرح ہم تک پہنچ گیا مجھے یقین ہے کہ وہ باسانی ہمیں پچیس ہزار روپے ادا کر دے گا جب کہ وہ اس بلیک میلر کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔" سعدی نے اس بات سے پورا اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد تینوں پلاننگ کرنے لگے۔ ذہن میں کچھ وسوسے بھی تھے۔ کسی عمارت میں داخل ہونا بہر صورت ایک جرم تھا لیکن جس شخص کی یہ عمارت تھی وہ خود مجرم تھا۔ ظفری اور سعدی کو یہ احساس بھی تھا کہ ممکن ہے وہاں وہ خطرناک حالات سے دوچار ہو جائیں لیکن اس احساس کو یہ کہہ کر مٹایا گیا کہ ہم جن لائنوں پر کام کر رہے ہیں۔ ان میں خطرات تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ ظاہر ہے مسز جمالی جیسی خاتون بار بار نہیں آئیں گی اور ایسے بے ضرر کیس نہیں ملیں گے جن میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے ہی دولت آ جائے۔ کچھ نہ کچھ تو تحریک کرنا ہی ہوگی اور یہ سلسلہ اس کی ابتداء ہے۔ چنانچہ تمام تر ضروری معاملات طے کر لیے گئے اور فیصلہ کیا گیا کہ آج ہی رات اس پر عمل کیا جائے گا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مطلق صاحب سے اس سلسلے میں کیا بہانہ سازی کی جائے گی۔" ظفری نے پوچھا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم لوگ گھر چلیں گے اور یہ پھر یہ کہہ کر واپس آئیں گے کہ ایک دوست نے آخری شو کی دعوت دی ہے اس کے ساتھ ایک فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔"

سعدی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک' بالکل ٹھیک' آسان ترکیب ہے۔ اگر دوست کا حوالہ نہ دیا گیا تو ممکن ہے محترم مطلق صاحب اور مسز مطلق خود بھی تیار ہو جائیں۔" سعدی بولا اور ظفری اور شکیلہ دونوں ہنسنے لگے۔

وہی ہوا۔ تیاریاں مکمل کر لی گئیں تھیں۔ تینوں گھر سے نکل آئے اور کافی رات گئے تک ٹیکسی میں بیٹھ کر آوارہ گردی کرتے رہے۔ فلم وغیرہ کسے دیکھنا تھی بس ان پر کام کی دھن سوار تھی۔ تقریباً پونے گیارہ بجے ظفری انھیں لے کر اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں وہ بنگلہ موجود تھا۔ سڑکوں پر لگے ہوئے کھمبوں کی ملگجی روشنیاں علاقے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹے کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماحول خاصا پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ علاقے کے مکین اپنے اپنے بنگلوں میں گھسے ہوئے اپنے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔ باہر کی فضا ایسی نہ تھی کہ وہ کھلے علاقے میں نکل کر چہل قدمی کرتے ان لوگوں نے ایک جگہ منتخب کی اور شکیلہ کو باہر چھوڑنے کا فیصلہ کر کے ظفری اور سعدی اندر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

"ماحول خاصا خاموش ہے شکیلہ' تمھیں خوف تو محسوس نہیں ہوگا۔" سعدی نے پوچھا اور شکیلہ اکڑ کر بولی۔

"ارے جاؤ جاؤ۔ کیا بولتا پڑا ہابا۔ اپن کا نام شکیلہ نہیں شکیل ہے۔" اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔ شکیلہ کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ درحقیقت شکیلہ صرف نام کی شکیلہ تھی ورنہ اس نے جس طرح ان لوگوں کو الو بنا کر رکھ دیا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بہ مشکل تمام ان لوگوں نے اسے پیرو مرشد کہنا شروع کر دیا تھا۔ ورنہ یہ اندازہ وہ لگا چکے تھے کہ شکیلہ بآسانی ان کے کان کاٹ سکتی ہے۔

عمارت سنسان تھی۔ دروازے کے دونوں ستونوں پر دو چھوٹی چھوٹی روشنیاں لگی ہوئی تھیں جو دروازے کے آس پاس ماحول کو روشن کر رہی تھیں۔ بائیں سمت کی دیوار انھوں نے اندر

جانے کے لیے منتخب کی۔ ادھر چھوٹی چھوٹی گھاس لگی ہوئی تھی اور ایک خالی پلاٹ پڑا ہوا تھا۔ اس خالی پلاٹ کی سطح ہموار تھی اور کوئی ایسی چیز نہ تھی جو انھیں نقصان پہنچا سکتی۔ وہ دونوں اچھل کر تقریباً ساڑھے پانچ فٹ کی دیوار پر بآسانی چڑھ گئے اور پھر دوسری طرف کودنے میں بھی انھیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بنگلے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ درختوں کے پودے لگانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ زمین نم تھی اور چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے کیاریوں کی حد بندی کی گئی تھی۔ صدر دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا۔ بائیں سمت ایک راہداری عقبی حصے میں جاتی تھی۔ انھوں نے یہی راہداری منتخب کی اور اس میں داخل ہو گئے۔ مکان میں اس طرح خاموشی اور سناٹا طاری تھا۔ جیسے وہاں کسی انسان کا وجود نہ ہو۔ اس بات پر انھیں حیرت تھی۔ ممکن ہے وہاں زیادہ افراد نہ رہتے ہوں۔ وہ عقبی دروازے پر پہنچ گئے۔ سعدی نے اس دروازے کو ٹٹول کر دیکھا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر وہ کسی اور دروازے کی تلاش میں عمارت کے گرد چکر لگانے گئے۔ داہنی سمت پر ایک بغلی دروازہ نظر آیا جس کا پٹ تھوڑا اندر کی طرف دبا ہوا تھا۔ اس دروازے کے پاس رک کر ظفری نے ہلکی سی درز پیدا کر کے اندر جھانکا۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہلکا پھلکا سا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ اور ایک گول میز کے گرد چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گول میز پر ایک کتاب اس طرح اوندھی کر کے رکھی گئی تھی۔ جیسے پڑھنے والا اسے پڑھتے پڑھتے چھوڑ کر کسی ضروری کام سے چلا گیا ہو۔ باتھ روم میں روشنی تھی اور اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی نے ظفری کو اشارہ کیا اور دونوں دبے قدموں اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے میں رکے بغیر وہ اس دروازے میں داخل ہو گئے اور یہاں رک کر اپنی تیز تیز سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ واقعی ایک اتفاق تھا کہ انھیں اس آسانی سے اندر داخل ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ دروازے کی اس طرف جہاں وہ آئے تھے ایک اور کمرہ موجود تھا' جو شاید بیڈ روم تھا۔ اس بیڈ روم میں ایک اور دروازہ تھا جو اندر ہی سے بند تھا۔ انھوں نے بیڈ روم میں رکے بغیر اس دروازے کو کھولا اور ایک اور راہداری میں آ گئے جو کچن تک لے جاتی تھی۔ دروازے کے

بائیں سمت ایک اٹیچ باتھ روم تھا جس کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا تھا' چار کمرے تھے اس بنگلے میں لیکن یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ کمرہ روشن تھا جس میں سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے بنگلے میں زیادہ افراد نہیں رہتے یا ممکن ہے اگر رہتے ہوں تو کم از کم وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ ورنہ کسی کی موجودگی کا تو نشان ملتا۔ یہ صورتحال بھی ان کے حق میں بہتر تھی۔ بنگلے کے محل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے طے کیا کہ ایک ایک کمرے کی تلاشی لی جائے۔ ویسے وہ اس شخص کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے تھے جو اس پہلے کمرے میں موجود تھا اور ایک کتاب پڑھتے پڑھتے باتھ روم میں چلا گیا تھا۔ تاہم انھوں نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ سب سے پہلے کمرے کا انھوں نے انتخاب کیا اور اس میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر محدود روشنی والی ٹارچ کی ننھی سی لکیر کمرے کی مختلف چیزوں پر پڑنے لگی۔ الماری' کھڑکیاں' مسہری' رائٹنگ ٹیبل' قالین' ایک ایک چیز پر وہ گہری نگاہ ڈال رہے تھے۔ الماری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی اور وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ ظفری نے جیب سے دو مڑے ہوئے تار نکالے جو اسی خاص مقصد کے لیے حاصل کیے گئے تھے اور الماری کے تالے کے سوراخ میں ڈال کر اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس نے ہینڈل پکڑ کر کھینچا تو الماری کھل گئی۔ الماری میں سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ ایک تجوری بھی تھی جو لاک نہیں تھی۔ اس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ سعدی نے اسے بند کر دیا اور الماری کی دوسری چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ الماری کا جائزہ لینے کے بعد وہ رائٹنگ ٹیبل کی جانب متوجہ ہوئے۔ لیکن پورے کمرے میں انھیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جو ان کے کام کی ثابت ہو سکتی۔ چنانچہ وہ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد دوسرے کمرے کا بھی جائزہ لیا گیا۔ تیسرے کمرے میں انھیں ایک آہنی ریک نظر آیا۔ جو ایک پردے کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس پردے کے پیچھے کوئی ایسی چیز رکھی گئی ہوگی۔ لیکن اتفاقی طور پر سعدی نے پردہ ہٹا کر دیکھ لیا تھا ریک کو کھولنے میں البتہ ظفری کو خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ معمولی تالا نہیں تھا ظفری ابھی ان معاملات میں مشاق بھی نہیں تھا۔ وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہے۔ آخر کار

ریک کا تالا کھل گیا۔ ظفری کو یقین نہیں تھا کہ تالا اتنی جلدی کھل جائے گا۔ بہر صورت انھیں بے حد مسرت ہوئی۔ پھر ریک کا پہلا خانہ دیکھا گیا اس میں کچھ فائل رکھے ہوئے تھے لیکن ان میں سرخ فائل کوئی نہ تھا۔

"ممکن ہے فائل کا کور تبدیل کر دیا گیا ہو۔ کھول کر تو دیکھو۔" سعدی بولا۔

اور ظفری محدود ٹارچ کی روشنی میں جلدی جلدی فائلوں کو دیکھنے لگا۔ بجلی کے بل' ایک کنسٹرکشن کمپنی کے کاغذات اور ایسی ہی دوسری الا بلا ان فائلوں میں موجود تھی جو ظفری اور سعدی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکی۔ انھوں نے دوسرا خانہ کھول لیا' طے یہ کر لیا گیا تھا کہ اگر سرخ فائل نہ ملا تو ان فائلوں کی گٹھڑی باندھ کر لے جائیں گے اور سیٹھ کونڈا والا سے کہہ دیں گے کہ وہ خود ان میں اپنا فائل تلاش کر لے لیکن دوسرے خانے میں ایک سرخ فائل دیکھ کر ان کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ ظفری نے جلدی سے فائل نکالا۔ اس پر نمایاں الفاظ میں سیٹھ کونڈا والا لکھا ہوا تھا۔ ان کی حالت قابل قدر ہو گئی۔ کامیابی اتنی آسانی سے نصیب ہو جائے گی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا انھوں نے۔ ظفری نے جلدی سے فائل کھول کر دیکھا۔ اس میں چند کاغذات لگے ہوئے تھے۔ اس نے فائل بند کر لیا اور پھر ریک کو اندر کی جانب دھکیل دیا۔ وہ دونوں پلٹے ہی تھے کہ دفعتاً کھٹ کی آواز کے ساتھ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ اور دونوں بری طرح اچھل پڑے۔ ان کی پھٹی پھٹی نگاہیں دروازے میں کھڑے ہوئے اس دراز قامت بوڑھے کو دیکھ رہی تھیں جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ تن و توش درمیانہ تھا اور چہرہ بھی شریف لوگوں کا سا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے تصورات نمایاں پائے جاتے تھے۔ اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہو تم۔ کیا کر رہے ہو یہاں؟"

ظفری اور سعدی کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے وہ۔ لیکن پھر دونوں نے ہی خود کو سنبھالا۔ ان حالات میں وہ خطرے کا شکار ہو سکتے تھے۔ سعدی ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"اندر تشریف لائیے محترم۔ ہم کون ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ آپ ہی بخوبی لگا سکتے ہیں۔"

بوڑھا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بدن کی لرزشیں بتاتی تھیں کہ وہ خوفزدہ ہے۔ ویسے سعدی اور ظفری نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ سلیپنگ گاؤن پہنے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ خالی تھا اور دوسرے ہاتھ میں پستول کی بجائے وہ کتاب دبی ہوئی تھی جس کو تھوڑی دیر قبل انھوں نے میز پر اوندھے رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ گویا اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ اور وہ کتاب ہاتھ میں لیے کوئی آہٹ سن کر یہاں چلا آیا تھا۔ اس بات سے انھیں کافی سکون ہوا۔ ویسے یہ بوڑھا چہرے سے بلیک میلر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر وہ بلیک میلر ہوتا تو اتنا غیر محتاط نہ ہوتا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن یہ باتیں سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ ذرا سی گڑبڑ سے وہ مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ پولیس کیس بن سکتا تھا یا پھر بوڑھا ہی ان کا حلیہ درست کر دیتا۔ چنانچہ وہ محتاط نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اگر تم خود کو چور کہنا چاہتے ہو تو میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ تمھارے پاس یہ فائل موجود ہے۔ چوروں کو فائل کی بجائے دولت سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ فائل مجھے دے دو۔ دوسرے کمرے میں ایک الماری ہے۔ اس کی تجوری میں تیس ہزار روپے رکھے ہوئے ہیں' تم وہ روپے لے کر یہاں سے جا سکتے ہو۔" بوڑھے نے [illegible] اور سعدی اور ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ تو زمانہ قدیم کے ان نوابوں کی سی شان رکھتے ہیں محترم جو چوروں کو بھی اپنے گھر سے مایوس نہیں لوٹاتے تھے۔ آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی لیکن براہ کرم آپ دروازے سے ہٹ جایئے ورنہ پھر۔" ظفری نے اس طرح جیب میں ہاتھ ڈالا جیسے پستول نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور بوڑھا خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ سنو بات سنو۔ میں بوڑھا آدمی ہوں اور تم دونوں

نوجوان ہو۔ یقیناً تم ہتھیاروں سے مسلح بھی ہو گے جب کہ میں بالکل نہتا ہوں۔ ان حالات میں میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یقین کرو میں ویسے ہی دل کا مریض ہوں۔ تمھیں اگر میری موت سے دلچسپی نہیں ہے تو ایسی کوئی حرکت نہ کرو۔ میں تم سے بھرپور تعاون کروں گا۔"

بوڑھے کی آواز میں سچائی نمایاں تھی۔ ظفری اور سعدی نے ایک نگاہ ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ظفری بدستور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ڈالے بولا۔

"تو پھر آپ اندر تشریف لے آیئے' ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ بلاوجہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

بوڑھا لرزتے ہوئے قدموں سے اندر آ گیا۔ ظفری نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور وہ ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جی تو آپ ہمیں تیس ہزار روپے کی پیش کش کر رہے تھے؟"

"ہاں دوست' اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔ سچ مانو میں با خوشی یہ رقم تمھارے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن خدا کے لیے یہ فائل مجھے واپس کر دو۔ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ اگر تم یہ فائل لے گئے تو صبح کو اس مکان سے میری لاش ہی برآمد ہو گی۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ اس میں میری زندگی کی تمام خوشیاں چھپی ہوئی ہیں۔ یہ میری مکمل کنجی ہے۔ میں تم سے زندگی کی درخواست کرتا ہوں۔ تم اس فائل کا کیا کرو گے؟" بوڑھے کی آواز میں التجا تھی۔ ظفری اور سعدی کسی قدر متحیر ہو گئے۔ یہ صورتحال تو سیٹھ کونڈاوالا کے معاملے سے کچھ مختلف نظر آتی تھی۔ بوڑھا کسی طور پر بلیک میلر معلوم نہ ہوتا تھا۔ پھر کیا معاملہ ہے۔ دونوں بری طرح الجھ کر رہ گئے۔ فائل ان کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ پچیس ہزار روپے کھرے ہو گئے تھے۔ بوڑھے کی التجا بے مقصد تھی۔ بس یہاں سے نکل جانا تھا۔ پچیس ہزار روپے' پورے پچیس ہزار روپے۔ لیکن سعدی اور ظفری فطرتاً شریر تھے۔ جرائم پیشہ نہیں تھے۔ کسی کو بے وقوف بنا کر روپیہ حاصل کرنا ہر چند کہ کوئی اچھی بات نہیں تھی لیکن ان کی فطرت میں ماحول سے بغاوت کرنے کا عنصر تھا۔ اس کا پس منظر تھا

جوان کے ذہنوں میں محفوظ تھا۔ اسی پس منظر نے انھیں اس انداز میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اس زندگی میں بھی تھوڑی سی شرافت باقی تھی اتنی کہ کسی مظلوم اور تباہ حال انسان کو وہ دکھ نہیں دے سکتے تھے۔ مطلق صاحب کا بھی یہی معاملہ تھا۔ حالانکہ ظفری نے انتہائی چالاکی سے مطلق صاحب کی کمزوری کو پکڑ کر ان کے یہاں رہائش گاہ حاصل کی تھی۔ لیکن اس کے بعد مطلق صاحب کے رویے نے ان تینوں کو ہی اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ مطلق صاحب کو قطعی غیروں میں نا سمجھیں۔ بس اسے شرافت کا وہی عنصر کہا جاسکتا تھا کہ جوان کے رگ و پے میں اچھی طرح موجود تھا۔ چنانچہ بوڑھے کی التجا آمیز آواز نے انھیں متاثر کر دیا اور وہ صرف اپنا مقصد پورا کرنے کے بجائے حقیقت حال جاننے کے لیے مضطرب ہو گئے۔

''محترم بزرگ ہم اس فائل کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''میں تمھیں بتانے سے گریز نہیں کروں گا لیکن پہلے تم اپنے بارے میں مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں چوری کی نیت سے داخل ہوئے تھے یا تمھارے ذہن میں کچھ اور مقصد تھا۔''

''اگر ہم صرف چوری کرنے کی نیت سے داخل ہوئے ہوتے تو آپ کی الماری میں نوٹوں کی وہ گڈیاں موجود نہ رہتیں۔ آپ انھیں چیک کر سکتے ہیں۔ نوٹ جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ ہم چور نہیں ہیں۔''

''تو پھر کون ہو؟''

''اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتایا جاسکتا محترم۔ بس ہماری مطلوبہ چیز ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے حصول کا ہمیں بہترین معاوضہ ملے گا۔ آپ اس کے ذریعے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ اب آپ کو اس کا موقع نہیں ملے گا۔ ایک طرح سے یہ ایک دیانت دارانہ چوری ہے۔''

''میں نہیں سمجھا میں اس کے ذریعہ کیا کرتا رہا ہوں۔'' بوڑھے نے سوال کیا۔

''بلیک میلنگ' ایک شریف آدمی کی زندگی تباہ کر رہے تھے آپ۔ ممکن ہے کچھ آپ کے

آلۂ کار بھی ہوں۔ اور آپ۔'' ظفری کہتے کہتے چونک پڑا۔ اسے دفعتاً ایک خیال آ گیا تھا۔ بوڑھے کی آواز وہ اس آواز پر غور کرنے لگا اور اس نے آہستہ سے سعدی کے کان میں سرگوشی کی۔

''سعدی ایک بات تو بتاؤ۔'' اور سعدی سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''ٹیلی فون پر تم نے بلیک میلر کی جو آواز سنی تھی۔ کیا وہ یہی آواز تھی۔'' ظفری کے سوال پر سعدی چونک پڑا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

''ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔''

''ہوں' اس کا مقصد ہے گھپلا۔'' ظفری نے کہا اور بوڑھا اداس نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''دیکھو دوست' یہاں میں تنہا ہوں۔ ممکن ہے تم پوری عمارت کا جائزہ لے چکے ہو۔ اس عمارت میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کے آنے کے امکانات ہیں۔ میں کمزور سا بوڑھا آدمی ہوں۔ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ کیوں کہ تم دونوں شکل و صورت سے چالاک اور پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو چند لمحات سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔ اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گے ظاہر ہے میں تمھیں اسے نہ کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔''

''جی فرمایئے بلکہ آپ بیٹھ جایئے' ہم سن رہے ہیں۔'' ظفری نے کہا۔ بوڑھے میں شاید خود بھی زیادہ کھڑے رہنے کی سکت نہ تھی' وہ ہانپتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پریشان سی نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔ ''آپ افضال صاحب ہیں۔ میرا مقصد ہے بنگلے کے دروازے پر جو نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے وہ آپ ہی کی ہے۔'' ظفری نے پوچھا۔

''ہاں مجھے ہی افضال کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں میرا شمار ملک کے ممتاز تاجروں میں ہوتا تھا۔ لیکن بس تقدیر ساتھ نہ دے سکی۔ میں دیوالیہ ہو گیا اور میری زندگی محدود ہو کر رہ گئی۔ میرا ہی نام افضال ہے۔'' بوڑھا ہانپتے ہوئے بولا۔

"آپ سیٹھ کونڈا والا کو جانتے ہیں۔" ظفری نے بغور اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سیٹھ کونڈا والا۔" افضال کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تحیر کے آثار نظر آئے۔ پھر ہلکی سی مسکراہٹ، پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں جانتا ہوں، مجھے ہی کسی دور میں سیٹھ کونڈا والا کہا جاتا تھا اور میں اسی نام سے معروف تھا۔ بوڑھے نے جواب دیا اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ کا کوئی عزیز بھی خود کو اس نام سے متعارف کراتا ہے۔ میرا مقصد ہے آپ کے خاندان کا کوئی فرد۔"

"میرے خاندان میں اب صرف دو افراد ہیں۔ میرا بیٹا اور میرا ایک ذلیل فطرت بھائی۔ میرا بھائی بھی خود کو میرے ہی نام سے منسوب کرتا ہے۔ اور کئی دفعہ وہ اس نام سے فائدہ اٹھا کر مجھے نقصانات پہنچا چکا ہے۔"

"کیا آپ اپنے بھائی کے بارے میں مزید تفصیلات بتانا پسند کریں گے۔" سعدی نے پوچھا۔

"اس کا نام محفوظ ہے اور اس کی تمام زندگی آوارہ گردی میں گزری ہے۔ جعل سازی، فریب دہی، اس کی زندگی کا مسلک رہا ہے۔ کسی فاحشہ سے شادی بھی کر لی تھی اس نے لیکن اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ربط نہ رہ سکا۔ خاندان میں کافی بدنامیاں ہوئیں ہیں اس کی وجہ سے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا کیونکہ اس نے زندگی میں برائیوں کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ میرا بیٹا سہیل اعلیٰ تعلیم کے لیے تقریباً بارہ سال سے یورپ میں گیا ہوا ہے۔ میری زندگی صرف اس کی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے بس آخری خواہش یہی ہے کہ وہ واپس آئے تو میرے پاس جو کچھ موجود ہے اس کے حوالے کر کے زندگی کے باقی لمحات پر سکون رہ کر گزار دوں۔ اس سے زیادہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔" بوڑھے افضال نے کہا اور سعدی اور ظفری گہری

سانسیں لیکن دیوار سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔ "تو محترم افضال صاحب آپ کے خیال میں اس فائل میں کیا ہے؟"

"میرے خیال میں۔" افضال پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تم لوگ میرا خیال پوچھ رہے ہو۔ جب کہ یہ فائل میرا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔ اس میں میری جائیداد کے کاغذات ہیں۔ وہ کاغذات جو اگر میرے پاس نہ ہوں تو میں جائداد سے محروم ہو سکتا ہوں۔ بدبخت محفوظ نے کئی بار میرے ساتھ جعل سازی کر کے میری جائیداد کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ خود کو اس جائیداد کا مالک نہ ثابت کر سکا۔ ایک بار اس نے کچھ ایسے کاغذات تیار کرا لیے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ جائداد ہماری آبائی ہے اور اس میں آدھا حصہ محفوظ کا ہے۔ لیکن یہ ساری کی ساری جائداد میں نے اپنی محنت اور کوششوں سے بنائی تھی۔ جب کہ والدین کا چھوڑا ہوا کچھ نہ تھا۔ اس کے ثبوت میرے پاس محفوظ تھے، چنانچہ محفوظ کو منہ کی کھانا پڑی۔" بوڑھا آہستہ آہستہ یہ تمام باتیں بتا رہا تھا۔ لیکن پھر وہ ایک دم چونک پڑا اور تحیر آمیز نگاہوں سے انھیں دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنو کیا تمھیں محفوظ نے تو اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ تم یہ فائل حاصل کر لو۔ صرف وہی ایک شخص ہے جسے فائل کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں۔"

"آپ ہمیں محفوظ صاحب کا حلیہ بتائیں گے۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا حلیہ بتاؤں درمیانہ قد ہے بلکہ درمیانے سے بھی کچھ کم بھاری بدن کا مالک ہے۔ گول سا چہرہ ہے۔ سر گنجا ہے اور مونچھیں کافی بھاری ہیں۔" بوڑھے افضال نے بتایا اور سعدی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

یہ سیٹھ کونڈا والا کا ہی حلیہ تھا جس نے انھیں فائل حاصل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا مقصد ہے سیٹھ کونڈا والا نے ان سے فراڈ کیا تھا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ یہ فائل ایک بلیک میلر کے پاس ہے۔ اور بلیک میلر اس کی زندگی تلف کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن یہاں معاملہ ہی الٹا نکلا تھا۔ تاہم سعدی اور ظفری نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ بعض اوقات کچھ لوگ بڑی اچھی اداکاری کر

لیتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کاغذات کی جانچ پڑتال کیے بغیر فائل واپس بوڑھے کو دے دیتے' ہاں انھوں نے دل ہی دل میں یہ ضرور طے کر لیا تھا کہ اگر سیٹھ کونڈا والا نے ان سے فراڈ کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر سیٹھ کونڈا والا کو مزے ہی کرنے پڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے افضال سے کہا۔

"افضال صاحب ہم آپ کو تفصیلات بتانے میں عار محسوس نہیں کرتے در حقیقت آپ کے چھوٹے بھائی محفوظ نے ہی ہمیں اس فائل کو چرانے پر آمادہ کیا ہے۔ لیکن دوسرے حوالوں کے ساتھ انھوں نے ہم سے یہ کہا تھا کہ کوئی بلیک میلر ان سے رقومات وصول کر رہا ہے اور اس فائل میں ان کے خلاف کچھ ایسا مواد موجود ہے جو انھیں تباہ برباد کر سکتا ہے۔ انھوں نے خود کو سیٹھ کونڈا والا کے نام سے ہی متعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ وہ یہاں نہیں رہتے ان کا قیام افریقہ میں ہے اور وہ صرف اس فائل کے حصول کے لیے ہی یہاں پہنچے ہیں۔ انھوں نے ہمیں ایک بہت بڑی رقم کی پیشکش بھی کی تھی لیکن افضال صاحب یہ فائل اگر آپ کا اپنا ہے اور اس میں بلیک میلنگ کا کوئی مواد موجود نہیں ہے تو پھر اس بات پر بھروسہ رکھیے کہ یہ آپ کو مل جائے گا اور ہم اس کے عوض کوئی بھی بڑی سے بڑی رقم وصول نہیں کریں گے لیکن یہ آپ کو اسی وقت واپس ملے گا جب ہم اس کا اچھی طرح جائزہ لے لیں گے۔ سعدی نے کہا اور بوڑھے افضال کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے۔

"خدا کے لیے' خدا کے لیے' میری بات مان لو۔ اس فائل میں میری جائیداد کی خریداری کے علاوہ تمھیں کوئی اور چیز نہیں ملے گی۔ انسان لالچ کا پتلا ہے اگر وہ بدبخت محفوظ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں جانتا ہوں کہ میں اس کی ریشہ دوانیوں کے آگے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے میری آخری پونجی بھی چھین لے گا۔ مجھ بوڑھے کے پاس ایک ہی چیز ہے۔ یہ میرے اکلوتے بیٹے کی امانت ہے۔ اگر یہ بھی میرے پاس نہ رہی تو پھر میں اسے کیا دوں گا۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔"

بوڑھے کی آواز بھرا گئی۔

"آپ اس بات پر یقین رکھیں افضال صاحب کہ جیسا ہم نے کہا ہے ویسا ہی ہو گا۔ اگر فائل میں بلیک میلنگ کا کوئی مواد مل گیا تو پھر آپ کے خلاف کوئی ٹھوس کارروائی کی جائے گی۔ اور اگر صرف جائیداد کی خریداری کے کاغذات ہوئے تو پھر یہ فائل کسی بھی قیمت پر دوسرے کے ہاتھوں میں نہ جا سکے گی۔ ہمیں اجازت دیں۔"

"سنو تو سنو تو۔" بوڑھا افضال ملتجی لہجے میں بولا۔ لیکن اس کے بعد ان لوگوں نے یہاں رکنا مناسب نہ سمجھا تھا چنانچہ وہ برق رفتاری سے کمرے سے باہر نکل آئے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ بوڑھا یہ دروازہ کیسے کھولے گا اس بات سے انھیں کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اتنا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ ممکن ہے بوڑھا مظلومیت کے پردے میں انھیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن اب اس قدر بے وقوف بھی نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ان ہی راستوں سے ہوتے ہوئے باہر نکل آئے جن سے یہاں پہنچے تھے اور چند لمحات کے بعد شکیلہ کے پاس پہنچ گئے۔

"کام بن گیا اس نے سوال کیا؟" اور ظفری نے فائل نکال کر شکیلہ کے حوالے کر دیا۔ شکیلہ کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔

مقررہ وقت میں ہی کام ہو گیا تھا۔ وہ تینوں گھر پہنچ گئے اور پھر سعدی نے شکیلہ کو بھی اپنے کمرے میں ہی بلا لیا۔

"ہمیں اس فائل کے سلسلے میں میٹنگ کرنی ہے۔" اس نے کہا۔

"کوئی خاص بات سعدی۔ تم نے کچھ بتایا ہی نہیں۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں انتہائی خاص بات۔ بیٹھو بلکہ دروازہ بند کر دو۔" سعدی نے کہا اور شکیلہ نے دروازہ بند کر دیا۔ فائل درمیان میں رکھ دیا گیا اور سعدی نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کے تمام کاغذات نکال لیے گئے اور پھر ایک ایک کاغذ کی جانچ پڑتال کی جانے لگی۔ در حقیقت یہ جائیداد کی خریداری کے کاغذات تھے اور ان میں کوئی ایسا مواد موجود نہ تھا جسے بلیک میلنگ مواد کہا جا سکے۔

سعدی‘ ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے لیکن چونکہ شکیلہ کو صورتحال معلوم نہ تھی اس لیے وہ حیران تھی۔

"یہ تو۔ یہ تو قطعاً خریداری کے کاغذات معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی عمارتیں اور زمینوں کی خریداری کے کاغذات۔" شکیلہ بولی۔

"ہاں‘ افسوس شکیلہ ہم اس کیس میں کچھ نہیں کما سکیں گے۔" سعدی نے کہا۔

"کیوں‘ خیریت مجھے تفصیل بتاؤ۔ یہ اتنی سنجیدگی کیوں طاری ہے آخر تم دونوں پر۔" اور ظفری نے سعدی کے اشارے پر مکمل تفصیلات بتا دیں۔ شکیلہ حیران رہ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی پھر صاف لہجے میں بولی۔

"تو اس میں اتنی سنجیدگی کی کیا بات ہے۔ ہمارا کون سا میٹریل خرچ ہوتا ہے۔ صرف ذہنی کاوش اور جدوجہد کی تو بات ہے۔ دراصل سعدی ہم نے جو اصول بنائے ہیں۔ ہمارا ضمیر ان پر ہمیں ملامت نہیں کرتا۔ اگر آنکھ کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو بے وقوف بنا کر ان کی جیب سے کچھ نکلوا لیا جائے تو یہ دل کو نہیں چبھتا لیکن کسی کی یہ مجال کہ ہمیں اپنا آلہ کار بنا کر کسی کو ہمارے ہاتھوں دکھ پہنچائے اور وہ بھی ایک ایسے مظلوم شخص کو جو کمزور اور بوڑھا ہے۔ ایسے شخص کو ہماری طرف سے ضرور سزا ملنی چاہیے۔ باقی رہا کمائی کا مسئلہ تو لعنت ہے ایسی کمائی پر ہمارے کون سے بال بچے رو رہے ہیں جو ہمیں فکر ہو۔ ابھی بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔" شکیلہ نے کہا اور تینوں کے ہاتھ آپس میں مل گئے۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ سیٹھ کونڈا والا کو سزا دی جائے گی اور پھر اس سزا کے بارے میں بھی تعین کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو ظفری ایک طرف روانہ ہو گیا اور شکیلہ اور سعدی دفتر پہنچ گئے۔ مضطرب صاحب حسب معمول تھے۔ کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ دفتر کی صفائی ستھرائی بہت اچھی طرح کی جاتی تھی اور اس معاملے میں مضطرب صاحب نے کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ البتہ ظفری کے بارے میں پوچھ لیا گیا۔

"یہ ظفری کہاں گئے؟"

"بس کچھ کام تھا۔ مضطرب صاحب آپ چائے پلا دیجیے۔"

"جی ابھی لایا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنی پیالی بھی اٹھائے اندر آ گئے۔

"ارے ہاں۔ مضطرب صاحب یہ مطلق صاحب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک ہی تو شاعر تھا اس روئے زمین پر وہ بھی ایسا نگاہوں سے اوجھل ہوا کہ اب اس کا نشان نہیں ملتا۔ آپ یقین کریں آپ کی یاد میں تین چار غزلیں کہہ چکے ہیں۔"

"بس بس کر لیا یقین۔ یہ غزلیں وہی ہوں گی جو میں ان کی یاد میں کہہ چکا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے مضطرب صاحب‘ جب آپ کہتے نہیں ہیں تو پھر اپنے نام سے منسوب کیوں کرتے ہیں؟"

"ارے واہ۔ یہی تو تم لوگوں کی غلط سوچ ہے۔ خیالات ہر انسان کے ذہن میں یکساں طور پر آ سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب ان خیالات کو میں کچھ الفاظ دیدوں اور دوسرا ابھی انھی الفاظ میں خیالات کا اظہار کر ڈالے تو چوری کیسے ہوئی۔ آخر ذہن تو ایک ہی ہے۔ ہر چیز میں کہیں کہیں چوری ہوتی ہے دوستو اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ کوئی بھی غزل کسی کی ملکیت ہے۔ بس جو سنا دے اسی کی ملکیت ہے۔"

"تو پھر آپ کا مطلق صاحب سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔" سعدی نے پوچھا۔

"بھئی وہ الگ بات ہے۔ وہ بھی تو اس غزل پر حق جما رہے تھے۔ جب ایک آزاد ملکیت ٹھہری تو کوئی اس پر اپنا حق کیسے جتا سکتا ہے۔ یہاں انھوں نے غلطی کی تھی۔ اور پھر اپنی بڑائی کا فائدہ بھی اٹھایا تھا۔"

"بہرصورت وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کوئی تازہ غزل ان کے ذہن میں پھڑ پھڑا رہی ہے۔"

”تو یہاں کون سکون سے بیٹھا ہوا ہے۔ اگر وہاں ایک غزل پھڑ پھڑا رہی ہے تو یہاں کئی غزلیں موجود ہیں' مل لیں گے شام کو ان سے ضرور ملیں گے۔“ مضطرب صاحب نے کہا۔

چائے پینے کے بعد سعدی نے گھڑی دیکھی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ سیٹھ کونڈا والا کے آنے کا وقت ہو چکا تھا اور اب صرف شکیلہ کو سیٹھ کونڈا والا سے تنہا ملاقات کرنی تھی۔ سعدی اور ظفری کو کچھ دوسرے کام انجام دینے تھے۔ باہر مضطرب صاحب موجود تھے جو سیٹھ کونڈا والا کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے سیٹھ کونڈا والا اپنی لیموزین سے اترا۔ لیموزین اس نے فٹ پاتھ کے دوسری جانب کھڑی کی تھی۔ وہ پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا سڑک پار کر کے اس سمت کی فٹ پاتھ پر آ گیا جہاں اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ اس وقت اس نے ہیلمٹ نہیں پہنا ہوا تھا' دفعتاً ایک زوردار تھپڑ اس کے سر پر پڑا اور سیٹھ کونڈا والا گرتے گرتے بچا۔ تھپڑ کی زوردار آواز چاروں طرف گونجی تھی۔ دو تین افراد اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سیٹھ کونڈا والا حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بہرصورت وہ لوگوں کی نگاہوں میں تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔ ایک اچھا خاصا آدمی اگر سڑک پر پٹ جائے تو لوگوں کے تاثرات کیا ہوں گے لیکن وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا تھا کہ تھپڑ مارنے والا کون تھا۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لیکن کوئی ایسا چہرہ اس کی نگاہوں میں نہ آ سکا جسے دیکھ کر وہ یہ اندازہ لگا سکتا کہ یہ شرارت اس کی ہو گی۔ بامشکل تمام وہ بھیڑ کے درمیان سے نکلا اور اس زینے کے قریب پہنچا جہاں سے چڑھ کر وہ ظفری اور سعدی کے دفتر پہنچ سکتا تھا۔ لیکن ابھی سیڑھی پر پہلا ہی قدم رکھا تھا اس نے کہ ایک بار پھر اس کا توازن بگڑ گیا۔ کوئی چیز سر کی پشت پر آ کر لگی تھی۔ اچھی خاصی چوٹ بھی لگی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی گردن بھی گیلی ہو گئی تھی۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھوں میں جنون کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ غرا کر پیچھے کی طرف لپکا لیکن زینے کے سامنے یا آس پاس کوئی نہیں تھا۔ البتہ وہ گندہ انڈا اس کی گردن سے پھسل کر اس کے کوٹ کو گندہ کرتا ہوا نیچے گر پڑا تھا۔ اور اس کے چھلکے پیروں کے نیچے آ کر چرمرائے تھے۔ سیٹھ کونڈا والا نے گردن پر ہاتھ

رکھ کر دیکھا اور انڈے کی گندگی سے اس کے ہاتھ غلیظ ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کے ملے جلے اثرات نمایاں تھے۔ دانت بھینچے ہوئے تھے۔ بہرصورت اس نے ہاتھ سے گردن صاف کی اور پھر جیب سے رومال نکال کر زینے پر کھڑے ہو کر گردن اور کوٹ کا کالر صاف کرنے لگا۔ دوسرے لمحے اسے احساس ہوا کہ کہیں دوسرا انڈا اس کی تواضع نہ کر دے۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور اوپر پہنچ کر اس نے اپنے چہرے کے تاثرات تبدیل کیے۔ اور کراہتا ہوا دفتر کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

”ارے مر گیا۔ بابا مر گیا۔ بیڑا غرق ہو ان کم بختوں کا' ستیاناس ہو جائے' کیڑے پڑیں' خدا کرے کیڑے پڑیں۔“ وہ چیختا چلاتا اندر گھسا تو مضطرب صاحب بے اختیار کھڑے ہو گئے۔ ”ارے ارے جناب عالی کیا ہوا؟“

”بکو مت۔“ کونڈا والا مضطرب صاحب پر بگڑ گیا۔

”دیکھیے دیکھیے' تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے۔ آپ تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان ہیں۔ کیسی گفتگو فرما رہے ہیں۔ یعنی دروازے سے داخل ہوتے ہی آپ نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور اس کے بعد ہم نے استفسار حال کیا تو آپ کی زبان سے یہ گندے الفاظ نکل پڑے۔“

”ارے بابا کیا بولتے ہو تم اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ دیکھو ادھر دیکھو۔“ سیٹھ کونڈا والا نے اپنا کوٹ مضطرب صاحب کی آنکھوں کے سامنے کر دیا اور مضطرب صاحب منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس پڑے۔

”یہ یہ تو انڈا ہے۔“ انھوں نے ہنستے ہوئے کہا اور سیٹھ کونڈا والا انھیں خونی نگاہوں سے دیکھتا ہوا۔ سعدی کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ شکیلہ جو باہر سیٹھ صاحب کی آوازیں سن چکی تھی' ان کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔ سیٹھ کونڈا والا اسی طرح چیختا کراہتا شکیلہ کے پاس پہنچ گیا۔

”ارے کدھر گیا بابا وہ لوگ' تم لوگوں نے اپن کا کیریئر تباہ کر ڈالا' برباد کر دیا' اب تو اپن کی کھوپڑی اس قابل نہیں رہی ہے کہ تھپڑ برداشت کر سکے۔ ارے اگر تم ولی نہ بنتا تو اس خبیث کو

پیسہ دے دیتا اور ہمارا جان چھوٹتا۔ دیکھو دیکھو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے سر پر چپت پڑا اور جب ہم زینے پر چڑھ رہا تھا تو کسی نے انڈا دے مارا۔ یہ دیکھو سر میں چوٹ بھی لگی ہے اور کپڑے بھی خراب ہو گئے۔'' سیٹھ کونڈا والا کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ شکیلہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آپ کی زبان کو کیا ہو گیا ہو گیا سیٹھ صاحب۔ آپ کس انداز میں بات چیت کر رہے ہیں؟''

''ارے چھوڑو تم زبان کی بات کر رہی ہو یہاں اپنا ستیاناس ہو کر رہ گیا ہے۔ دراصل افریقہ میں ہم ایسی ہی اردو بولتے ہیں اس لیے وہی ہمیں یاد آ گئی ہے مگر ہمارا کوئی علاج کر دو ورنہ کسی وقت ہمیں خودکشی ہی کرنا پڑے گی۔ باتھ روم ہے یہاں پر۔'' شکیلہ نے باتھ روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ سیٹھ صاحب باتھ روم میں چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آئے تو ظفری اور سعدی بھی پہنچ گئے تھے۔

''آ گئے تم لوگ۔ ہمارا تو ستیاناس کرا دیا تم نے۔ زندگی برباد کرا دی۔ اگر تم پہلے ہی ہماری بات مان لیتے تو بلا وجہ یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔'' سیٹھ صاحب نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ ظفری اور سعدی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہو گیا' سیٹھ صاحب؟'' ظفری نے پوچھا۔

''ہوا کیا وہی چپت وہی انڈا جان عذاب میں آ گئی ہے۔''

''مگر یہ آپ کے معمولات میں ہے' اس وقت آپ ضرورت سے زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہیں' بھلا ایک چپت اور ایک انڈے سے کیا بگڑتا ہے آپ کا۔''

''مذاق مت کرو یار۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرا کام کر لیا کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو میں کسی اور سے بات کروں گا۔ یہ بات تو میرے لیے بڑی پریشان کن ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ میری کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔'' سیٹھ کونڈا والا کراہتے ہوئے بولا اور سعدی نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

''مضطرب صاحب' مضطرب صاحب۔'' اور مضطرب صاحب اندر تشریف لے آئے۔ ''سیٹھ صاحب کے لیے ایک ٹھنڈی بوتل لائیے جلدی سے۔'' سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔

''ارے بابا تم ہمارا دل ٹھنڈا کرو' ہمیں یہ بتاؤ فائل مل گیا یا نہیں۔'' کونڈا والا نے پوچھا اور سعدی نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر فائل نکال لیا۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھیں اس سرخ فائل کو دیکھتے ہی چمک اٹھی تھیں۔

''ارے زندہ باد زندہ باد۔ یہ ہوئی نہ بات' بس اب میری ساری تکلیفیں رفع ہو گئیں۔ اب کوئی شکایت نہیں ہے۔ ذرا ادھر دکھاؤ مجھے۔ ادھر دکھاؤ۔'' سیٹھ صاحب بے خبری سے بولے اور سعدی نے یہ فائل ان کی جانب بڑھا دیا۔

''غور سے دیکھ لیں یہی فائل ہے یا اس میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔'' سعدی بولا اور کونڈا والا اس فائل کو دیکھنے لگا۔ اس نے تمام کاغذات چیک کیے اور اس کے بعد پر مسرت انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''بالکل ٹھیک' یہی ہے۔ یہی ہے۔'' اس نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈیاں نکال لیں۔ ''یہ پچیس ہزار تمہارا معاوضہ اور یہ پانچ ہزار میری طرف سے انعام۔ تم نے وہ کام کر دکھایا جو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب مجھے کسی بات کا فکر نہیں ہے۔ سیٹھ کونڈا والا زندہ باد۔''

سیٹھ کونڈا والا نے کہا لیکن عقب سے ظفری نے ان سے یہ فائل چھین لیا اور اسے لے کر ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھیں ایک بار پھر تعجب سے پھیل گئیں۔

''یہ کیا' یہ کیا۔'' اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''اس فائل میں موجود کاغذات کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے سیٹھ صاحب۔''

''کیا مطلب' کیا تم بھی اسے کھول کر دیکھ چکے ہو۔'' سیٹھ کونڈا والا نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعدی نے جواب دیا۔ "اور یہ دیکھ کر ہمیں نہایت حیرت ہوئی سیٹھ کونڈا والا کہ اس فائل میں بلیک میلنگ کے بارے میں تو کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ اس میں تو کسی جائیداد کی خریداری کے کاغذات ہیں۔ جائیداد کی خریداری کے کاغذات کا آپ کی بلیک میلنگ سے کیا تعلق ہے یہ بات ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے بابا تمھیں تیس ہزار روپے مل گئے۔ تمھارا کام ختم ہو گیا۔ اب اس فائل میں کیا ہے یہ میں جانوں اور میرا کام۔ لاؤ فائل مجھے واپس دے دو۔"

"نہیں محفوظ صاحب' یہ فائل جس کی ملکیت ہے اسی کو ملے گا۔ باقی رہے یہ تیس ہزار روپے تو انھیں ہم بآسانی ہضم کر سکتے ہیں اور آپ کو دھکے دے کر باہر نکلوایا جا سکتا ہے کیونکہ آپ نے ایک شریف آدمی کی جائیداد پر قبضہ جمانے کے لیے ہمیں اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ سیٹھ صاحب بلکہ سیٹھ محفوظ صاحب آپ انتہائی شاطر اور چالاک آدمی ہیں۔ آپ ڈھونگ بنا کر یہاں آئے۔ پچاس ہزار روپے ہماری میز پر ڈالے اور یہ اظہار کیا کہ یہ رقم آپ کسی بلیک میلر کو دینا چاہتے ہیں جس نے آپ کو ہمارا حوالہ دیا ہے۔ محفوظ صاحب اس کے بعد آپ کے کسی گرگے نے ہمیں بلیک میلر کی حیثیت سے ٹیلی فون کیا اور دس ہزار روپے کمیشن کی پیشکش کی۔ ان تمام حرکتوں سے آپ خود کو مظلوم ظاہر کر کے یہ فائل حاصل کرنا چاہتے تھے جو دراصل آپ کے بھائی کی ملکیت ہے۔ آپ کے بھائی افضال صاحب نہایت شریف آدمی ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آئی کہ آپ نے ایک مظلوم شخص کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ آپ نے اس کے بیٹے کو اس جائیداد سے محروم کرنے کی سازش کی۔ اس سازش کے الزام میں آپ کو پولیس کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے۔" سعدی نے کہا اور محفوظ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں' اس کی شخصیت ایک دم بدل گئی۔

"تمھیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ تم کون ہوتے ہو ان معاملات میں دخل دینے والے۔ تم یہ دفتر کھول کر بیٹھے ہو دولت کمانے کے لیے۔ تیس ہزار روپے میں نے تمھیں دے دیے ہیں۔ تم چاہو تو میں اس میں اضافہ کر سکتا ہوں۔ یہ لو یہ بیس ہزار روپے اور لے لو اور فائل میرے حوالے کر

دو۔" سعدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ محفوظ پھر بولا۔ "کیا تم اس کے لیے بھی تیار نہیں ہو۔ لو یہ رقم پوری ایک لاکھ روپے کیے دیتا ہوں۔ ساری زندگی تم یک مشت اتنی رقم نہیں کما سکتے۔ لاؤ فائل مجھے دے دو۔" محفوظ نے دوسری جیب سے اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈال دیں اور سعدی بدستور مسکراتا رہا۔ "یہ فائل صرف افضال کی ملکیت ہے اور یہ اسی کو واپس چلی جائے گی۔ رہ گئے آپ تو آپ کے لیے ہم نے مناسب بندوبست کر لیا ہے۔" سعدی نے کہا اور ظفری کی جانب دیکھا۔ ظفری نے دروازے کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

"میں نے کہا مضطرب صاحب مہمانوں کو بھیج دیجیے۔" اور دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ سیٹھ کونڈا والا نے پلٹ کر پولیس افسر کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر سبک سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن دوسرے لمحے پولیس انسپکٹر چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ایڑیاں بجی تھیں۔ اس نے سیٹھ کونڈا والا کو سلوٹ کیا تھا اور اب ان تینوں کے پریشان ہونے کی باری تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ ششدر رہ گئے۔ سیٹھ کونڈا والا اب بھی اپنی کرسی پر بیٹھا اسی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ان کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے اس نے پولیس انسپکٹر سے پوچھا۔

"کیسے آئے انسپکٹر؟"

"وہ' وہ جناب ان لوگوں نے ہمیں ایک عجیب و غریب اطلاع دی تھی۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ایک شخص ان کی معرفت فراڈ کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اسے پولیس کے حوالے کرنے کے خواہش مند ہیں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں ان لوگوں سے بات کر لوں گا۔ تم بالکل فکر مند نہ ہو۔" سیٹھ کونڈا والا نے کہا۔ انسپکٹر نے پھر ایڑیاں بجائیں۔ دوسرے لمحے وہ مڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔ سیٹھ کونڈا والا نے مسکراتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔

"فکر مند نہ ہو دوستو۔ مطمئن رہو۔ یہ میرا کارڈ ہے۔" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ننھا سا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور سعدی کے سامنے رکھ دیا جس پر آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی مسٹر ایس کے رحیم لکھا ہوا تھا۔ پولیس کا ایک بہت بڑا آفیسر ان کے سامنے موجود تھا۔ جسے وہ اب تک سیٹھ کونڈا والا کے نام سے جانتے رہے تھے۔

"جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ میرا تعلق اسپیشل پولیس سے ہے۔ دراصل مسٹر سعدی' ظفری اور شکیلہ آپ کو علم ہے کہ ہمارے ملک میں پرائیویٹ جاسوسی اداروں کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہاں اس قسم کے اداروں کو لائسنس جاری نہیں کیے جاتے اور اس کی بنیادی وجہ یورپ اور یہاں کی فضا کا تضاد ہے۔ تاہم کچھ ادارے ہمارے علم میں ہیں جو اس قسم کے کام کرتے ہیں اور ہمیں اکثر ان اداروں میں جرائم کی رپورٹیں ملی ہیں۔ ایسے تقریباً کئی اداروں کو ختم کیا گیا ہے۔ آپ کا اشتہار ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے کافی عرصے سے اخبارات میں آ رہا ہے چنانچہ اس کے خلاف تفتیش ہمارے سپرد کر دی گئی' ہمارا یہی خیال تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بھی ایک ایسا ہی ادارہ ہے جو لوگوں کے لیے غیر قانونی کام انجام دیتا ہے۔ معاوضہ لے کر وہ ہر کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہو گا چنانچہ میرے چیف ایس۔ کے افضال نے مجھے اس ڈیوٹی پر مقرر کیا اور میں آپ کے خلاف تفتیش کرنے لگا۔ جتنی معلومات مجھے حاصل ہو سکیں۔ انھیں جمع کر کے میں آپ تک پہنچا اور میں نے آپ کو کسی بلیک میلر کی کہانی سنائی۔ وہ بلیک میلر جس کے پاس پہنچ کر آپ فائل لے کر آئے ہیں دراصل اسپیشل ڈپارٹمنٹ کے چیف تھے۔ میری ان سے ملاقات ہو چکی ہے اور انھوں نے آپ کے بارے میں کافی اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں سعدی صاحب جو دولت دیکھ کر پھسل نہ جاتے ہوں آپ نے ایک اچھے کردار کا ثبوت دیا ہے۔ ہاں اگر کسی ضرورت مند کی مدد اس انداز میں کر دی جائے جس انداز میں آپ نے میرے کہنے پر کام شروع کیا تھا تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ میرا کارڈ آپ اپنے پاس محفوظ رکھیے میں آپ کے بارے میں اپنے ڈپارٹمنٹ کو جو رپورٹ دوں گا اس کے تحت آپ کی حیثیت ایک معزز شہری

کی سی ہوگی اور آپ کا ادارہ ایک معزز ادارہ کہلائے گا۔ آپ کو اپنا یہ مشغلہ جاری رکھنے کی اجازت دی جائے گی اور ایک پیشکش میری طرف سے بھی ہے کہ اگر کوئی ایسا سلسلہ ہو جس میں کوئی مجرم آپ کے سامنے آئے تو آپ بے تکلفی سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ یوں سمجھا جائے کہ یہ آپ کے اور ہمارے درمیان اشتراک ہوگا اور ہم آپ سے مکمل طور سے تعاون کریں گے۔ نیز یہ کہ اگر کچھ کیس میرے علم میں آئے اور ان سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکا تو میں انھیں آپ کی طرف روانہ کر دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

پولیس آفیسر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ پتھر کے بتوں کی طرح ساکت اور جامد کھڑے تھے۔ مسٹر ایس کے رحیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو نوٹوں کی یہ گڈیاں میں اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لوں جو دراصل سرکاری ملکیت ہے اور جن پر مارکنگ کی گئی ہے۔ اگر یہ اس فائل کے عوض آپ کی جیب میں ہوتیں تو آپ سب ہماری جیب میں ہوتے اور ہماری جیب سے پھر سرکاری جیب میں منتقل ہو چکے ہوتے۔" ایس کے رحیم نے کہا اور سعدی نے جلدی سے نوٹوں کی گڈیاں اس کی جانب سرکا دیں۔ رحیم نے انھیں جیب میں رکھا اور سعدی اور ظفری سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں نے بادل نخواستہ ہاتھ ملائے اور پھر وہ شکیلہ کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

"اچھا محترمہ شکیلہ اجازت' پھر کبھی ملاقات ہوگی۔" اور شکیلہ نے بندر کی طرح دانت نکال دیے۔ پولیس آفیسر پلٹا پھر کچھ سوچ کر ایک دم رک گیا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ہاں ایک بات تو رہ گئی۔ یہ میرے سر پر چپت کس نے ماری تھی اور یہ انڈا؟ میں اس کے لیے متحیر ہوں۔"

"سوری جناب' یہ حرکت میں نے کی تھی۔" ظفری نے گردن جھکا کر کہا۔

"دراصل رات کو مسٹر ایس۔ کے افضال سے مل کر ہم آپ سے خاصے بدظن ہو گئے تھے۔ ہمیں علم ہو گیا تھا کہ کوئی آپ کے سر پر چپت نہیں مارتا' کوئی انڈا نہیں مارتا' یہ سب کچھ فراڈ تھا

جو آپ ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے کر رہے تھے چنانچہ ہم نے طے کر لیا تھا کہ ان دونوں ہی چیزوں سے آپ کی تواضع کی جائے گی۔ جس وقت آپ فٹ پاتھ عبور کر رہے تھے تو میں آپ کی تاک میں تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔" ظفری نے کہا اور ایس کے رحیم نے قہقہہ لگایا۔

"چلو بھئی ٹھیک ہے۔ بعض اوقات انسان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ ویسے تمہارا ہاتھ بڑا سخت پڑا تھا میرے سر پر۔ ابھی تک اثرات موجود ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں اچھا اجازت۔" اور ایس کے رحیم دفتر کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ تینوں اب بھی بے وقوفوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دوسرے لمحے مضطرب صاحب نے جھانک کر کہا۔ "ہو گیا معاملہ۔"

"جی ہاں' اندر تشریف لایئے۔" سعدی نے منہ بنا کر کہا۔ اور مضطرب صاحب اندر آ گئے۔ ان کی نگاہیں میز پر نوٹوں کی گڈیاں تلاش کر رہی تھیں۔ پھر وہ چونک کر بولے۔ "لیکن یہ پولیس کیوں آئی تھی یہ کیا معاملہ تھا۔"

"مضطرب صاحب' پولیس آپ کو تلاش کر رہی تھی۔ جان بچالی ہے ہم نے آپ۔ جلدی سے مٹھائی منگا لیں۔ جلدی' ظفری بولا۔ "مجھے تلاش کر رہی تھی۔" مضطرب صاحب متحیرانہ انداز میں کہنے لگے۔

"دو چار غزلیں چوری ہو گئیں ہیں۔ وہ چوری کی تفتیش کرنے آئی تھی۔" ظفری نے کہا اور مضطرب صاحب کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف چلا گیا جس میں کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے اور پھر وہ گردن جھکائے جلدی سے باہر نکل گئے۔ شاید مٹھائی کا ڈبہ لینے۔

☆......☆......☆

نو وارد پچاس اور پچپن کے پیٹے میں تھا۔ صحت عمدہ' لباس شاندار۔ آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔ حسب معمول اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا تھا۔ سعدی ظفری اور شکیلہ تینوں ہی موجود تھے۔ نو وارد کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے۔ جیسے میں صحیح جگہ پہنچ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ کسی ایسی پریشانی کے شکار ہیں جس میں آپ پولیس کی مدد نہیں حاصل کرنا چاہتے ہوں اور نہایت رازداری سے اپنے کسی کام کو کرانے کے خواہشمند ہوں تو بلاشبہ یہ جگہ آپ کے لیے موزوں ترین ہے۔" ظفری نے کہا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ آپ کے ادارے کی شرائط کیا ہیں؟"

"کوئی ایسا غیر قانونی کام ہم نہیں کرتے جو قابل دست اندازی' پولیس ہو۔ کسی کو ذہنی یا جسمانی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ہاں اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں آپ کے دشمن کو زک دی جا سکتی ہے۔ یہ بنیادی اصول ہے ہمارا۔"

"میرے معاملے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو آپ مطمئن رہیں۔ آپ کی پریشانیوں کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔"

"رازداری؟"

"ایمان۔" ظفری نے بھی مختصراً کہا۔

”معاوضہ؟“

”پچیس ہزار۔“ دوسرے اخراجات کے علاوہ۔ اگر کام مقامی ہے اور اس میں دوسرے اخراجات کے امکانات نہیں ہیں تو مزید کوئی معاوضہ نہیں۔“ ظفری بولا۔

”جی۔ یہ آپ کا معاوضہ۔“ اس نے سو سو کے نوٹوں کی تین گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈال دیں۔

”مضطرب صاحب کو بلا کر رسید بنوا دیں۔“ ظفری نے شکیلہ سے کہا۔ اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

”کام کیا ہے؟“ سعدی نے پوچھا اور نو وارد نے گردن جھکا لی وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تینوں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اپنے طور پر وہ نو وارد کے بارے میں نتیجہ اخذ کر رہے تھے۔ متمول' لیکن شریف صورت اور شریف فطرت۔ اسے گردن جھکائے کافی دیر ہوگئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سو گیا ہو۔

اور پھر جب وہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوگیا تو ظفری زور سے کھنکھارا اور وہ چونک کر سیدھا ہوگیا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہوگئی تھیں۔ اس نے سرخ آنکھوں سے انھیں دیکھا اور پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

وہ سب چونک پڑے تھے۔ ”گھپلا۔“ ظفری کے منہ سے نکلا۔

”ہمیں اسٹالن کی کوئی شرط منظور نہیں۔ ماسکو تباہ کر دیا جائے گا۔ ہم چپے چپے پر روسیوں کو شکست دیں گے۔ ہماری فوجیں۔ ہماری فوجیں کہاں ہیں۔“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں جیبیں ٹٹولنے لگا اور پھر کھڑا ہوگیا۔

”سازش' فریب۔ آئزن ہاور۔ تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔ مجھے فریب نہیں دیا جاسکتا۔

اسی وقت مضطرب صاحب فارم وغیرہ لے کر اندر داخل ہوئے۔ شکیلہ نے انٹرکام پر

انھیں ہدایت کی تھی۔ جیسے ہی نو وارد کی نگاہ ان پر پڑی وہ اچھل کر چیخا۔

”روز ویلٹ' تم ساری زندگی کوشش کرتے رہو' ہٹلر شکست سے آشنا نہیں۔ جے بجرنگ بلی۔“ اس نے مضطرب صاحب پر چھلانگ لگا دی اور انھیں لپیٹ میں لیے ہوئے نیچے آرہا۔

”بب۔ بخدا۔ ہم مضطرب ہیں۔“ مضطرب صاحب نیچے دبے ہوئے چیخے۔ ”اس نانجار سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔“

سعدی' ظفری اور شکیلہ کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ مضطرب صاحب کو بری طرح رگید رہا تھا چنانچہ انھیں چھڑانا ضروری تھا لیکن سعدی اور ظفری مل کر بھی اسے مضطرب صاحب سے علیحدہ نہ کر سکے۔ وہ کسی سانڈ کی طرح مضبوط تھا۔

شکیلہ نے چیخ چیخ کر دوسرے لوگوں کو بلایا اور چند لمحات ٹیٹو' جادو اور ڈھل اندر داخل ہوگئے' صورت حال دیکھ کر انھوں نے بھی نو وارد کو مضطرب صاحب کے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کی' لیکن جیسے ہی ٹیٹو نے اس کی کمر کو ہاتھ لگایا۔ نو وارد اچھل کر ایک طرف ہوگیا۔ پھر اس نے ایک میز پر چھلانگ لگائی اور اس طرح میز سے ٹکرایا کہ میز الٹ گئی اس پر رکھی ہوئی تمام اشیاء نیچے لڑھک گئی تھیں۔ شکیلہ کی سریلی چیخ پھر سنائی دی اور وہ ایک صوفے پر چڑھ گئی۔

سعدی اور ظفری متحیرانہ انداز میں یہ سارا ہنگامہ دیکھ رہے تھے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ نو وارد ایک میز سے دوسری میز پر چھلانگیں لگاتا پھر رہا تھا۔ اس نے کئی ڈیکوریشن پیس اٹھا اٹھا کر کمرے کی کھڑکیوں پر دے مارے تھے اور شیشے ٹوٹنے کی آوازیں چاروں طرف پھیل گئی تھیں۔

مضطرب صاحب بے چارے اچھے خاصے زخمی ہوگئے تھے۔ پھر اس نے پتھر کا ایک گلدان اٹھا کر ٹیٹو کے سر پر دے مارا اور ٹیٹو کی پیشانی زخمی ہوگئی۔ اتنا زبردست ہنگامہ ہوا کہ قرب و جوار کے لوگ بھی متوجہ ہوگئے اور اپنے اپنے دفاتر سے باہر نکل کر صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔

نووارد کسی طور پر قابو میں نہیں آ رہا تھا' وہ کسی وحشی درندے کی طرح ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ توڑ رہا تھا اور اس کے حلق سے عجیب وغریب آوازیں نکل رہی تھیں۔

''اتحادیوں کو زبردست شکست ہوگی۔ ہٹلر پھر زندہ ہوگیا ہے۔ سمجھے۔ تم ہٹلر کو شکست نہیں دے سکو گے۔ احمق' کتو' یہ تمھارے بس کی بات نہیں ہے' تمھیں بدترین صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس خوف ناک ہنگامے کو روکنا' ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ دفعتاً نووارد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی شئے نکالی اور پھر خوف ناک دھماکا ہوا۔ دھوئیں کا ایک بادل کمرے میں پھیل گیا تھا۔ نووارد کمرے سے نکل بھاگا اور مضطرب صاحب کے کمرے میں گھس گیا' یہاں بھی اس نے خوب اودھم مچائی' ٹیٹو ہر چند کہ زخمی ہوگیا تھا۔ لیکن اب اسے غصہ آ گیا تھا' اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر پیشانی سے بہتے ہوئے خون کو صاف کیا اور پھر وہی رومال اپنی پیشانی سے کس لیا۔ اس کے بعد وہ وحشیانہ انداز میں کمرے کے دروازے سے باہر نکلا۔ اور اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں نووارد توڑ پھوڑ مچا رہا تھا اب اس کے ہاتھ میں ایک لمبا راڈ تھا۔ جو وہیں سے اٹھایا گیا تھا۔ اس نے راڈ سے پورے کمرے کے شیشے توڑنے شروع کردیئے' چھناکوں کی آوازیں دور دور تک ابھر رہی تھیں دھماکے کی وجہ سے بلڈنگ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور لوگ دفاتر سے دوڑ دوڑ کر باہر آ رہے تھے۔ شاید اس ایک دھماکے کے بم کے علاوہ اس کے پاس اور دوسرا کوئی بم نہ تھا۔ اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو یقیناً وہ ان لوگوں پر گولیاں برسانے کی کوشش کرتا' اس پر جنون کا دورہ پڑا تھا۔

سعدی اور ظفری اس کمرے سے نکل آئے تھے جہاں پر بم کا دھماکا ہوا تھا' کیونکہ دھوئیں کی شدید بدبو کمرے میں پھیل گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں نیچے پولیس گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے۔ اس وقت ٹیٹو اس طاقتور نووارد سے بھڑا ہوا تھا۔ دونوں میں شدید ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی' سعدی' ظفری اور شکیلہ

اس ہنگامے کو روک نہیں سکتے تھے اس کا روکنا بھی ضروری تھا اور پھر یہ احساس بھی تھا کہ کہیں وہ شدید زخمی نہ ہو جائے' کیونکہ ٹیٹو بھی بکھر گیا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

ٹیٹو نے جوڈو کراٹے کے داؤ استعمال کرنا شروع کردیے تھے اور ان حملوں کے آگے نووارد کا مضبوط بدن کوئی مدافعت نہیں کرسکا۔ ٹیٹو نے اسے مار مار کر ادھ مرا کردیا اور پھر وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔

پولیس شاید اوپر ہی آ رہی تھی۔ یہ جو کچھ ہنگامہ ہوا تھا' اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ سب ہکا بکا تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک پولیس انسپکٹر ان لوگوں کے دفتر میں داخل ہوگیا۔ پولیس کے جوانوں نے اس دفتر کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ انسپکٹر نے اندر داخل ہو کر ایک ایک کو دیکھا اور اس کمرے کو دیکھنے لگا جس کے بند دروازے سے دھواں نکل رہا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ کیا ہوا ہے یہاں؟'' اس نے پوچھا۔

''اوہ آفیسر ایک شخص۔ ایک شخص یہاں داخل ہوا اور اس نے یہ ہنگامہ آرائی کردی۔''

''کہاں ہے وہ؟'' پولیس آفیسر نے پوچھا اور سعدی اسے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ پولیس آفیسر نے بے ہوش پڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھا اور پھر ٹیٹو کی طرف' جو اب بھی پرتولے کھڑا تھا کہ جیسے ہی نووارد اٹھے' اسے پھر نیچے گرادے۔ اس نے دو کانسٹیبلوں کو آواز دی اور کانسٹیبل سے کہا اور کانسٹیبل ٹیٹو کی جانب بڑھ گئے۔

''سنیئے آفیسر سنیئے۔ یہ صرف مدافعت کررہا ہے' جارحیت نہیں۔ میرا خیال ہے یہ اس پر قابو پا چکا ہے۔''

''اس کے باوجود یہ شخص اس کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''میں اس کی جوابدہی کرلوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ اسے گرفتار کرنے کے بجائے

آپ اس شخص کی جیبوں کی تلاشی لیں کہیں کوئی اور مہلک چیز اس کے پاس موجود نہ ہو۔" سعدی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ بم اس نے ہی پھینکا تھا اور میرا خیال ہے کہ کمرے میں اچھی خاصی تباہی پھیلی ہے۔"

"ہوں۔ بہت لمبا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ٹیلی فون ہے آپ کے پاس؟"

"جی ہاں ٹیلیفون ہے۔" سعدی نے کہا۔ آفس میں کئی ایکسٹینشن تھے' ایک محفوظ کمرے میں لے جا کر سعدی نے انسپکٹر کو فون کے پاس چھوڑ دیا اور پولیس آفیسر ریسیور اٹھا کر ہیڈ آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے وہاں سے کچھ اور مدد طلب کی تھی۔

شکیلہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ تمام ہی لوگ مضطرب اور پریشان تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ باہر کے لوگ بھی کچھ نہ سمجھ سکے تھے اور اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہو گئی تھی' جس کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مطلق صاحب آج دفتر نہیں آئے تھے' اس لیے وہ اس سارے ہنگامے سے لاعلم تھے' لیکن سعدی' ظفری اور شکیلہ پر جو بیتی تھی' وہ ان کا دل ہی جانتا تھا' ان کا تمام دفتر تباہ ہو کر رہ گیا تھا اور پھر وہ نو وارد' نہ جانے کیا مصیبت لائے۔ وہ سب دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد پولیس کی کچھ اور گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں اور پولیس اوپر آ گئی۔ کمرے کا دھواں ٹوٹے ہوئے شیشوں کی وجہ سے منتشر ہو گیا تھا اور اب وہاں کی فضا پرسکون تھی۔ انسپکٹر نے اپنی نگرانی میں کمرے کا دروازہ کھلوایا اور اندر کا جائزہ لینے لگا۔ اندر جو تباہی نظر آئی' اس نے اسے دیکھ کر گہری گہری سانسیں لی تھیں۔

"یہ شخص۔ میرا مطلب ہے یہ بے ہوش شخص بلاوجہ ہی تو مشتعل نہ ہو گیا ہو گا' اس کی کچھ وجوہات ہوں گی۔" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"آفیسر براہ کرم ان تمام باتوں سے گریز کریں' پہلے اس معاملے کو سنبھالیں' یہ جواب دہی ہم عدالت میں بھی کر سکتے ہیں' یہ کوئی پان کی دکان نہیں ہے کہ آپ یہیں تفتیش کرنے کھڑے ہو گئے۔"

سعدی نے خشک لہجے میں کہا اور پولیس انسپکٹر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہرطور یہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا بھی بہت ضروری ہے' آپ کے دفتر کے علاوہ کسی اور دفتر کو بھی نقصان پہنچا ہے؟"

"کیا اس دفتر میں کھڑے ہو کر ان تمام باتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہوں' ٹھیک ہے' براہ کرم تمام لوگ باہر نکل آیئے اور سنو' اس بے ہوش شخص کو نیچے لے چلو۔ اور اگر ضرورت محسوس کرو تو اسے اسپتال پہنچا دو۔"

"سر اسے اسپتال پہنچانا ضروری ہے' اس کے بدن کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا ہے۔" ایک ایس آئی نے کہا اور انسپکٹر مدبرانہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اسے اسپتال لے جاؤ۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور بے ہوش آدمی کو دو تین آدمی اٹھا کر نیچے لے گئے' باہر کھڑا ہوا ہجوم صورت حال جاننے کے بارے میں کوشش کر رہا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو منتشر کیا اور پھر وہ نیچے اترنے لگے۔

انسپکٹر نے ان تمام لوگوں سے بھی دفتر سے نکل آنے کے لیے کہا اور ایک ایک کر کے وہ سب ہی باہر نکل آئے۔ سعدی نے انسپکٹر سے کہا۔

"اس آفس کی تلاشی لینے کی کوشش نہ کی جائے' بلکہ اسے بند کر دیا جائے' یہاں ہمارے اہم ترین کاغذات ہیں۔"

"کیا پولیس آپ کے ان کاغذات کو نقصان پہنچائے گی؟"

"میں یہ نہیں کہتا' لیکن میں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ آپ ابھی سے اندر گھس کر فضول قسم کے کام شروع کر دیں اس سلسلے میں براہ راست ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"ٹھیک ہے اسے بند کر دیا جائے' لیکن یہاں کوئی اور ایسی آتش گیر چیز تو نہیں رہ گئی ہے' جو آگ پکڑ لے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں یہاں بموں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔" ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"آپ لوگ میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کر رہے' قانون کے محافظوں کے ساتھ آپ کو تعاون کرنا چاہیے۔"

"ہم تعاون کرنا چاہتے ہیں انسپکٹر' لیکن آپ بھی اپنا رویہ تبدیل کریں' ہم پہلے ہی آپ سے کہہ چکے ہیں کہ یہ کوئی پان کی دکان نہیں ہے' ایک پر وقار ادارہ ہے' جس کی بہت بڑی ساکھ ہے' چنانچہ اس سلسلے میں ہم براہ راست ڈی آئی جی صاحب کو جوابدہ ہیں' آپ غلط حرکات کے مرتکب نہ ہوں' دفتر بند کر دیا جائے۔"

انسپکٹر کو ان لوگوں کے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ واقعی معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ یوں بھی وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا تھا' چنانچہ اس نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور دفتر بند کر دیا گیا۔ پولیس کے دو کانسٹیبل یہاں تعینات کر دیے گئے' لیکن سعدی نے ایک اور کام بھی کیا۔

اس نے جادو اور ڈھل سے کہا کہ وہ پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ رہیں اور اس بات کی نگرانی رکھیں کہ دفتر نہ کھولا جائے اور اگر دفتر کھولا جائے تو وہ چند لوگوں کو گواہ بنا کر سعدی اور ظفری کو اطلاع دیں۔"

جادو اور ڈھل پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ وہاں جم گئے تھے' انسپکٹر نے بھی اس بات پر

اعتراض نہیں کیا تھا ویسے ان لوگوں کے بھی ہوش اڑے جا رہے تھے' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا' نووارد کون تھا' اچانک اس پر جنون کا دورہ کیوں پڑا تھا؟ نوٹوں کی گڈیاں سعدی کی جیب میں موجود تھیں اس کے علاوہ بھی دفتر میں بہت کچھ تھا جسے بہر طور پولیس کی دسترس سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ اپنی کار میں تھے۔ مضطرب صاحب اور دوسرے لوگوں کو پولیس کار میں بٹھا دیا گیا تھا۔ نووارد کو غالباً اسپتال بھیج دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ علاقے کے پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔ یہاں ان تمام افراد کو ایک کمرے میں بٹھا دیا اور پولیس انسپکٹر نے سعدی سے کہا۔ "آپ براہ کرم اپنا بیان لکھوا دیجیے۔"

"جی ہاں' لیکن سب سے پہلے میں ڈی آئی جی صاحب کو فون کرنا چاہوں گا۔"

"کون سے ڈی آئی جی صاحب۔"

"آفتاب احمد صاحب۔"

"کمال ہے' آپ کو یہ علم نہیں کہ آفتاب احمد صاحب کا یہاں سے تبادلہ ہو گیا ہے پچھلے دنوں اخبارات میں ان کے بارے میں تفصیلات بھی آئی تھیں۔" پہلی بار سعدی بوکھلایا تھا۔ آفتاب احمد صاحب کے اچانک تبادلے کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔ ویسے کافی دن سے ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہو پایا تھا۔ چنانچہ اس خبر سے وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں نے اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں سنی۔"

"اس میں میرا قصور کیا ہے؟" انسپکٹر نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

"نئے ڈی آئی جی صاحب کون ہیں؟"

"ان کا نام احسان علی ہے اگر آپ ان سے بات کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔"

"نہیں' پھر براہ کرم آپ مجھے ہدایت پور ٹیلی فون کرنے کی اجازت دیں۔"

"ہدایت پور میں آپ کسے فون کریں گے؟"

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو۔"

"ہوں۔ بہت بڑے بڑے تعلقات ہیں آپ کے' بہر صورت کر لیجیے۔" پولیس آفیسر نے کہا اور سعدی فون کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور ہدایت پور کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔ غالباً سیکریٹری بول رہا تھا۔ سعدی نے بیگم جہاں آراء سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو سیکرٹری نے کہا۔

"اوہ جناب بیگم صاحبہ تو موجود نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں وہ کان کے علاج کی غرض سے یورپ گئی ہوئی ہیں۔"

"کک۔۔۔۔ کیا۔ کتنے دن پہلے کی بات ہے؟"

"غالباً ایک ہفتہ ہو گیا۔"

"سمن آراء ہیں؟"

"جی سمن بی بی موجود ہیں' انھیں بلاؤں؟" سیکرٹری نے پوچھا۔

"ہاں بلائیے فون پر۔" سعدی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد سمن کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو' کون صاحب ہیں؟"

"سمن میں سعدی بول رہا ہوں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے۔"

"اوہ سعدی صاحب کہیے' کیسے مزاج ہیں؟ ظفری کیسے ہیں' بہت دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"بھئی میں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اسی سلسلے میں بیگم صاحبہ کو فون کیا تھا لیکن پتا چلا کہ وہ یورپ گئی ہوئی ہیں۔"

"جی ہاں۔ کان میں بہت سخت تکلیف تھی' علاج ہو رہا تھا لیکن اس سے افاقہ نہ ہو سکا' چنانچہ امی نے لندن جانے کا فیصلہ کر لیا تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا ہے انھیں گئے ہوئے' لیکن کیا

مصیبت آئی ہے؟"

"اگر ممکن ہو سکے سمن آراء تو تم یہاں پہنچ جاؤ۔ ہمارے دفتر میں ایک حادثہ پیش آیا ہے اس کی تفصیلات تو تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔ یہاں پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر لینا ہمارے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی یا پھر مطلق صاحب سے مل لینا تم؟"

"ٹھیک ہے' میں آ رہی ہوں۔"

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"میں ان باتوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے' آپ پولیس سے مستقل سختی کا سلوک کر رہے ہیں جو بہتر نہیں ہے ہم ذاتی مفاد کی بنا پر آپ کے خلاف کاروائی نہیں کر رہے ہیں بلکہ جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے اس سے انحراف نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ پولیس ہمارے ساتھ بہتر رویہ اختیار کرے۔ ہم جرائم پیشہ لوگ نہیں ہیں بلکہ باعزت شہری ہیں۔"

"اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ ویسے ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" پولیس آفیسر بولا۔

"وہ ہمارے مربی اور ہمارے دوسرے تھے۔ درحقیقت ان کے چلے جانے سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے۔"

"ڈی آئی جی صاحب کو اچانک ہی یہاں سے ٹرانسفر کر دیا گیا ہے کچھ خاص وجوہات تھیں اس کی' جس کی بناء پر انھیں چند گھنٹوں کے اندر اندر دوسرے علاقے میں چارج لینے کی ہدایت کی گئی تھی۔" انسپکٹر کا رویہ اب نرم ہوتا جا رہا تھا۔

"ہم لوگوں نے ان کے ساتھ مل کر بہت سے ایسے معاملے نمٹائے جو پولیس کے لیے دردِ سر تھے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"انسپکٹر کیا آپ بھی شہر میں نئے آئے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا میں ایک دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیے کہ آپ کا دفتر کس نوعیت کا ہے کیا کاروبار کرتے ہیں آپ لوگ؟"

"ہمارے دفتر کا نام ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے۔"

"خوب' کیا یہ کوئی دوائیں وغیرہ بنانے کی فرم کا دفتر ہے؟"

"نہیں بس مختلف امور یہاں طے کیے جاتے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ ایک پولیس برانچ تھی اور ایسے کام جس میں پولیس براہ راست مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی تھی' ہمارے سپرد کر دیے جاتے تھے۔"

"اوہ گویا' یعنی پرائیویٹ پولیس یعنی پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ؟"

"نہیں یہ تو نہیں کہا جاسکتا' بس یوں سمجھیے کہ لوگوں کی مشکلات حل کرنے کا یہ ادارہ تھا۔"

"تب تو اس کی حیثیت خود بخود مشکوک ہو جاتی بہر طور۔" انسپکٹر نے کہا۔

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو آپ جانتے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں جس علاقے میں تھا وہاں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا ایک محل تعمیر ہو رہا تھا' ان سے میری بھی ملاقات ہوئی تھی۔"

"اور ان کی بیٹی سمن آراء ہدایت پور سے؟"

"نہیں' ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی' غالباً آپ نے انھی کو بلایا ہے۔"

"ہاں۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور ملک سے باہر گئی ہوئی ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیے' اگر کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے تو آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی جائے گی۔ ویسے اس بے ہوش شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں انسپکٹر کہ ہمارا ادارہ لوگوں کو مشکلات سے نکالتا تھا لیکن تمام تر قانونی دائرہ کار میں رہ کر یہ شخص بھی معقول معاوضہ دے کر ہم سے اپنا کوئی کام کروانا چاہتا تھا۔ بڑا پرسکون ہمارے پاس آیا تھا اور ہم سے بڑی سلجھی ہوئی گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک اس پر جنون کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے میز الٹ دی' ہمارے ایک ساتھی کو زخمی کر دیا۔ وہ آپ کی تحویل میں ہے اس کا نام مضطرب ہے۔ ہم لوگوں نے اسے بچانے کی کوشش کی تو اس نے دفتر میں تباہی پھیلا دی۔ میزیں الٹ دیں' شیشے توڑ دیے اور پھر اس نے اپنے اندرونی لباس سے ایک بم نکال کر کمرے میں پھینک دیا' ہمارے اس آدمی نے بمشکل اسے قابو میں کیا جو جوڈو کراٹے سے واقفیت رکھتا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو یقینی طور پر اس شخص کے ہاتھوں ہمارے کچھ اور لوگوں کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کے پاس پستول نہیں تھا ورنہ شاید دو چار لاشیں دفتر میں پڑی ہوتیں۔" سعدی نے کہا۔

"آپ اپنا یہ بیان لکھوا دیجیے ویسے میں ایس پی صاحب سے رابطہ قائم کر کے یہ رپورٹ انھیں پیش کرتا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا اور پھر وہ ہیڈ آفس فون کرنے لگا۔ ایس پی شاید اس ادارے سے واقف تھے لیکن انھیں سعدی یا ظفری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بہر صورت معاملہ لمبا گیا' سعدی اور ظفری کو ایس پی صاحب کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ شکیلہ کو انھوں نے واپس گھر بھیج دیا لیکن اس سے کہا تھا کہ مطلق صاحب کو ابھی اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہ بتائی جائے' ورنہ وہ اور بیگم صاحب پریشان ہو جائیں گے۔

ظفری اور سعدی کے بیانات لکھے گئے پھر مضطرب صاحب سے معلومات حاصل کی گئیں اور پولیس انسپکٹر نے ایک رپورٹ تیار کر کے ایس پی صاحب کے پاس بھجوا دی جہاں سے انھیں فوراً ہی طلب کر لیا گیا۔ باقی لوگوں کو لاک اپ میں نہیں بٹھایا گیا لیکن انسپکٹر نے کہا تھا کہ ضروری کارروائی ہونے تک وہ انھیں تھانے ہی میں روکنا چاہتا ہے۔

سعدی نے اس کی اجازت دے دی اور وہ ایس پی صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔ ایس پی صاحب نے انھیں کرخت نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"تو آپ ہیں وہ حضرت جو یہاں ایک پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ چلا رہے ہیں؟"

"جو کچھ بھی آپ خیال فرمالیں ایس پی صاحب۔ ہمارا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ نہیں ہے بلکہ بس ہم مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں۔"

"کیسی مشکلات؟"

"وہ جو قانون کے دائرے کے اندر ہوں۔"

"مثلاً میں اس کی مثال چاہتا ہوں۔"

"مثلاً اگر کسی کے ذاتی اختلافات کسی سے ہوں تو ہم ان میں مفاہمت کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی دوسرے چھوٹے موٹے معاملات۔"

"لیکن یہ کام تو پولیس کا ہے؟"

"ہرگز نہیں یہ کام عام لوگوں ہی کا ہے پولیس تو صرف جرائم کی بیخ کنی کرتی ہے۔"

"اور آپ کسی مجرم کی مدد نہیں کرتے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارے قوانین میں یہ درج ہے ہم کوئی بھی ایسا کام ہاتھ میں نہیں لیتے جو پولیس کے لیے ناخوشگوار ہو۔"

"ہوں۔ یہ آڑ تو لی ہی جاتی ہے لیکن آپ لوگ باقاعدہ جرم کر رہے ہیں۔ پرائیویٹ جاسوسی کی ہمارے ملک میں اجازت نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ میرا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ نہیں ہے۔"

"خیر یہ تمام تفصیلات تو بعد میں معلوم ہو ہی جائیں گی۔ ہمیں اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اچانک آپ کے دفتر میں گھس آیا تھا اور جس نے آپ کے ادارے میں توڑ پھوڑ مچائی اور جسے آپ لوگوں نے مل کر شدید زخمی کر دیا۔"

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں ایس پی صاحب کہ اس شخص کے بارے میں براہ

کرم مجھے تفصیلات بتایئے تاکہ میں اس کے خلاف کسی کاروائی کا آغاز کرسکوں۔"

"ہوں۔ مسٹر ظفری اور مسٹر سعدی معاملہ الجھا ہوا ہے میں آپ کو حراست میں نہیں لینا چاہتا لیکن جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے آپ کو کوئی بہتر ضمانت پیش کرنا ہوگی۔"

"بیگم ہدایت پور اس وقت یورپ گئی ہوئی ہیں۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب کا اچانک تبادلہ ہوگیا ہے اگر آپ لوگ پسند کریں تو ان سے رابطہ قائم کر کے ہمارے بارے میں ہدایت لے سکتے ہیں۔"

"نہیں سوری ڈی آئی جی صاحب سرحد کے علاقے میں ہیں اور انھیں جس کام پر معمور کیا گیا ہے اس سلسلے میں وہ بہت معروف ہیں چنانچہ ہم کسی طور پر ان کو پریشان نہیں کر سکتے۔ خاص طور سے ایک ذاتی مسئلے میں!"

"تو پھر آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔ ویسے سمن آراء ہدایت پور آتی ہوں ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔" ایس پی صاحب خاموش ہوگئے۔ ان کا رویہ ان کے ساتھ بہتر نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ انھیں پسند نہ کرتے ہوں۔

"سمن آراء ہدایت پور پہلے پولیس اسٹیشن پہنچیں اور اس کے بعد پولیس ہیڈ آفس آگئیں۔ یہاں انھوں نے سعدی اور ظفری سے ملاقات کر کے تمام تفصیلات معلوم کیں ایس پی صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ سمن آراء اپنے ساتھ ضمانت کے لیے کاغذات لائی تھی ایس پی صاحب نے خود ان کا استقبال کیا تھا۔ سمن آراء نے کہا۔

"جو کچھ ہوا ہے مجھے اس کی نوعیت یا تفصیلات نہیں معلوم لیکن میں اس پورے ادارے کی ضمانت لینا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ کی ضمانت قبول کی جائے گی مس ہدایت پور۔ براہ کرم آپ ضروری کاغذات پر کرلیں اور میں آپ لوگوں سے بھی عرض کرتا ہوں کہ پولیس سے بہتر تعاون کریں۔ ابھی دفتر کو کھولنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ضمنی کاروائی ضروری ہے۔"

''بہتر' لیکن ایک درخواست کی جاتی ہے آپ سے کہ ہماری غیر موجودگی میں دفتر کو کھولنے کی کوشش آپ بھی نہ کیجیے گا۔''

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ویسے بھی قانون اتنا خود مختار نہیں ہے۔'' ایس پی نے انھیں یقین دلایا۔ سمن آراء ہدایت پور نے تمام کاغذی کارروائی پوری کی اور پھر ان لوگوں کی ضمانت دے دی گئی۔

تھانے سے باقی لوگوں کو ریلیز کر دیا گیا تھا۔ سعدی اور ظفری سمن آراء کے ساتھ پولیس ہیڈ آفس سے نکل آئے۔ دونوں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ سمن آراء ہدایت پور بھی پریشانی کا شکار تھی پھر اس نے کہا۔

''کیا خیال ہے کہاں چلیں؟ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے گھر چلوں یا پھر ہم لوگ کسی ہوٹل میں بیٹھ کر گفتگو کریں؟''

''گھر پر میں آپ کو کسی مناسب وقت پر خوش آمدید کہوں گا سمن' لیکن اس وقت براہ کرم کسی ہوٹل میں بیٹھ کر تفصیل سن لیجیے۔''

''ہاں آیئے آیئے۔'' سمن نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ریستوران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سعدی اور ظفری منہ ہاتھ دھو آئے تھے۔ سمن آراء پریشان نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ ان ہنس مکھ لوگوں کے چہروں پر پریشانی کی یہ جھلکیاں پہلی بار دیکھی تھیں اور اسے دلی افسوس ہو رہا تھا۔

''ہاں تو صورت حال بتایئے۔'' اس نے کہا۔

اور ظفری اسے تمام تفصیلات بتانے لگا۔ سمن آراء بولی۔

''میں آپ لوگوں کے لیے اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ کاش امی یہاں ہوتیں وہ تو ان معاملات کو سنبھالنے کی پوری پوری اہلیت رکھتی ہیں تاہم میں سیکرٹری کو بلا لیتی ہوں وہ آپ لوگوں کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیے۔ ویسے میں خود بھی یہیں موجود ہوں اس شخص

کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں تو پتا چلے کہ وہ خود کیا چیز تھا ممکن ہے کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ ذہنی مریض تھا اور اس طرح آپ کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔''

''شاید۔'' سعدی نے جواب دیا۔ تب سمن آراء بولی۔

''میرے لیے کسی ہوٹل میں کمرہ بک کرا دیجیے۔ یہ انتظام آپ ہی کو کرنا ہوگا۔''

''بسر و چشم۔ بسر و چشم۔ ویسے آپ سیکرٹری کو بھی فون کر دیں کیونکہ بیگم صاحبہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اس کی معلومات خاصی وسیع ہوں گی۔'' سعدی نے کہا۔ کچھ ایسا عجیب موقع آ گیا تھا کہ وہ لوگ خود کو ایک دم خالی خالی محسوس کر رہے تھے۔ انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے اب تک وہ جو کچھ کرتے رہے ہوں' ایک کھیل سا ہو انھوں نے اپنی اتنی مضبوط جڑیں نہیں گاڑیں تھیں جتنی ضرورت تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ صحیح طور پر جاسوس نہیں تھے بلکہ یہ جاسوسی تو خود بخود ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ بہرطور ہوٹل میٹرو میں سمن آراء ہدایت پور کو مقیم کیا گیا اور ایک خوبصورت کمرہ اس کے لیے حاصل کیا گیا۔ سمن آراء نے وہیں سے سیکریٹری کو دارالحکومت پہنچنے کی ہدایت کی تھی اس نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے طور پر جو کچھ کرنا چاہتے ہوں کرتے رہیں وہ یہاں سکون سے ہے کوئی ایسی مشکل نہیں جو اسے پیش آئے یہاں اس کی کئی سہیلیاں بھی ہیں جنھیں وہ طلب کر لے گی۔ اس نے انھیں اطمینان دلایا کہ وہ بے فکر رہیں وہ تمام معاملات کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لے گی۔

ڈی آئی جی صاحب آفتاب احمد کے بارے میں اسے بھی معلومات نہیں تھیں کیونکہ ڈی آئی جی صاحب کی یہاں سے روانگی بالکل ہی اچانک ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اس قسم کے نہیں تھے کہ ان سے ملاقات کر کے نہ جاتے۔ بہرطور سعدی اور ظفری وہاں سے واپس آ گئے۔ گھر پہنچ کر شکیلہ کو اس سلسلے میں تمام تفصیلات بتائیں۔ مطلق صاحب کو بھی ان تمام باتوں سے ناآشنا رکھنا حماقت تھی کیونکہ اب وہ خود بھی اس ادارے میں شامل ہو گئے تھے۔ آج مصروفیت تھی اس لیے نہیں گئے تھے لیکن کل بہرطور وہ جائیں گے اور انھیں حالات کا پتا چل جائے گا۔''

مطلق صاحب یہ تمام تفصیلات سن کر بری طرح پریشان ہو گئے تھے پھر انھوں نے کہا۔

"تو پھر اس سلسلے میں اب کیا ہوگا اس شخص کے بارے میں معلومات تو حاصل کی جائیں کہ وہ کون ہے؟"

"ہاں' میں بھی سوچ رہا ہوں۔ آؤ ظفری تیار ہو جاؤ' ہم اسپتال چلیں گے کم از کم پتا تو لگایا جائے کہ وہ شخص ہے کیا چیز۔" ظفری نے گردن ہلا دی تھی۔ شکیلہ خود بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی اور تینوں تھوڑی دیر کے بعد تیار ہو کر کار میں چل پڑے مطلق صاحب نے بھی فرمائش کی تھی کہ وہ بھی ساتھ چلیں گے۔ لیکن سعدی نے ان سے کہا تھا کہ وہ دوسرے معاملات کے لیے خود کو تیار رکھیں پتا نہیں یہ سلسلہ کب تک جاری رہے اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ اسپتال پہنچ گئے' یہاں اس کمرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں دقت نہ ہوئی جس میں وہ شخص مقیم تھا پولیس وہاں موجود تھی لیکن جس وقت وہ لوگ کمرے کے دروازے پر پہنچے تو ان کی ملاقات پولیس انسپکٹر سے ہوئی وہ خود بھی وہیں آیا ہوا تھا اور ابھی کمرے میں داخل نہیں ہوا تھا اس وقت ان کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ بہتر تھا اس نے مسکرا کر سعدی اور ظفری کو ہیلو کہا پھر بولا۔

"آپ کو علم ہو گیا کہ یہ شخص کون ہے میرا مطلب ہے وہ جس نے آپ کے آفس میں تباہی مچائی تھی۔"

"نہیں' ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شہر کا ایک بہت بڑا صنعتکار جاوید عمرانی غالباً آپ نے اس کا نام سنا ہوگا۔ بڑا دولت مند آدمی ہے۔ خاصی اچھی شہرت کا مالک۔" انسپکٹر نے بتایا۔

"اوہ۔ آپ اس سے مل چکے ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہوش میں آ گیا ہے؟"

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے یہاں سے مجھے فون کیا گیا

تھا۔ ایس پی صاحب بھی تھوڑی دیر کے بعد آنے والے ہوں گے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"آیئے' ہم اس سے ملیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ چند لمحات باہر توقف کریں۔ محسوس نہ کریں اس بات کو' دیکھیے نا پولیس کی اپنی ذمہ داریاں بھی کچھ ہوتی ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرا رویہ بہتر نہ رہا' لیکن اس کے لیے میں نے آپ سے معافی مانگ لی ہے۔"

"کوئی بات نہیں انسپکٹر آپ چونکہ نئے ہیں اس لیے یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارے پولیس سے بہت بہتر تعلقات رہے ہیں اور کبھی بھی پولیس کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

یقیناً' یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ آپ کے تعلقات تو ویسے بھی بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔ ایس پی صاحب تشریف لے آئیں' اس کے بعد میں ان سے ہدایت لے لوں گا کہ آپ کو اس شخص سے ملاقات کی اجازت دی جائے یا نہ دی جائے' آپ براہ کرم محسوس نہ کریں ویسے آپ تشریف رکھیے۔" انسپکٹر نے کہا اور اندر چلا گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور انسپکٹر کمرے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ ایس پی صاحب بھی پہنچ گئے۔

ان لوگوں نے ان سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایس پی صاحب کمرے کے اندر چلے گئے اور پھر تقریباً پانچ یا سات منٹ کے بعد انسپکٹر برآمد ہوا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"براہ کرم آپ لوگ تشریف لے آیئے۔" سعدی' ظفری اور شکیلہ اندر داخل ہوئے۔

اندر ایک بیڈ پر وہ شخص موجود تھا۔ اس وقت وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ زخموں پر ٹیپ چپکا دیے گئے تھے ویسے کوئی شدید زخم نہیں آیا تھا اس کو البتہ ٹیٹو نے اس کی اچھی خاصی پٹائی کر دی تھی جس سے اسے ابھی تک تکلیف ہو رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی لیکن قریب کھڑی ہوئی نرس نے کہا کہ وہ آرام کرے اور اسی طرح لیٹے لیٹے اپنے دوستوں سے باتیں کرے۔

"میں ایس پی صاحب کو اپنا بیان دے چکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح آپ لوگوں سے معذرت کروں البتہ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جو نقصان آپ کو میری وجہ سے ہوا ہے اسے پورا کرنا میری ذمہ داری ہے۔ بدقسمتی ہی کہہ لیجیے اسے میری کہ مجھ پر کبھی کبھی جنون کے دورے پڑ جاتے ہیں۔ مجھے اپنے دورے کی کیفیت یاد رہتی ہے لیکن جو کچھ میں کر رہا ہوتا ہوں وہ غیر اختیاری ہوتا ہے میں کوشش کے باوجود اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتا۔ میں ایس پی صاحب کو بیان دے چکا ہوں کہ ان شریف لوگوں کا میرے معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے میری وجہ سے ہوا ہے اور میں اس کا مکمل طور پر ذمہ دار ہوں۔ اب آپ لوگوں کو پریشان کرنے کے سلسلے میں مجھ پر جو بھی ذمہ داری عائد کی جائے گی میں اسے قبول کروں گا۔"

"جاوید عصرانی صاحب' آپ نے ان لوگوں کا پورا دفتر تباہ کر کے رکھ دیا ہے' ان کا کاروبار رک گیا اور انھیں خواہ مخواہ پولیس کے ہاتھوں پریشان ہونا پڑا۔ یہ ساری باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔ بہر طور آپ کا بیان ہمارا آدمی تحریر کرے گا اور اس کے بعد جو بھی کاروائی اس سلسلے میں آپ لوگوں کے درمیان طے پائے گی' وہی کی جائے گی۔ مسٹر سعدی' ظفری اور مس شکیلہ میں آپ لوگوں سے معذرت کرتا ہوں کہ آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی۔ آپ اس سلسلے میں مسٹر جاوید عصرانی پر کیس قائم کر سکتے ہیں۔ اس کی آپ کو مکمل طور پر اجازت ہے۔" جاوید عصرانی غمناک نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ آپ لوگ مجھ سے جو بھی چاہیں گے میں کروں گا۔ جو کچھ میرے ہاتھوں ہو چکا ہے اسے میری بدنصیبی تصور فرمایئے اور آفیسر مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لوگوں سے آزادانہ طور پر ملاقات کر سکوں اگر پولیس میرے اوپر کوئی کیس قائم کرنا چاہتی ہے تو میرا وکیل اس سلسلے میں ملاقات کرے گا۔"

"وہ بم آپ کو کہاں سے حاصل ہوا تھا؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"خدا کی قسم مجھے اس کا علم نہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کے بیان سے مطمئن ہوں۔ پولیس ڈاکٹر سے مل لیتا ہوں' وہ آپ کے بارے میں جو کچھ بھی کہیں گے آپ کو اس کی اطلاع پہنچا دی جائے گی۔" ایس پی صاحب نے کہا اور پھر وہ اٹھ گئے۔ انھوں نے سعدی اور ظفری سے ہاتھ ملایا تھا۔ اور ایک بار پھر انھوں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ لوگوں کو زحمت ہوئی۔ اب معاملہ آپ کے اور مسٹر عصرانی کے درمیان رہ گیا ہے۔ آپ لوگ خود بھی اس سلسلے میں جو فیصلہ کریں پولیس کو اس سے مطلع کر دیں۔"

پولیس آفیسر وہاں سے چلا گیا جاوید عصرانی نے نرس کے ذریعے اپنے گھر والوں کو فون کرا دیا تھا دو تین افراد وہاں پہنچ گئے جن میں جاوید عصرانی کی بیٹی بھی شامل تھی۔ اس صورت حال سے وہ لوگ بڑے پریشان نظر آتے تھے۔

بہر طور جاوید عصرانی کو اس اسپتال سے منتقل کر کے ایک دوسرے پرائیویٹ اسپتال میں لے جایا گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ بھی چلے آئے تھے۔ واپس آ کر انھوں نے مطلق صاحب کو تفصیل بتائی پھر وہ سمن آراء ہدایت پور سے ملنے چل پڑے۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی سمن آراء کے پاس اس کا سیکریٹری پہنچ گیا تھا۔ اور وہ اس کو ہدایت جاری کر چکی تھی کہ ان لوگوں کو جس شکل میں بھی ممکن ہو سکے مدد دی جائے لیکن اب صورت حال ہی مختلف ہو گئی چنانچہ سمن آراء نے اپنے سیکریٹری کو فون کر کے واپس بلا لیا اور کہنے لگی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے' مجھے اس کا افسوس ہے' اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں' تمھارا آفس دوبارہ سیٹ ہونے میں بھی ابھی تو وقت لگے گا۔"

"کچھ حرج نہیں ہے مس سمن آراء' ہم ضروری تیاریاں کر لیں گے۔ آفس تو بہر طور جاری رہے گا لیکن سب سے بڑی الجھن ڈی آئی جی آفتاب احمد کے چلے جانے کی ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بڑی ڈھارس تھی۔ یقین تھا کہ اگر میں انھیں ایک فون کر دیتا تو اس پولیس آفیسر کی یہ مجال نہ ہوتی کہ وہ میرے دفتر کو بند کر کے تالا لگا دیتا۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ بہر طور امی واپس آ جائیں اس کے بعد اس سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی مناسب کارروائی کر لی جائے گی۔" سمن آرا نے کہا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ رات کو ایک پارٹی میں شریک ہوں گی۔ اس پارٹی کی دعوت مجھے پہلے سے تھی لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ اب یہاں آئی ہوں تو شامل ہو جاؤں اور اس کے بعد رات کو ہی کسی وقت واپس چلی جاؤں گی۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے آپ لوگ۔"

"نہیں، بہت بہت شکریہ آپ نے بروقت ہماری بھرپور مدد کی ہے ورنہ آپ نہ ہوتیں تو مشکلات میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔"

سمن آرا ہدایت پور سے فارغ ہو کر بالآخر وہ گھر پہنچ گئے۔ اس وقت دفتر کی طرف رخ کرنا بھی حماقت تھی۔ بری طرح تھکن ہو گئی تھی۔ رات کو دیر تک اس سلسلے میں میٹنگ ہوتی رہی یہ بھی شکر تھا کہ اس بڑے آدمی نے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ اس کو جنون کا دورہ پڑا تھا اگر اس کی بے ہوشی ہی طویل ہو جاتی یا پھر ممکن ہے اسے یاد نہ رہتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے تو بڑی مصیبت پیش آسکتی تھی۔ خاصے ہنگامے ہوتے اور بات نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی۔ مضطرب صاحب زخمی ضرور ہوئے تھے لیکن اتنے نہیں کہ انھیں اسپتال پہنچانا پڑتا۔ تاہم وہ اچھے خاصے نڈھال محسوس ہو رہے تھے۔

دوسرے دن ٹیٹو اور دوسرے افراد گھر پہنچ گئے۔ جادو اور ڈھل نے بتایا کہ پولیس والے شام ہی کو واپس چلے گئے تھے لیکن وہ ساری رات دفتر کے سامنے پہرہ دیتے رہے تھے۔ صبح کو تمام تیاریوں کے ساتھ وہ لوگ دفتر چل پڑے۔ دفتر کھلوا گیا اور یہاں کی تباہی کا جائزہ لیا گیا۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ سامان منتشر پڑا ہوا تھا۔ ڈیکوریشن پیس چور چور ہو گئے تھے۔ لیکن یہ تباہی ایسی نہیں تھی کہ جسے درست نہ کیا جاسکتا، تمام لوگوں نے مل کر میزیں

وغیرہ سیدھی کیں، قالین وغیرہ جھاڑے گئے اور اس کے بعد عارضی طور پر دفتر بھی لیا گیا۔

ایک شیشہ لگانے والے کو بلایا گیا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ بہر طور یہ حادثہ ان لوگوں کو خاصا مضمول کرنے کا باعث بن گیا تھا۔ سمن آرا ہدایت پور بھی دن کو تقریباً گیارہ بجے ان کے پاس پہنچ گئی۔ دفتر کو دیکھ کر اس نے بڑے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ وہ ہدایت پور جانے والی تھی لیکن رات کو اس کے دوستوں نے اسے روک لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ ان کے ساتھ رہی اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد رخصت ہو گئی۔

سعدی، ظفری اور شکیلہ اسی مسئلے پر گفتگو کرنے لگے۔ جاوید عصرانی نے انھیں تیس ہزار روپے پیش کیے تھے۔ وہ ابھی تک ان کے پاس ہی محفوظ تھے۔ ویسے یہ بھی شکر تھا کہ دفتر کا ریکارڈ محفوظ تھا لیکن ان سب کو ڈی آئی جی آفتاب احمد کے چلے جانے کا افسوس تھا۔ سعدی نے کہا۔

"یہ معلوم کرنا ہوگا کہ آفتاب احمد صاحب کا ٹرانسفر سرحد کے کون سے علاقے میں ہوا ہے۔ ان سے ہمیں بڑی ڈھارس تھی۔"

"لیکن یہ بھی تو پتا چلا ہے کہ وہ کسی ایسے کام میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے انھیں ڈسٹرب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بہتر یہ تھا کہ جب وہ خود ہی ہم سے رابطہ قائم کریں تو ہم ان سے ملاقات کریں۔"

"پتا نہیں یہ سب کیا چکر بازی ہے لیکن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر پہلی بار برا وقت پڑا ہے۔"

"برا وقت پڑا تھا لیکن اب تو وہ ٹل گیا۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں، لیکن سوچنے کے لیے بہت کچھ چھوڑ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہماری اپنی ذاتی حیثیت کیا ہے۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب جب تک یہاں تھے ہم بالکل بے فکر تھے اور ہمیں امید ہوتی تھی کہ وہ ہمارے کسی بھی مسئلے کو سنبھال لیں گے۔ لیکن اب نئے ڈی آئی جی آ گئے ہیں، احسان علی صاحب کون ہیں، کیا ہیں اس بارے میں کچھ

معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ چنانچہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی کارروائیاں محدود کرنا ہوں گی اور ہمیں یہاں موجود چیزوں میں سے بھی کچھ کی ردوبدل کرنا ہوگی۔“

”یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بہرطور لوگ تسلیم کر چکے ہیں کہ ہمارا ادارہ تخریبی کام نہیں کرتا اور ہم بہرطور ایک نیک نام حیثیت رکھتے ہیں۔“

”ہاں‘ لیکن اب کچھ دن تک مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ اس حادثے نے میرے دماغ کی چولیں ڈھیلی کردی ہیں۔“ سعدی نے کہا۔

”یار سعدی بات صرف ایک ہے‘ ہم لوگ اس قابل ہیں ہی نہیں کہ اتنے بڑے ادارے کو سنبھال سکیں‘ اپنی اوقات سے بہت آگے بڑھ گئے تھے ہم۔ میرا خیال ہے‘ ہمیں اپنی اوقات میں واپس آجانا چاہیے۔“

”اب واپسی مشکل ہے یہ اتنا سارا اسٹاف جو جمع کرلیا ہے اس کا کیا ہوگا؟“

”ان شریف لوگوں کے لیے بہرطور کوئی نہ کوئی بندوبست کریں گے بس ذرا بددلی سی ہوگئی ہے یا پھر یوں ہونا چاہیے کہ ہمیں اپنے تعلقات وسیع سے وسیع تر کرنے چاہئیں۔ ہمارے پاس دو ہی مہرے تھے‘ بیگم جہاں آراء ہدایت پور اور ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب۔ چلیے جہاں آراء ہدایت پور تو واپس آجائیں گی لیکن آفتاب احمد کی کمی پوری کرنا مشکل ہے۔ اس لیے اب نئے سرے سے کچھ سوچنا ہوگا۔ ورنہ یا گاڑی چلنا مشکل ہے۔“ ظفری نے کہا اور سب سوچ میں ڈوب گئے۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اسی پیمانے پر آراستہ کردیا گیا تھا‘ لیکن ذہنی طور پر وہ خود کو ابھی تک ایڈجسٹ نہ کر پائے تھے۔ سب ہی اس حادثے سے متاثر معلوم ہوتے تھے‘ جاوید عصرانی کی طرف سے کئی بار ٹیلی فون آچکا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر چلا گیا تھا لیکن ابھی آرام کررہا تھا‘ اس نے کہا تھا کہ کسی وقت ان کے دفتر کا معائنہ کرے گا۔ اس نے انتہائی معذرت کی تھی‘ ویسے ظفری ایک بار اس کے پاس جاکر اس کی دی ہوئی رقم واپس کرآیا تھا۔

جاوید عصرانی نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ رقم وہ لوگ اپنے طور پر رکھ لیں اور اس

نقصان کا ازالہ کریں جو انھیں اس کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ لیکن ظفری اس کے لیے تیار نہیں ہوا تھا‘ البتہ اس نے جاوید عصرانی سے پوچھا تھا۔

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں‘ بلکہ میں ہی نہیں‘ میرا پورا ادارہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کیا آپ واقعی کسی مشکل میں گرفتار ہونے کے بعد ہمارے پاس پہنچے تھے؟“

اس کے جواب میں جاوید عصرانی نے جو کچھ بتایا تھا وہ بڑا حیرت انگیز تھا‘ اس نے کہا تھا۔

”نہیں میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہوں۔ بس تقریباً دو یا ڈھائی ماہ سے مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے کوئی چیز میرے ذہن میں چبھ رہی ہے‘ بعض اوقات مجھے اپنے کانوں میں ایسی آواز محسوس ہوئی جیسے کوئی مجھے آپ لوگوں کے پاس پہنچنے کی ہدایت کررہا ہو‘ ایک عجیب سی ذہنی کیفیت میرے اوپر مسلط ہوجاتی ہے اور اس دن بھی میں ایسی ہی کیفیت کا شکار تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جاؤں اور آپ لوگوں کو اپنی کسی مشکل کے حل کے لیے آمادہ کروں‘ اس دن یہ آواز مجھ پر اس طرح حاوی ہوئی کہ میں اپنی ذہنی قوتیں کھو بیٹھا اور آپ لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ آپ یقین کریں مجھے اپنی اس حرکت پر سخت ندامت تھی۔ یعنی میری ذہنی قوتیں مسلسل کام کررہی تھیں‘ میں تخریب کاری نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ آواز جو مجھ پر مسلط تھی‘ مجھے مسلسل مجبور کررہی تھی کہ میں وہی سب کچھ کروں‘ جو میں نے کیا‘ میں ایک لمحے کے لیے ساکت ہوگیا تھا۔ میں جو کچھ کررہا تھا‘ میرا ضمیر اس کی نفی کررہا تھا لیکن نہ جانے میں کس قوت کے زیر اثر تھا‘ مجھے ہدایات ملتی رہی تھیں‘ میں نہیں جانتا کہ میرے دماغ میں کیا خرابی ہوگئی تھی‘ میں نے وہی سب کچھ کیا جس کی مجھے فوری طور پر ہدایت ملی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ہٹلر ہوں اور آپ سب لوگ اسی دور سے تعلق رکھتے ہوں‘ مجھے یاد نہیں کہ اس دوران میں نے کیا کیا بکواس کی تھی‘ لیکن عملی طور پر جو کچھ بھی کیا وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں اپنے آپ کو روکنا چاہتا تھا‘ لیکن میرے اعصاب میرے قابو میں نہیں تھے‘ میری زبان میرے کنٹرول میں نہیں تھی جو کچھ کررہا تھا اسی ہدایت کے زیر اثر کررہا تھا۔“

"اوہ یہ کیفیت کب سے ہے؟"

"میں نے کہا نا' ڈیڑھ یا دو ماہ کے عرصے میں یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"اس کی کوئی ایسی وجہ' جو آپ کے ذہن میں چبھتی ہو؟"

"نہیں' کچھ بھی نہیں یقین کریں کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہی نہیں آتا کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں اور کب ہوا' کچھ سمجھ میں نہیں آتا' لیکن جب میں اس آواز کے اثر سے نکلتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کر چکا ہوں غلط کر چکا ہوں' یہی سب کچھ اس وقت بھی ہوا تھا' ہوش میں آنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کوئی بہت بڑا گناہ کر کے آیا ہوں' میں نے اپنے ذہن پر زور دیا تو مجھے سارے واقعات یاد آ گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ میری وجہ سے مزید کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوئے آپ کے دفتر میں جو کچھ ہوا اس کے لیے میں آپ سے ہمیشہ شرمندہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے عصرانی صاحب' بہرطور ان تمام حالات کے باوجود ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔" ظفری نے کہا۔

"تو پھر بات تو بن گئی۔" عصرانی نے چونک کر کہا۔

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ آپ اس آواز کا سراغ لگائیے۔" عصرانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں' اس طرح نہیں' یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟"

"اس انداز میں کام کرنا ہم لوگوں کو پسند نہیں ہے۔" ظفری نے کہا۔

"نہ جانے آپ کیا سوچ رہے ہیں ظفری صاحب' میں تو آپ لوگوں کو ایک کام کے لیے معاوضہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یوں سمجھیے کام تھا نہیں نکل آیا۔" جاوید عصرانی نے کہا۔

"خیر اس بات کو ابھی رہنے دیں' میں اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔"

چنانچہ ظفری نے یہ سلسلہ سعدی کے سامنے پیش کر دیا لیکن سعدی نے انکار کر دیا تھا۔

"نہیں' ہم یہ کیس نہیں لیں گے۔"

"وہ کیوں سعدی؟" ظفری نے پوچھا۔

"ممکن ہے اس طرح عصرانی ہمیں ہمارے اس نقصان سے بچانا چاہتا ہو' چاہے بات کچھ بھی ہو' لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم اسے اپنے آپ سے دور ہی رکھیں' میں اسے دوبارہ اپنے آفس میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"اور وہ اگر کبھی آ گیا تو؟"

"دیکھا جائے گا' اس مسئلے میں پہلے سے سوچنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ اگر وہ کبھی آ ہی گیا تو اس پر وقت سے پہلے قابو پانے کی کوشش کرنا مناسب ہوگا۔" سعدی نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ متفکرانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

چند دن اور گزر گئے' لیکن جاوید عصرانی نے ان کے دفتر میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی' البتہ کئی بار وہ ان سے فون پر رابطہ قائم کر چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر کوئی وقت ہو تو اسے بتا دیا جائے۔ بیگم ہدایت پور لندن میں ہی تھیں اور خیال یہ تھا کہ وہ وہاں طویل قیام کریں گی۔

حالات آہستہ آہستہ پرسکون ہوتے جا رہے تھے' بہت دن سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو کوئی کیس نہیں ملا تھا' لیکن اس شام چار بجے انہیں ایک فون موصول ہوا۔

"ہیلو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟"

"جی فرمائیے کون صاحبہ ہیں آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن میرے اوپر کچھ ایسی پابندیاں ہیں' جن کی وجہ سے میں آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتی۔"

"ملنے کا مقصد کیا ہوگا؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں آپ کے ادارے سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔" نسوانی آواز نے کہا۔

"آپ کو ہمارے ادارے کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں؟"

"ہاں۔ یہ کہ آپ کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا معاوضہ پچیس ہزار روپے طلب کرتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک' تو آپ کا کام بالکل غیر قانونی نہیں ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔ بس میں اپنی ایک مشکل کا حل آپ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ براہ کرم اپنے کسی نمائندے کو اس پتے پر بھیج دیجیے۔ میں اس سے ملاقات کرلوں گی۔"

"پتا بتایئے۔"

"کراؤن ولا' ایک روڈ۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"براہ مہربانی اپنا نام بھی بتا دیجیے۔"

"جی ہاں' جی ہاں' آپ مجھے یہاں نسیم گل کے نام سے یاد کرسکتے ہیں۔"

"بہتر نسیم گل صاحبہ۔ آپ سے ملاقات کے لیے آنے والے کو کوئی قباحت تو نہیں ہوگی؟"

"ہرگز نہیں' آپ بے دھڑک یہاں آیئے۔ میرا نام معلوم کیجیے میں آپ سے مل لوں گی۔"

"لیکن آپ کو یہاں آتے ہوئے کیا مشکلات درپیش ہیں؟"

"سنیے میں نہیں چاہتی کہ کچھ لوگ مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں۔"

"اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ کچھ لوگ آپ کی نگرانی کررہے ہیں۔"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے' اس لیے میں محتاط رہنا چاہتی ہوں' آپ اپنے نمائندے کو بھیج دیجیے' میں سارے معاملات یہیں طے کرلوں گی۔" لڑکی یا عورت نے جواب دیا۔

"بہتر۔ تو آپ کس وقت ہمارے نمائندے سے ملنا پسند کریں گی؟"

"اگر شام میں کسی وقت مل لیں تو بہتر ہے' ورنہ کل صبح کا وقت بہت بہتر رہے گا۔"

"میرا خیال بھی یہی ہے' کل دس بجے صبح آپ ہمارے نمائندے سے ملاقات کرسکیں گی' وہ آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ پیش کرے گا اور اس کا نام ظفری ہوگا۔"

"بہتر' میں انتظار کروں گی۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ اور ٹیلی فون بند کردیا گیا۔

سعدی' ظفری کی طرف دیکھنے لگا' اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا خیال ہے' کام کرنے کا موڈ ہے؟"

"کیوں نہیں بھئی؟ تم تو بری طرح نروس ہوگئے ہو' آخر ہمیں یہ کام جاری رکھنا ہے۔"

"ہاں جاری تو رکھنا ہے۔ بس ان حالات نے ذرا بددل کردیا ہے۔"

"تم ضرورت سے زیادہ محسوس کررہے ہو۔ سعدی۔ پتا نہیں آئندہ کیا حالات پیش آئیں۔ ہمیں ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔" ظفری نے کہا۔

سعدی خاموش ہوگیا۔

شام سہانی تھی' مطلق صاحب ان حالات سے زیادہ متاثر نہیں معلوم ہوتے تھے' چنانچہ اس شام اچھی خاصی تفریحی نشست رہی۔ خاصے قہقہے لگائے گئے' وہ لوگ اپنے ذہنوں کو اس حادثے کے اثرات سے آزاد کرنے کی کوشش کررہے تھے اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے تھے۔

دوسرے دن ساڑھے نو بجے ظفری اپنی رہائش گاہ سے براہ راست کراؤن ولا کی جانب چل پڑا۔ باقی لوگ دفتر پہنچ گئے تھے۔ ظفری نے کراؤن ولا کو تلاش کیا۔ ایک روڈ کی شاندار کوٹھیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ دروازے پر ایک درباری چوکیدار موجود تھا۔ ظفری نے کار باہر ہی روک دی اور اتر کر پیدل چوکیدار کی طرف چل پڑا۔ چوکیدار سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہاں نسیم گل صاحبہ رہتی ہیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"چہ چوٹا بی بی (چھوٹی بی بی) رہتا اے' صاحب رہتا اے۔"

"انھیں اطلاع دو کہ ظفری آیا ہے۔"

"چہ ابی ٹھہرو' ام گیٹ سے نہیں ہٹ سکتا۔ کسی کو بلاتا اے۔" چوکیدار نے کہا اور پھر دور سے گزرتے ہوئے ایک آدمی کو آواز دی۔ جب وہ شخص قریب آیا تو چوکیدار نے کہا۔

"چہ نسیم بی بی کا مہمان آیا اے۔ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

چنانچہ ظفری اس شخص کے ساتھ سرخ بجری کی روش سے گزرتا ہوا صدر دروازے تک پہنچا' دروازے کے بائیں سمت ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا' اس شخص نے وہ دروازہ کھولا اور ظفری کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

ظفری ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ بہت ہی کشادہ اور حسین ڈرائنگ روم تھا۔ اس کوٹھی کے شایان شان' اسے انتظار کرتے ہوئے دو منٹ بھی نہیں لگے تھے کہ ایک خوبصورت بلند قامت لڑکی اندر داخل ہوئی' اس کے ہونٹوں پر شوخی کے تاثرات تھے لیکن آنکھیں اس کے چہرے کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ وہ کسی قدر گمبھیر سی اور روئی روئی سی تھیں۔ اس نے ہلکی سی گردن خم کر کے ظفری کو سلام کیا اور انتہائی سنجیدگی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"آپ غالباً مسٹر ظفری ہیں؟"

"جی ہاں' آپ نسیم گل؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں' میں ہی نسیم گل ہوں۔ لیکن ظفری صاحب بدقسمتی سے کچھ ایسے حالات کا شکار ہوں کہ آپ کو یہاں نہیں بتا سکتی۔ کیا آپ میرا مطلب ہے' محسوس کیے بغیر یہاں سے کچھ فاصلے پر چلیں گے؟"

"کوئی حرج نہیں' ویسے اگر آپ کوٹھی سے نکل سکتی تھیں تو پھر آپ نے دفتر آنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"میں آپ کو تفصیل بعد میں سمجھاؤں گی۔ میں آپ کے دفتر نہیں جا سکتی۔ ابھی یہاں

سے میں آپ کے ساتھ چلوں گی اور ہم کسی ایسی جگہ کا انتخاب کر لیں گے' جو پرسکون ہو گی' آپ خود بھی اس بات کا جائزہ لیجیے گا کہ کہیں کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا۔" لڑکی نے کہا۔

"اوہ۔ گویا آپ گھر سے تنہا نکلتے ہوئے ڈرتی تھیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں' بس یوں سمجھ لیجیے' میری پرسکون زندگی میں خواہ مخواہ کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔"

"کوئی حرج نہیں' میں تیار ہوں۔ آپ لوگوں کی مشکلات کا ازالہ کرنا ہی تو ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"آپ مجھے صرف دو منٹ کی اجازت دیجیے' ابھی حاضر ہوئی۔" لڑکی بولی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

ظفری پرسکون انداز میں بیٹھا میز کی سطح کھٹکھٹاتا رہا تھا۔ لڑکی نے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگائے' وہ لباس تبدیل کر کے آئی تھی' آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک رکھنے کے بعد اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی گمبھیرتا پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ظفری کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے' تب لڑکی نے پوچھا۔

"آپ کے پاس آپ کی گاڑی ہو گی؟"

"جی ہاں۔ گیٹ کے باہر کھڑی ہوئی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے' ہم اسی میں چلیں گے' آپ کو مجھے یہاں واپسی میں چھوڑنے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی میں ٹیکسی سے چلی آؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں ہے' آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہ کیجیے۔" ظفری نے کہا اور لڑکی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اس دوران کوئی اور شخص نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی انھیں کسی نے روکنے کی کوشش کی تھی۔

گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے جلدی سے ذیلی دروازہ کھول دیا اور دونوں

باہر نکل آئے۔ ظفری نے کار کا دروازہ کھولا اور پھر پچھلے دروازے کا لاک کھول دیا۔ وہ لڑکی کو ساتھ بیٹھنے کی دعوت نہیں دے سکتا تھا' لیکن لڑکی گھوم کر اس کے بائیں سمت والے دروازے پر آ گئی' اور ظفری نے اس دروازے کی نوب بھی کھول دی۔ چنانچہ لڑکی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی' اندر بیٹھ کر اس نے خود ہی پچھلے دروازے کی نوب دبا دی۔ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ ظفری نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

''کہاں چلنا ہے' ہمیں؟'' اس نے پوچھا۔

''بس چلیے یہاں سے' راستے میں کسی جگہ کا انتخاب کر لیں گے۔'' لڑکی گھبرائے لہجے میں بولی۔

''آپ شاید پریشان ہو رہی ہیں؟'' ظفری نے کہا۔

''نہیں' نہیں آپ موجود ہیں پریشانی کس بات کی۔ بس ایسے ہی خواہ مخواہ طبیعت پر اضطراب سا چھا جاتا ہے۔'' اس نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی۔

وہ کار ڈرائیو کرتا رہا' لڑکی کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی' ویسے بھی وہ اچھی شکل وصورت اور حسین خدوخال کی مالک تھی۔ ایک روڈ کے چوراہے سے وہ گرین اسکوائر کی طرف مڑ گئے۔ اس دوران ظفری نے تعاقب کا خیال رکھا تھا' لڑکی نے اس کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ ظفری خود بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔

''اگلے سگنل کے بعد بلومون ریستوران ہے۔ وہاں بیٹھیں گے۔'' لڑکی بولی' اور ظفری نے گردن ہلا دی۔ بلومون سے کوئی ایک فرلانگ پہلے ٹریفک سگنل تھا۔ سرخ بتی پر ظفری نے کار روک دی۔ اس کی نگاہ سامنے اٹھی ہوئی تھی۔

پھر جیسے ہی اس نے سبز بتی پر کار آگے بڑھائی دفعتاً اس کے کان جھنجھنا کر رہ گئے۔ لڑکی کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی تھی۔

''بچاؤ' بچاؤ۔ آں بچاؤ۔ خدا کے لیے بچاؤ'' اس کے ساتھ ہی اس نے ظفری پر حملہ کر

دیا۔ اس کے لمبے ناخنوں نے ظفری کی گردن پر کئی سرخ لکیریں بنا دیں۔ وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی۔ پھر اس نے ظفری کی قمیض کالر سے پکڑ کر پھاڑ دی۔

ٹریفک ابھی آگے بڑھا تھا۔ ظفری بدحواسی میں کسی کار سے ٹکرا سکتا تھا۔ اس کا پاؤں بریک کے بجائے ایکسلیٹر پر دب گیا اور کار کی رفتار تیز ہو گئی' لیکن لڑکی اب اس پر سوار ہو گئی تھی۔ اس نے پوری قوت سے ظفری کے شانے میں دانت گڑھ دیے۔ چوراہے پر کھڑے ٹریفک سارجنٹ نے چیخوں کی آواز سنی اور دوسرے لمحے اس کی طاقتور موٹر سائیکل حرکت میں آ گئی۔ اسے زیادہ دور تعاقب نہیں کرنا پڑا' کیونکہ تھوڑی دور آگے جا کر کار فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی تھی۔

انجن بند ہو گیا۔ ریڈی ایٹر پھٹ گیا اور اس سے پانی کی دھار نیچے بہنے لگی۔ کار رکتے ہی لڑکی نے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس کا چہرہ انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ دکھائی دیتی تھی۔ سارجنٹ نے پھرتی سے ٹریفک روکی۔ پر رونق جگہ تھی۔ ظفری نیچے اترا تو بے شمار ہاتھوں کی گرفت میں آ گیا۔ چند پولیس والے بھی فوراً آ گئے تھے۔ سارجنٹ نے لڑکی کو سنبھال لیا۔

''کیا بات۔ ہے۔ کون ہے یہ؟ کیا افتاد پڑی ہے تم پر۔۔۔؟''

''اغوا۔ یہ مجھے اغوا کر رہا تھا۔ آہ۔ میں بچ گئی۔'' لڑکی زاروقطار رونے لگی۔

''اسے پکڑ لو۔ باندھ لو' فرار نہ ہونے پائے۔'' سارجنٹ نے ٹریفک کانسٹیبلوں سے کہا۔ پبلک میں سے چند لوگوں نے لڑکی کے یہ الفاظ سنے۔ کچھ تھپڑ اور گھونسے ظفری کے پڑے لیکن ٹریفک والوں نے اسے بچا کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ سارجنٹ نے وائرلیس پر پٹرول کار کو طلب کر لیا تھا۔

ظفری چند لمحات کے لیے بدحواس ہو گیا تھا۔ اسے کسی چیز کا احساس آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ اس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

پٹرول کار پہنچ گئی۔ لڑکی اب کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اسے پٹرول کار کے بجائے ایک

ٹیکسی میں بٹھایا گیا اور وہ اسے ہیڈ آفس لے گئے۔ ظفری کو پٹرول کار میں بٹھا دیا گیا تھا۔

بہر حال اس کی کیفیت بحال ہو گئی۔ ٹریفک سارجنٹ نے اسے سنبھالنے والوں کو تفصیلات بتا دی تھیں۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا کہ وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہا ہے۔ پولیس ہیڈ آفس میں اسے کرائمز کنٹرول برانچ کے آفیسر انچارج کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ لڑکی کو بھی وہ لوگ وہیں لے آئے۔

"کیا معاملہ ہے؟" آفیسر نے پوچھا۔

"اغوا" ظفری کو لانے والوں نے بتایا۔

"لڑکی کون ہے؟"

"ابھی نہیں معلوم ہو سکا۔" جواب ملا۔ آفیسر انچارج نے ظفری کو بغور دیکھا اور پھر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ دوسرے چند لوگ جو آفیسر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' تمسخرانہ نگاہوں سے ظفری کو دیکھ رہے تھے۔

"کیوں اغوا کر رہے تھے تم اسے؟"

"کیا میں فون کر سکتا ہوں؟" ظفری نے پوچھا۔

"کسے فون کرو گے؟"

"اپنے ایک دوست کو۔"

"دشمن تو ہم بھی نہیں ہیں میری جان۔ ہمیں ہی بتا دو۔ آفیسر نے مسکراتے ہوئے۔ اس مسکراہٹ میں سفاکی تھی۔

"آفیسر۔ اگر آپ مجھے فون کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو براہ کرم ایس پی انصاری صاحب سے ہی بات کرا دیں۔" ظفری نے کہا۔ آفیسر انچارج کے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے چونک کر ظفری کو دیکھا۔ پھر بولا۔

"ایس پی صاحب تمھیں جانتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ایک منٹ رکو' وہ یہیں موجود ہیں۔" اس شخص نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ درمیان میں خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر وہ شخص ایس پی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یہ وہی ایس پی تھا جو جاوید عمرانی والے کیس میں اس سے مل چکا تھا۔

ایس پی انصاری اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تم یہاں کیسے؟"

"ایس پی صاحب میں پھر اسی جنجال میں پھنس گیا ہوں۔" ظفری نے گلا صاف کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"نوعیت ذرا مختلف ہے لیکن صورت حال یکساں ہے پولیس آفیسر میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں ان کے نقطہ نگاہ سے درست ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔۔"

"کیا معاملہ ہے انصاری صاحب۔۔۔؟" آفیسر انچارج نے پوچھا۔

"بھئی یہ معزز آدمی ہیں۔ تم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں سنا ہو گا' اس کے یہ ایک اہم رکن ہیں۔ میں انھیں جانتا ہوں۔"

"مگر یہ اس لڑکی کو اغواء کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں۔ لڑکی نے شدید مدافعت کی ہے۔"

"میں جو کچھ بتاؤں اس کی تحقیقات کر لی جائے۔ اگر مجرم ثابت ہو جاؤں تو سزا کا مستحق ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"بتاؤ۔"

"لڑکی کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔" ظفری نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ شاکر تم لڑکی سے تفصیل معلوم کر کے رپورٹ لکھواؤ اس کے بعد اس کے سرپرستوں کو اطلاع دو۔" آفیسر انچارج نے کہا۔ اور دوسرا آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

انصاری صاحب نے ظفری سے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ پھر وہ چونک کر بولے۔

"تم زخمی ہو؟"

"ہاں۔ اس نے میری گردن میں ناخون مارے ہیں اور شانے میں دانت گڑ جائے ہیں۔"

"اوہ اور کوئی زخم تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"ہاں۔ تفصیل بتاؤ۔"

"پہلے جیسا کیس ہے۔ لڑکی نے کل فون کر کے ہم سے امداد طلب کی تھی اور کہا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کوئی نمائندہ اس سے اس کی کوٹھی پر ملاقات کرلے۔"

"کون سی کوٹھی میں رہتی ہے وہ؟" ایس پی نے پوچھا۔

"کراؤن ولا۔ ایک روڈ۔" ظفری نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔

"کراؤن ولا میں تو درانی صاحب رہتے ہیں۔ سابق میئر اور بہت بڑے سماجی کارکن۔ تو کیا یہ ان کی بیٹی ہے؟ اگر ایسا ہوا مسٹر ظفری تو یوں سمجھ لیں کہ آپ کسی بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔ درانی صاحب بے حد غصہ ور انسان ہیں۔ وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔"

"گویا ثبوت اور شواہد کی کوئی حیثیت نہ ہوگی؟" ظفری نے کہا۔

"اس سلسلے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اگر آپ سچے دل اور ایمانداری سے ایک شریف شہری کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو میرے سلسلے میں چند اقدامات کرلیں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"کراؤن ولا کے چوکیدار کو طلب کرلیں۔ وہ اس بات کا گواہ ہے کہ مس تسیم گل کو اطلاع دے کر میں اندر گیا تھا۔ ایک ملازم بھی گواہ ہے جس نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا اور

پھر تسیم گل ہنسی خوشی اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی تھیں۔ اغوا کی شکل تو دوسری ہوتی ہے۔"

"ہوں۔ لیکن مسٹر ظفری، ممکن ہے پہلے ان کے اور آپ کے درمیان مفاہمت ہوا ور اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہوئے ہوں جن کی وجہ سے مس تسیم گل کو یہ خدشہ پیدا ہوا ہو کہ آپ اسے اغوا کر رہے ہیں۔" انصاری صاحب نے کہا۔

"اس کا پس منظر تو آپ معلوم کریں گے۔"

"یقیناً تحقیقات کے بعد ہی سب کچھ ہوگا۔ مگر افسوس کہ آپ پر صرف الزام ہی نہیں لگایا گیا بلکہ پولیس نے موقع پر آپ کو گرفتار کیا ہے۔ اس لیے ضروری کارروائی سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ فون کرنے کی اجازت تو مجھے ضرور مل جائے گی۔"

"فون موجود ہے۔ آپ فون کر سکتے ہیں۔" انصاری صاحب نے کہا اور ظفری نے فون پر سعدی کے نمبر ڈائل کیے۔ سعدی آفس میں موجود تھا۔

"کرائم کنٹرول برانچ پہنچ جاؤ۔ میں یہاں موجود ہوں۔"

"اوہ خیریت؟" سعدی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ آ جاؤ۔ انتظار کر رہا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

سعدی نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ شکل سے پریشان لگ رہا تھا۔ تنہا آیا تھا۔ ظفری کے ساتھ ابھی تک کوئی بدسلوکی نہیں ہوئی تھی۔ سعدی کو اس سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔ تمام تفصیلات سن کر سعدی ہکا بکا رہ گیا۔

"بالکل ویسا ہی کیس ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اس بار حالات پہلے سے مختلف ہیں۔ تم لڑکی کے بیان کے بارے میں معلوم کرو۔"

"کیا ایک بار پھر ٹمن کو بلایا جائے؟"

”مسخرہ پن ہے یار۔ اب وہ اتنی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ ہمارے لیے بھاگ دوڑ ہی کرتی رہے۔ کاروبار ہمارا ہے۔ اس سے کیا تعلق۔ اگر ہم کاروبار نہیں کر سکتے تو اسے بند کر دیں۔“

سعدی پریشانی سے گردن ہلانے لگا تھا‘ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”یہ دونوں واقعات یکساں ہیں اور یہ یکسانیت بے معنی نہیں ہے۔ تاہم میں جو کوشش کر سکتا ہوں کروں گا۔“

لڑکی کا بیان رجسٹر ہو گیا۔ کم بخت نے بڑا ٹیڑھا بیان دیا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص جس کا نام ظفری ہے‘ اس کا نام پوچھتا ہوا کراؤن ولا آیا۔ میں نے اس سے ملاقات کر کے اس کی آمد کا مقصد پوچھا تو اس نے کہا کہ میری ایک دوست جس کا نام ایلی براؤن ہے ویسٹ جرمنی سے آئی ہوئی ہے اور مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ ایلی براؤن میری اتنی اچھی دوست ہے کہ میں اس کا نام سن کر بے قرار ہو گئی اور کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی۔ لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد فتنا اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے کہا کہ اس کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے جو لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کے والدین سے رقومات طلب کرتا ہے اور وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ اس لیے اس کے عوض بہترین رقم حاصل ہو گی۔ بس یہ معلوم کر کے تسیم گل نے اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش شروع کر دی اور اسی کوشش میں کارفٹ پاتھ سے ٹکرائی۔

بڑا سنسنی خیز بیان تھا۔ جب اس کے بارے میں سعدی کو بتایا گیا تو وہ ساکت رہ گیا تھا۔ اس نے تسیم گل سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن اسے اجازت نہیں دی گئی تھی۔ بہرحال اس نے شکیلہ کو فون کر کے مختصراً صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔

”مطلق صاحب کو ابھی اس سلسلے میں تفصیل نہیں بتائی جائے۔ میں ظفری کی ضمانت کی کوشش کرتا ہوں اور ممکن ہے مجھے واپسی میں کافی وقت لگ جائے۔“ شکیلہ نے پریشانی کا اظہار کیا تھا‘ بہرحال سعدی نے اسے پرسکون رہنے کی ہدایت کی تھی۔

خاں صاحب احمد گل درانی واقعی آتش فشاں تھے۔ تسیم گل کو پولیس کراؤن ولا لے گئی تھی اس وقت تک یہاں صورت حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ خاں صاحب موجود تھے۔ پھر جب انہیں

حالات کا علم ہوا تو وہ غصے سے پاگل ہو گئے۔ رائفل نکال لائے اور بپھر گئے کہ ان کے مجرم کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔“

ظاہر ہے قانون کا معاملہ تھا انھیں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ بیٹی سے پوچھ گچھ کی۔ ایلی براؤن واقعی تسیم گل درّانی کی دوست تھی لیکن اس کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ خاں صاحب ظفری کے حصول میں تو کامیاب نہ ہو سکے لیکن بپھرے ہوئے پولیس ہیڈ آفس پہنچ گئے۔

”کہاں ہے وہ مردود لفنگا جس نے میری غیرت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ کون سے خاندان سے ہے اس کا تعلق‘ میں اس خاندان کے کسی فرد کو اس ملک میں نہیں رہنے دوں گا۔“

”میں ان کے خاندان کا ایک فرد ہوں خاں صاحب‘ آپ مجھے اس ملک سے نکال دیں۔“ سعدی نے سرد لہجے میں کہا۔

”ایک ایک پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ تم لوگ میری پہنچ سے واقف نہیں ہو۔“

”پہلے آپ یہ فیصلہ کر لیں خاں صاحب کہ ہمیں ملک بدر کریں گے یا پھانسی پر چڑھائیں گے۔“ سعدی نے زیر خند سے کہا۔ پے در پے الجھنوں سے وہ بھی جھنجلا گیا تھا۔

”تفصیل بتاؤ۔ مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیل بتاؤ ٹکے ٹکے کے لوگ اب میرے منہ آنے لگے۔“ خاں صاحب غصے سے لرزتے ہوئے بولے۔

”تفصیل میں عرض کرتا ہوں خاں صاحب۔ میرا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے کام کرتا ہے۔ اس کے دفتر کا پتا نوٹ فرما لیجیے۔ آپ کی صاحبزادی نے فون کر کے ہمیں اپنی کسی الجھن کے حل کے لیے طلب کیا تھا اور اس کے بعد انھوں نے یہ ڈرامہ کیا ہے۔“

”مسٹر سعدی‘ یہ سب فضول ہے۔ ظفری کی شخصی ضمانت کا بندوبست کیجیے۔ کیس درج ہو چکا ہے۔ ظفری حوالات میں رہیں گے آپ کسی وکیل کے ذریعہ باقی معاملات طے کیجیے۔“ انصاری صاحب نے کہا۔ پھر بولے۔ ”نہ خاں صاحب آپ کو ملک بدر کر سکتے ہیں اور نہ پھانسی چڑھا سکتے ہیں۔ نہ ہی آپ کو ان سے بدکلامی کی اجازت دی جائے گی۔ قانون آپ دونوں کی

خدمت کے لیے موجود ہے۔"

"لیکن خاں صاحب نے آپ لوگوں کے سامنے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمیں پھانسی چڑھا دیں گے۔"

"وہ صرف غصہ تھا۔"

"میری درخواست ہے خاں صاحب سے کہ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرسکیں تو بہتر ہے کہ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا فٹ کر کے خود کو عزت دار ثابت کریں۔" سعدی نے کہا اور وہاں سے چلا آیا۔

صورت حال ایسی پراضطراب تھی کہ بیان سے باہر۔ مطلق صاحب سے زیادہ چھپانا بے سود تھا۔ چنانچہ انھیں صورت حال بتادی گئی اور وہ بے چارے سخت پریشان ہوگئے۔ سمن آراء ہدایت پور کو اب اس سلسلے میں مزید تکلیف دینا حماقت تھی۔ البتہ ایک خیال ان کے ذہن میں آیا۔ دوسرے دن شکیلہ اور ظفری جاوید عصرانی سے ملاقات کے لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔ جاوید عصرانی بھی ایک معزز شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے ان دونوں کا پرخلوص استقبال کیا تھا۔

"خیریت ہے۔ میں آپ لوگوں کی آمد سے مسرور ہوں لیکن آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار پارہا ہوں۔"

"سوچا تو یہ تھا عصرانی صاحب کہ آپ کو کبھی پریشان نہ کریں گے لیکن تقدیر دوبارہ آپ کے پاس لے آئی۔"

"میرے ذریعے تم لوگوں کو جتنی تکلیف پہنچی ہے۔ میں اسے کبھی نہ بھول سکوں گا۔ میری دلی خواہش تھی کہ تمھارے سارے نقصانات پورے کردوں لیکن تم نے منظور نہیں کیا ہے۔ بہرطور تمھارے الفاظ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس وقت تم میرے پاس کسی مقصد سے آئے ہو۔ میں تمھاری خدمت کر کے بے حد مسرت محسوس کروں گا۔"

"عصرانی صاحب پہلے آپ یہ فرمائیے کہ اس کے بعد تو آپ نے اپنے ذہن میں کوئی

تبدیلی محسوس نہیں کی جس کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔"

"نہیں' اب میں پرسکون ہوں۔ دل و دماغ بہت ہلکا ہے۔" جاوید عصرانی نے جواب دیا۔

"لیکن کوئی ایسی شخصیت ہمارے پیچھے پڑگئی ہے جو پراسرار قوتوں کی مالک ہے اور جو کسی بھی طرح انسانی ذہن پر دباؤ ڈال سکتی ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ ایک اور ایسا ہی واقعہ ہمارے ساتھ پیش آگیا ہے اور ہم شدید مصیبت کا شکار ہوگئے ہیں۔"

"اوہو۔ کیا واقعہ ہے ذرا مجھے بتاؤ۔" جاوید عصرانی نے کہا اور سعدی نے اسے پوری تفصیل بتادی۔

"سو فیصدی میرے ہی جیسا کیس معلوم ہوتا ہے لیکن کیا ظفری اس میں الجھ گئے ہیں؟"

"بری طرح' خاں صاحب احمد گل درانی بڑی غصہ ور طبیعت کے مالک ہیں۔ وہ ظفری کو شدید سزا دلوانے کے خواہشمند ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کی ضمانت دیں اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس کی گلوخلاصی کرائیں۔"

"لیکن میاں اس میں ایک ذرا سی گڑبڑ ہے۔ میں تو بہرطور تھوڑی بہت دیر اس پراسرار قوت کے زیر اثر رہنے کے بعد نارمل ہوگیا لیکن وہ لڑکی مسلسل وہی بیان کیوں دیے جارہی ہے۔"

"اس کے بارے میں ہم کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکے ہیں عصرانی صاحب' ویسے اگر آپ کو کوئی دقت ہو تو پھر ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔"

"ارے نہیں میاں' مجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے ضرور کروں گا۔ سب سے پہلے تو میں ضمانت کا انتظار کرتا ہوں۔" جاوید عصرانی نے کہا' بلاشبہ وہ ان لوگوں کی شرافت سے متاثر ہوگیا تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ اس کی وجہ سے انھیں جو نقصان پہنچا تھا اس کا انھوں نے کوئی بدل نہیں لیا۔ وہ شکیلہ اور سعدی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

پھر ایس پی انصاری صاحب سے ملا اور اس نے تمام تر صورت حال کہہ سنائی۔

انصاری صاحب بے چارے پولیس آفیسر ضرور تھے لیکن اتنی بُری طبیعت کے مالک نہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ احمد گل درانی صاحب براہ راست ڈی آئی جی احسان علی کے پاس پہنچ گئے ہیں اور شاید کرائمز کنٹرول ڈیپارٹمنٹ کو کچھ ہدایات جاری کی جارہی ہیں۔ تاہم انصاری صاحب نے کہا کہ میں بار پھر اس لڑکی کا بیان لینے کی کوشش کرتا ہوں اس کے لیے میں انتظامات کر کے آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ اگر لڑکی نے اپنے بیان میں کوئی تبدیلی کر لی تو شاید ظفری کے لیے آسانیاں پیدا ہوجائیں۔ باقی رہی ضمانت کی بات تو وہ ایک قانونی عمل ہے جس کے لیے میں ابھی انتظامات کیے دیتا ہوں۔"

ظفری کی ضمانت ہوگئی۔ انصاری صاحب جاوید عصرانی کی وجہ سے مزید تعاون پر آمادہ ہوگئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ضروری انتظامات کیے اور احمد گل درّانی کی کوٹھی کراؤن ولا پر پہنچ گئے۔ احمد گل صاحب اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھے۔

لیکن نسیم گل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے پتا چل گیا کہ وہ اپنی خوابگاہ میں موجود ہے اس سے ملاقات کی درخواست کی گئی تو اس نے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ویسے بھی پولیس کا معاملہ تھا اور شاید یہ خوش بختی ہی تھی ان کی کہ احمد گل درانی اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ ورنہ ممکن ہے وہ بیٹی سے ملاقات کی اجازت نہ دیتے۔

نسیم گل نے متحیرانہ انداز میں سعدی اور انصاری صاحب کو دیکھا تھا۔ انصاری صاحب کے ساتھ ایک اور بڑا آفیسر بھی تھا۔ نسیم گل درانی نے پولیس کی آمد پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس آمد کی وجہ پوچھی تو انصاری صاحب پر محبت انداز میں بولے۔

"بیٹی کل کے واقعے کا ہمیں جتنا افسوس ہے ہم تم سے بیان نہیں کر سکتے۔ بعض عناصر اس قسم کی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ تمھاری کوششوں نے تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔

"کک۔ کیا مطلب، مم میں نہیں سمجھی۔" نسیم گل کا چہرہ ایک دم تاریک ہوگیا۔

"میں کل کے واقعے کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا ایک بار تم پھر مجھے بتانا پسند کرو گی کہ تمھیں اغوا کرنے کی کوشش کس طرح کی گئی تھی؟"

"اغوا؟" نسیم گل چونک پڑی پھر وہ صوفے کی پشت سے ٹک گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اس کے منہ سے آہستہ نکل رہا تھا۔

"میرے خدا۔ میرے خدا۔ تو وہ صرف خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت تھی وہ واقعی حقیقت تھی۔"

"میں نہیں سمجھا بیٹی؟" انصاری صاحب نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"دیکھیے آفیسر مم۔ میں خدا کی قسم جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ اسے فریب نہ سمجھیں۔ مم۔ میں پچھلے کئی دنوں سے اپنے آپ کو خواب کی سی کیفیت میں محسوس کرتی رہی ہوں۔ میں یوں محسوس کرتی ہوں جیسے میرے ذہن پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ ہاں، مجھے اس کے الفاظ یاد ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ اسے فون کروں اور وہاں سے کسی نمائندے کو اپنی مدد کے لیے طلب کروں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا ہی کیا اور، اور کوئی شخص میرے پاس وہاں سے آیا تھا۔ پھر میں ان ذہنی ہدایات کے زیر اثر اس کے ساتھ گئی اور میں نے۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔ شاید اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہاں مجھے یاد ہے، مجھے یاد ہے۔

موقعہ غنیمت جانا گیا وہ لوگ جلدی سے اسے پولیس کار میں بٹھا کر ہیڈ آفس لے آئے۔ کرائم کنٹرول برانچ کے آفیسر کو اس کی اطلاع دی گئی، کچھ اور آفیسر بھی جمع کر لیے گئے اور اس کے ساتھ ہی جاوید عصرانی کو بھی دعوت دے دی گئی۔ جاوید عصرانی اس معاملے میں پوری پوری دل چسپی لے رہا تھا وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ مخلص تھا۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچ گیا پھر جاوید عصرانی کا بیان لکھا گیا اور اس کے بعد نسیم گل کا، نسیم گل نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ جو کچھ کہہ رہی ہے

سچ کہہ رہی ہے۔اس میں سراسر فرق نہیں ہے۔وہ کسی پراسرار قوت کے زیرِ ہدایت یہ کام کرتی رہی تھی ورنہ نہ تو اس کی کوئی سہیلی یہاں آ رہی تھی اور نہ ہی ایلی براؤن سے کافی عرصے سے اس کا کوئی رابطہ قائم ہوا ہے۔اس نے کہا کہ وہ صرف غیر اختیاری طور پر یہ سب کچھ کرتی رہی ہے اور اس کا وہ بیان بالکل صحیح الدماغی کی کیفیت میں نہیں تھا جو اس نے پہلے دن پولیس ہیڈ آفس میں دیا تھا۔

ان واقعات نے پولیس آفیسرز کو پریشان کر دیا تھا ابھی یہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ احمد گل درانی آندھی اور طوفان کی طرح پولیس ہیڈ آفس پہنچ گئے۔ان کے ساتھ دو پولیس آفیسرز بھی تھے۔احمد گل درانی کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے۔

''کس نے یہ جرأت کی' کس کی یہ مجال ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں میری بیٹی کو پولیس ہیڈ آفس لایا جائے۔ارے یہ کیا تماشہ لگا رہا ہے تم لوگوں نے' کسی شریف آدمی کی عزت محفوظ نہیں رہی ہے ان پولیس والوں کے ہاتھوں۔میں کہتا ہوں کہ میری لڑکی میری اجازت کے بغیر یہاں تک کیوں آئی؟''

''درّانی صاحب آپ ایک شریف الطبع انسان ہیں۔میں جانتا ہوں کہ آپ صرف اس لیے بپھرے ہوئے ہیں کہ کسی کے نام کے ساتھ آپ کی بیٹی کے اغوا کا تذکرہ منسلک ہے۔بیشک آپ جیسا غیور آدمی ایسے آدمی کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کیس ہی بالکل جداگانہ حیثیت کا حامل نکل آیا۔آپ کی بیٹی نے جو نیا بیان دیا ہے وہ اس بیان کی نفی کرتا ہے۔جو پہلے دے چکی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ صحیح الدماغی کی حالت میں وہ بیان نہیں دے پائی تھیں ان کے ذہن پر کوئی قوت حاوی تھی۔

''ہاں ڈیڈی' اس میں کوئی شک نہیں ہے' آپ مجھے معاف کر دیجیے جو کچھ ہوا وہ میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔اب میں کیا بتاتی آپ کو جبکہ میں خود ہی صورت حال نہیں سمجھ سکی تھی۔سچ کہہ رہی ہوں ڈیڈی یہی ہوا تھا اس میں نہ کوئی چالبازی ہے اور نہ ہی میں نے کوئی فریب کرنے کی کوشش کی ہے۔کسی بے گناہ انسان کو مصیبت میں گرفتار کرا کے ہمیں کیا مل جائے گا۔''

''بکواس ہے' بکواس ہے میری بیٹی کو فوراً میرے حوالے کرو۔''

''ڈیڈی میرا تعلق درانی خاندان سے ہے اور میں احمد گل درانی جیسے انسان کی بیٹی ہوں بھلا میرے اوپر کوئی کیا دباؤ ڈال سکتا ہے۔میں جانتی ہوں کہ میرے اوپر دباؤ ڈالنے والے مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے۔پھر میں بھلا کسی کے دباؤ میں آ کر اپنا بیان کیسے بدلتی اور میں یہ بھی جانتی ہوں ڈیڈی کہ میرے ڈیڈی غصہ ور ضرور ہیں۔وہ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے لیکن وہ ان کے دشمن بھی نہیں ہوتے جو بے گناہ ہوں۔ڈیڈی آپ ایک سچے انسان کی حیثیت سے اس شخص کی حفاظت کیجیے جو بے چارا بلا وجہ میری وجہ سے عذاب کا شکار ہوا ہے۔آپ تو تعمیری صلاحیتوں کو پسند کرتے ہیں۔وہ کوئی تخریبی قوت تھی جس نے میرے ذہن کو زیرِ اثر لے کر مجھے اس آدمی کے خلاف اکسایا آپ بتائیے کیا آپ کی بیٹی کسی کے دباؤ میں آ سکتی ہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' احمد گل درانی نے سینہ تان کر کہا۔

''تو پھر آپ یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟!'' احمد گل درانی کے خد و خال ڈھیلے پڑ گئے تھے پھر وہ آہستہ سے بولے۔

''اگر واقعی یہ بات ہے تو پھر مجھے اس نوجوان سے کوئی شکایت ہے ڈی آئی جی صاحب آپ یہ کیس واپس لے لیجیے اور اس بے چارے کو رہا کر دیجیے۔'' ڈی آئی جی صاحب شانے ہلا کر رہ گئے تھے پھر انھوں نے اپنے ماتحتوں کو بلا کر ضروری کارروائی کے لیے کہہ دیا لیکن ذہنی طور پر وہ الجھ گئے تھے۔

سعدی ظفری اور شکیلہ کے بارے میں انھیں مکمل معلومات درکار تھیں۔انھوں نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں مکمل تفصیلات طلب کر لیں بہر طور ظفری کو اسی دن رہا کر دیا گیا تھا۔

ایسے حالات کا انھوں نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی بنیادیں ہل کر رہ گئی تھیں۔دو دن تک ظفری اور شکیلہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ذہنی طور پر وہ پریشانی کا شکار تھے۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کا وہ کون دشمن ہے جو اس طرح انسانی ذہنوں پر دباؤ

ڈال کر انھیں ان کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں دو دن تک وہ سر جوڑے
بیٹھے رہے تھے۔ ہر وقت اس موضوع پر بات چیت ہوتی تھی۔ مطلق صاحب بھی شریک تھے۔
مضطرب صاحب آرام کر رہے تھے۔ باقی افراد کو بھی کچھ دن کے لیے چھٹی دے دی گئی تھی اور ڈی
ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر بند پڑا تھا۔ چنانچہ کسی پڑوسی نے انھیں فون پر اطلاع دی کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ
پولیس کے حصار میں ہے اور دفتر کے تالے توڑ لیے گئے ہیں یہ نئی افتاد تھی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ
فوری طور پر مطلق صاحب کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ گئے۔

نیچے دو پولیس کاریں موجود تھیں اور دو تین پولیس کانسٹبل ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ شاید
ان لوگوں کو ٹیلی فون بھی کیا گیا تھا بہرطور جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو کچھ پولیس آفیسر ڈی ڈی ٹی
لمیٹڈ میں اندر داخل ہو کر اس کے ریکارڈ کی چھان بین کر رہے تھے۔ بے شمار کاغذات اور فائلیں
وغیرہ تحویل میں لے لیے گئے تھے ایک افسر اعلیٰ نے ان لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ڈی آئی جی احسان صاحب علی صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ایک
تحقیقاتی پینل مقرر کیا تھا۔ اس پینل نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس کے تحت انھوں نے فوری طور
پر اس کے احکامات صادر کیے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا سارا ریکارڈ قبضے میں لے لیا جائے ہمیں امید
ہے کہ آپ ہم سے تعاون کریں گے۔" سعدی ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے
گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں قانون کے معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔ اگر آپ
اجازت دیں تو ہم یہاں رکیں ورنہ باہر چلے جائیں۔"

"جی نہیں، ہم ابھی آپ کا فون نمبر تلاش کر کے آپ کو گھر پر فون کیا تھا۔ پتا چلا کہ چند
لمحات قبل آپ وہاں سے نکل چکے ہیں آپ کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ریکارڈ تقریباً قبضے میں لے لیا گیا
ہے دفتر سیل کر دیا جائے گا۔ آپ براہ کرم کسی بھی وقت ڈی آئی جی صاحب سے ہیڈ آفس میں آ کر
ملاقات کر لیں۔ ویسے فوری طور پر ڈی آئی جی صاحب نے یہ احکامات صادر نہیں کیے کہ آپ کو بھی

ساتھ لایا جائے۔" آفیسر نے نرم لہجے میں کہا۔ اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"ہمارا فون نمبر آپ کے پاس موجود ہے جب بھی آپ حکم دیں گے ہم آپ کے پاس
پہنچ جائیں گے۔" اس کے بعد وہ وہاں سے نکل آئے۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔
حالات جس قدر ہولناک و پریشان کن تھے انھوں نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اب ڈی
ڈی ٹی لمیٹڈ کی بقا مشکل ہے۔"

بہرطور گھر پہنچنے کے بعد تھوڑی دیر تک تو وہ ذہنی طور پر الجھے رہے پھر دفعتاً سعدی نے
کہا۔

"یار ظفری ایک بات بتاؤ۔"

"ہوں۔"

"ہم نے اپنی ابتداء کہاں سے کی تھی؟"

"کیا مطلب؟"

"سڑکوں اور فٹ پاتھوں سے اٹھ کر ہم یہاں تک آئے تھے تمھارا کیا خیال ہے کیا ہم
نے جاسوسی کی باقاعدہ تربیت لی یا اس کی تعلیم حاصل کرنے پر کچھ رقم خرچ کی؟ یہ تو بس یوں کہو کہ
چار دن کی چاندنی تھی اور اس کے بعد پھر اندھیری رات آگئی ہے لیکن ہم ان اندھیروں میں گزارہ
نہیں کریں گے بلکہ اپنے لیے نئے راستے تلاش کریں گے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تباہ ہوا ہے
ہو جائے۔ جو ہونا ہے ہو جائے گا۔ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے جس کی ہمیں سزا دی جائے۔"

شام کو چھ بجے کے قریب انھیں ڈی آئی جی صاحب کی طرف سے بلاوا موصول ہوا
پولیس ہیڈ آفس میں ہی انھیں طلب کیا گیا تھا۔ تینوں آدمیوں کا نام تھا۔ چنانچہ سعدی ظفری اور
شکیلہ ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کرنے چل پڑے۔

ڈی آئی جی احسان علی نے ان سے نرم روی سے ملاقات کی تھی۔

"مجھے آپ لوگوں سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں ہے لیکن قانون ساز ادارے اور قانون

کے محافظ اپنے معاملات میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتے۔ قانون میں مداخلت قانون شکنی کے مترادف ہے۔ میں نے آپ کے دفتر پر چھاپہ مارنے کے احکامات کافی غور و خوض کے بعد دیے تھے۔ یہ دو واقعات جو یہاں کا چارج لینے کے بعد میرے علم میں آئے بہت سنگین تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے دو انسانوں کے ذہنوں پر دباؤ ڈال کر پہلے انھیں آپ کے خلاف اکسایا پھر انھیں بیان بدلنے پر مجبور کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ لوگوں پر دباؤ ڈالنے پر بہتر وسائل رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ ابھی تک میں اس بارے میں کچھ معلوم کرنے میں ناکام رہا ہوں لیکن میں ان دونوں واقعات کے دوسرے دور کی سچائی سے مشکوک ہوں۔ آپ کا ریکارڈ پولیس کی تحویل میں ہے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا کاروبار کرتی ہے اس کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ یہ مددگار انسانیت ادارہ بھاری رقومات کے عوض لوگوں کے لیے اپنے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی میں معاون ہے اس کا ثبوت آپ کے ہاں کے ان فارموں سے ملتا ہے جن کے کالموں میں یہ تو لکھا ہے کہ آپ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو قانون کے خلاف ہو لیکن اس کا تعین آپ خود ہی کر لیتے ہیں۔ چونکہ آپ کے خلاف کسی غیر قانونی کام کی کوئی رپورٹ نہیں ہے اس لیے میں آپ کو گرفتار کر کے جیل میں تو نہیں ڈال رہا لیکن آپ کو ایک ایک لاکھ روپے کی تین ضمانتیں نقد جمع کرنا ہوں گی۔ اور کہنا ہوگا کہ آئندہ آپ پرائیویٹ جاسوسی کا کاروبار نہیں کریں گے۔"

"حکم حاکم ہے تعمیل ہوگی۔" سعدی نے ناخوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

"ضمانت کا انتظام کر لیجیے' آپ کا دفتر سیل کر دیا گیا ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"کل صبح تک اس کا بندوبست ہو جائے گا۔" سعدی نے کہا۔

"میں آپ کو ذاتی اعتماد کی بنا پر چھوڑ رہا ہوں آپ جا سکتے ہیں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

باہر نکل کر سعدی نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ مطلق صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں بھئی ہنسی کیوں آئی؟"

"زندگی میں تبدیلیاں ضروری ہیں مطلق صاحب۔ اس کاروبار میں پڑے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ دراصل ہم نے زندگی کی ابتداء فٹ پاتھ سے کی تھی جو کچھ کمایا عیش کیا۔ اب نئے سرے کسی زندگی کا آغاز کریں گے۔"

"ہاں میاں' مردوں کی زندگی میں یہ الٹ پھیر تو آتے ہی ہیں۔" مطلق صاحب نے ان کا دل بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آج رات ایک زوردار مشاعرہ ہو جائے۔" ظفری بولا۔

"بب۔ بخدا۔ سچ کہہ رہے ہو۔ اماں تمھیں واللہ۔"

"واللہ۔" ظفری نے چہک کر کہا۔ اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

محفل مشاعرہ جاری تھی۔ قدر علی جانباز غزل سنا رہے تھے کہ بیگم صاحبہ نے فون کی اطلاع دی۔ سعدی معذرت کر کے اٹھ گیا تھا اس نے فون ریسیو کیا۔ "کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"فدوی کو توپ الملک کہتے ہیں۔ بردبار تخلص کرتا ہوں اور آداب پیش کرتا ہوں۔"

"کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟"

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بول رہا ہے نا؟"

"جی جی۔ فرمائیے۔"

"اس مچھر مار نام سے گلوخلاصی کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ اس دفتر میں بیٹھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے تھے۔ اس خاکسار نے آپ کو اس جنجال سے نکال لیا۔ شکریہ ادا کیجیے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ یہ خدمت آپ نے کس طرح سرانجام دی؟" سعدی نے پوچھا۔

"بس کچھ ہپناٹزم سے دل چسپی تھی۔ اسی کو بروئے کار لایا۔ لیکن آپ کو میرا مزید شکر

گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو دائمی مصیبت میں گرفتار نہیں ہونے دیا۔

''وہ کیسے؟''

''میاں عقلمند ہو۔ عزیزم جاوید عمرانی ایک سال تک میرے ٹرانس میں رہ سکتے تھے۔ ایک سال تک وہ اپنے موقف پر قائم رہتے تو کیا ہوتا۔ اندازہ لگا لو اور پھر احمد گل درانی' معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں اگر ان کی برخورداری مسلسل اپنے بیان پر اڑی رہتیں تو ظفری میاں کو دو تین سال کی سزا سے کون بچا سکتا تھا جھوٹ کہا میں نے؟''

''نہیں درست فرمایا۔ لیکن قبلہ بردبار صاحب' آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟''

''میاں تمہاری شرافت سے ایک بڑا نقصان پہنچا تھا ہمیں۔ جو عقدے حل کیے ہیں تم نے ان میں ہمیں تلاش کر لو۔ جب حقیقت جان کر ہمارے پاس آ گے تو پچیس ہزار روپے تیار رکھے ہوں گے۔ کیسی رہی؟ بس ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا وجود قائم نہ رہنے دیں گے سو اس پر عمل ہو گیا۔ اس سے زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتے تھے مگر ہم نرم دل ہیں تمہاری جوانی پر رحم کھا گئے۔ اب کوئی دوسرا کاروبار کرو عزیزی۔ کیا رکھا ہے ان حماقتوں میں۔''

''تو حضور قبلہ توپ الملک صاحب' ایک قول اپنے اس خادم کا بھی ذہن نشین فرما لیجیے۔ ہم بددل ہو گئے تھے اس کاروبار سے اور سوچ رہے تھے کہ واقعی اسے ترک کر دیں گے۔ لیکن آپ کی اس زحمت نے ہمارے دل میں نئے عزائم پیدا کر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ جاری رہے گا لیکن نئے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر۔ اور قبلہ پچیس ہزار کا بندوبست رکھیے گا۔ ہم آپ کو بے نقاب ضرور کریں گے۔'' جواب میں قہقہہ سنائی دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆......☆......☆

بقیہ حالات جاننے کے لئے

''گول مال'' پڑھیں۔

گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو دائمی مصیبت میں گرفتار نہیں ہونے دیا۔

"وہ کیسے؟"

"میاں عقلمند ہو۔ عزیزم جاوید عمرانی ایک سال تک میرے ٹرانس میں رہ سکتے تھے۔ ایک سال تک وہ اپنے موقف پر قائم رہتے تو کیا ہوتا۔ اندازہ لگا لو اور پھر احمد گل درانی' معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں اگر ان کی برخورداری مسلسل اپنے بیان پر اڑی رہتیں تو ظفری میاں کو دو تین سال کی سزا سے کون بچا سکتا تھا جھوٹ کہا میں نے؟"

"نہیں درست فرمایا۔ لیکن قبلہ بردباد صاحب' آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟"

"میاں تمہاری شرافت سے ایک بڑا نقصان پہنچا تھا ہمیں۔ جو عقدے حل کیے ہیں تم نے ان میں ہمیں تلاش کر لو۔ جب حقیقت جان کر ہمارے پاس آؤ گے تو پچیس ہزار روپے تیار رکھے ہوں گے۔ کیسی رہی؟ بس ہم نے طے کر لیا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا وجود قائم نہ رہنے دیں گے سو اس پر عمل ہو گیا۔ اس سے زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتے تھے مگر ہم نرم دل ہیں تمہاری جوانی پر رحم کھا گئے۔ اب کوئی دوسرا کاروبار کرو عزیزی۔ کیا رکھا ہے ان حماقتوں میں۔"

"تو حضور قبلہ توپ الملک صاحب' ایک قول اپنے اس خادم کا بھی ذہن نشین فرما لیجیے۔ ہم بددل ہو گئے تھے اس کاروبار سے اور سوچ رہے تھے کہ واقعی اسے ترک کر دیں گے۔ لیکن آپ کی اس زحمت نے ہمارے دل میں نئے عزائم پیدا کر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ جاری رہے گا لیکن نئے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر۔ اور قبلہ پچیس ہزار کا بندوبست رکھیے گا۔ ہم آپ کو بے نقاب ضرور کریں گے۔" جواب میں قہقہہ سنائی دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

بقیہ حالات جاننے کے لئے

"گول مال" پڑھیں۔